قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ

الحمد للہ علی احسانہ کہ کتاب مستطاب جامع آثار اذکیا و اولیا و ہادی الدرجات رفیع و علیا

یعنی اردو ترجمہ

١٣٢٣ھ

انوار القدسیہ
فی
آداب العبودیہ

حسب اہتمام
خادم العلماء نیازمند ابوالثناء المدعو بہ عبدالرحمٰن تاجر کتب
مالک کتبخانہ اسلامیہ امرتسر پنجاب

مطبع خادم پنجاب امرتسر میں طبع ہوئی

سنہ ١٩٠٦ء

تعداد جلد ٧٥٠ | طبع اول | قیمت فی جلد ۱۲/ ۱ ۔

تفسیر کبیر کی جلد اول کا اُردو ترجمہ

جو لوگ مذہب اسلام کے سچے اصولوں کو خلاف عقل خیال کرتے ہیں یا جن کو ان پاک اصولوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کو چاہیئے کہ امام فخر الدین رازی کی اس عظیم الشان تفسیر کا مطالعہ کریں اس تفسیر میں قرآن کریم کی جملہ آیات کی تفسیر اصول فلسفہ اور سائنس سے کی گئی ہے جن آیات یا مسائل پر مخالفین اسلام نے اعتراض کئے ہیں۔ یا جس قدر شکوک کسی آیت پر وارد ہو سکتے ہیں اُن کے جواب نہایت زبردست عقلی دلائل سے سوال و جواب کے طور پر دئے گئے ہیں بعض مشکل اور دقیق مضامین جیسے ثبوت واجب الوجود۔ ثبوت نبوت حضرت محمد رسول اللہ صلعم ثبوت ملائکہ و شیاطین سحر و معجزات کی تشریح معہ ثبوت ناسخ و منسوخ کی کیفیت۔ حشر و نشر کا عقلی ثبوت بہشت و دوزخ کا ثبوت اور اسکی ضرورت زمین و آسمان کے عجائبات کا انکشاف وغیرہ کو بالکل اصول فلسفہ اور سائنس کے مطابق حل کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کے جھوٹے قصے اور من گھڑت روایتوں کی پوری قلعی کھولی گئی ہے۔ بعض مسائل پر متقدمین کے بحث و مباحثے اور ان پر امام رازی کی جرح و تعدیل قابل دید ہے۔ غرض تمام جہان کے مفسر قرآن رازی کی طرز تحریر زبردست فلسفی دلائل کا لوہا مان گئے ہیں۔ جو طرز تحریر امام رازی نے ایجاد کیا ہے اوسکا نمونہ ملنا بالکل محال ہے اسلئے اس تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی دوسری تفسیر کی تفسیر کی ضرورت نہیں تقطیع ۱۰×۱۳ صفحات ۵۳۶ قیمت للعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پہلا جسکی شان بیرون از عقل و قیاس و گمان و وہم ہو اسکی حمد و ثنا کا دم مارنا چھوٹا مُنہ بڑی بات نہین ہے تو کیا ہے اور اسکے رسول مقبول (جسکی تعریف بلغ العلی بکمالہ ہو) کی نعت کا حوصلہ کرنا ان کے شان کے معاملہ مین ایک گونہ جرات و بیباکی نہین ہے تو کیا ہو۔ غرض اصل مطلب یہ ہے۔ کہ ایک دن جبکہ پیر کا روز سترہوین رجب سن نو سو اکتیس ۹۳۱ ہجری تھا میرے دل مین آیا اور نہایت جذبۂ دل دامنگیر ہوا کہ اولیا درضہ کے مقامات و مراتب و مدارج و مسالک سے واقفیت حاصل کرنی چاہیئے۔ اور جو کچھہ مینے حاصل کیا ہوا تھا وہ مجھے حقیر معلوم ہوتا تھا اور اس درجہ و مقام پر خوش نہین تھا۔ بلکہ مدارج عالیہ و منازل رفیعہ پر پہنچنا چاہتا تھا۔ اور یہ بھی خیال آتا تھا کہ اس ناشکری سے کہین ایسا نہ ہو کہ خدا کے غضب و سقت کے نرغے مین پھنس جاؤن اور کہین سوء خاتمہ کی نوبت نہ پہنچ جائے۔ غرض کہ اسی خیال مین غلطان و پیچان ہو کر باہر نکلا۔ اور مصر کے ایک روضہ کے سامنے مقام قسطاطینہ مجھہ پر ایک حالت طاری ہوئی۔ کہ مین نے نوم (نیند) و تیقظہ (بیداری) کی حالت مین ایک ہاتف (آواز دینے والا) کی آواز سنی جسکا جسم مجھے نظر نہین آتا تھا اور وہ اللہ تعالےٰ کی زبان سے کہہ رہا تھا کہ اے میرے بندے اگر مین تجھہ کو تمام کائنات و جمیع مخلوقات اور ہر ذرہ ریگ اور ہر قطرۂ دریا اور ہر ایک قسم کے نباتات اور ان کے اسما اور ان کی اعمار (عمرین) اور تمام حیوانات اور ان کے اعمار اور تمام طیور و وحوش و حشرات وغیرہ پر مطلع کردون اور آسمانون اور زمینون و جنت و نار کی حقیقت ظاہری و باطنی تجھہ پر منکشف کردون اور تیری دعا سے بادل برساؤن اور تیرے ہاتھہ پر مردے زندہ کرون اور تمام اقسام کے کرامات تیرے ہاتھہ سے ظاہر ہونے لگین۔ تو بھی یہ تمام چیزین اور یہ سب فضائل و مراتب ذرجہ عبودیت

خاص مرتبہ ہے ۔ اور مینے اس رسالہ کا نام (الانوار القدسیۃ فی آداب العبودیۃ) رکھا ۔ اور یہ بھی ہاتف کی زبان سے سنے ہے جبکہ خطیب جمعہ کے روز منبر پر تھا ۔ اللہ تعالےٰ سے یا امید ہے کہ جو فقیر صاحبدل صاحب ذوق طالب عرفان اسکا مطالعہ کریگا ۔ تو اسے عبودیت کے آداب اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے کافی آگاہی ہو جائیگی ۔ کیونکہ اسمین شیخیت و بزرگی کے ناموس کو توڑ اگیا ہے ۔ اور ریا و تکبر جو اکثر طالبون کو اس راستہ مین دامنگیر ہوتا ہے اسکی قلعی کہولی گئی ہے ۔ اور بتلایا گیا ہے کہ جو شیخ اپنی بزرگی جتلاتا ہے ۔ اور اخلاق رذیلہ سے اسکا باطن صاف نہین ہوا ہے ۔ اسکے حق مین یہ ورزیدہ الفاظ عارفانہ زہر ہلاہل ہین ۔ اسکے حق مین تو یہ بہتر تھا کہ وہ انگشت نما نہ ہوتا بلکہ مستور و محجوب رہتا ۔ کیونکہ دنیا مین انبیاء و کامل عارفون کے سوا جو شخص گمنام و مستور ہو وہی اچھا ہے اور جو لوگ سوائے دو گروہ مذکورہ کی اپنے ہمجلسون مین امتیاز و عزت کے طالب ہوتے ہین وہ محض جہوٹے مدعی اور کوچہ معرفت سے محض ناآشنا ہوتے ہین ۔ بعض مدعی شخص کو دن صرف اوراد و اذکار و ورزیدہ الفاظ کو ہی معرفت نامہ و ولایت کاملہ خیال کئے بیٹھے ہین ۔ اور شیطان کے دہوکے مین پہنسے ہوئے ہین ۔ اور نہین جانتے کہ ریا کیا چیز ہے ۔ اور اخلاق حمیدہ کی کیا علامات ہین ۔ اور اخلاق رذیلہ کے کیا اوصاف ہین ۔ اور بعض ایسے ہوتے ہین کہ لوگون کو فلاح و صلاح پہنچانے کے خیال سے ساری عمر ان کو اعمال شاقہ (مشکل کام) مین لگائے رکہتے ہین اور ان کی ایسی حالت ہوتی ہے ۔ کہ فقیر عارف کامل کو ایک ہفتہ بھی ان کی صحبت مین کاٹنا قیامت کا سامنا ہو جاتا ہے ۔ اور ہمارے اس زمانے کے اکثر فقیر اسی قسم سے ہین ۔ اور انہین سے سوائے معدودے چند کے کوئی بھی ریا و تصنع و تکلف سے خالی نہین ہے ۔ اور کوئی بھی انہین سے ایک کوڑی بھی تصدق نہین کرتا بلکہ جہان کچھ پاتے ہین لپیٹنے کی سوجہتی ہے ۔ اور اسکو فخر خیال کرتے ہین ۔ اور دولتمندون کی تعریف کرتے ہین ۔ میرا ایک شیخ کہا کرتا تھا کہ امیر شیخ تو بڑا ڈہول ہے ۔ اور غریب شیخ ذلیل آدمی ہے ۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ فقیر عارف کے حق مین امتیاز کا چہوڑنا اور گمنام رہنا اور لوگون مین مستور و محجوب ہونا بہتر ہے ۔ بلکہ اصل صداقت یہی ہے اور یہی طریقہ صحابہ و تابعین کا تھا ۔ اور یہی طریقہ آسان ہے ۔ اور عام مسلمانون کے واسطے مفید ہے کیونکہ تمام لوگ اس درجہ پر نہین پہنچ سکتے ۔ اور جو چیز خلاف حقیقت ہو اسکا دعوے انسان کے لئے زیبا نہین جیسا کہ ربوبیت کا دعوے عاجز بندہ کے لیے شایان نہین

جاننا چاہیئے کہ بندہ کا اپنی حد سے تجاوز کرنیکا باعث یہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے ۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ تمام صفات جلالیہ تکبر و بزرگی و عزت و عظمت و شوکت و جلالت سے موصوف ہے ۔ اسکی صورت (انسان) مین بھی یا امور ظلی طور پر سرایت کئے ہوئے ہین لیکن عبد کامل و عارف صادق وہ ہوتا ہے ۔ جو صفات عبودیت عجز و انکسار و تواضع و تکسر و فقر

ل جیسے بچہ کہوگ جبش دم دہر

واحتیاج سے موصوف ہو وہ سمجھتا ہے کہ مین ایک عاجز بندہ ہون - مجھے گرمی و سردی ستاتی ہے -
ہر ایک چیز میری جان کی دشمن ہے - وہ کسی ادنے سے ادنے کو بھی حقیر نہین سمجھتا بلکہ اپنے زرخرید
غلام پر بھی فوقیت نہین جتاتا - کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ شاید وہ عند اللہ مجھہ سے اچھا ہو - اور جو شخص
اسکے برخلاف کرتا ہے - اور اللہ تعالےٰ کی صفات مخصوصہ سے متصف ہونا چاہتا ہے - وہ حقیقت
مین جاہل مطلق اور غبی ہے - اور نہین سمجھتا کہ تکبر و کبریائی خدا کا خاصہ ہے - اور اللہ تعالےٰ متکبرون کو
پسند نہین کرتا اور نہین جانتا کہ وضیع و شریف و غلام و آقا سب خدا کی ملکیت ہین - کسی کو کسی پر بلحاظ
مخلوقیت کوئی شرافت و فضیلت نہین ہے - ہان رسولون کو بوجہ مامور و نزول وحی ہونیکے سب
پر فضیلت ہوتی ہے - مگر فقیر عارف کا کام تو یہی ہے کہ محض خدا کا بندہ ہو جاوے اور کسی کو نظر
حقارت سے نہ دیکھے اور تکبر و ریا وغیرہ اخلاق رذیلہ سے کنارہ کرے - اور اس طریقہ پر چلنے کے لیئے
کسی شیخ و پیر کی چندان ضرورت نہین ہوتی - عارف کامل و شیخ فاضل کی ضرورت صرف مکاشفہ
و مجاہدہ وغیرہ امور مخفیہ باطنیہ کیواسطے ہوتی ہے - کیونکہ یہ مراحل الفاظ کے سیکھنے سے طے نہین ہوسکتی
یہ راستہ چلنے کا ہے نہ کہنے کا - اور یہ باتین مشق و ریاضت و طریق عمل سے حاصل ہوتی ہے - جیسا شہد
کا ذائقہ جاننے والا اس شخص کو جسنے کبھی شہد نہین چکھا اسکا ذائقہ نہین سمجھا سکتا - ایسا ہی عارف
کامل اس شخص کو جسنے اس راستہ پر قدم نہین رکھا - اور مشق و ریاضت کو کام مین نہین لایا - معرفت کی لذت
و عبودیت کے ذوق سے واقف نہین کر سکتا - اسواسطے مینے بھی اس رسالہ مین جو امور ذوق سے تعلق رکھتے
ہین - ان کو ترک کر دیا ہے - کیونکہ دنیا مین مقلد بہت ہین اور محقق کم - اور قاعدہ ہے کہ مقلد نہ سوچنے والا
جب کسی خیال کو اپنے خیال کے مخالف پاتا ہے - تو اسکے انکار و تردید کی طرف دوڑتا ہے اگرچہ وہ خیال واقع
کے مطابق ہی ہو - مگر صوفیون کے نزدیک ایسا شخص معذور سمجھا جاتا ہے - کیونکہ وہ اس ذوق و لذت
سے محروم و بے خبر ہوتا ہے - لیکن محقق کا طریقہ ہے - کہ جب کسی خیال کو اپنے خیال کے مخالف پاتا ہے
تو اسے سوچتا ہے - اور تقلید و تقیید کے گڑھے مین گرنا نہین چاہتا - وہ تقلید کو ادنے مرتبہ خیال کرتا ہے
اور تحقیق سے مدارج عالیہ پر پہنچنا چاہتا ہے - اور جانتا ہے کہ (شنیدہ کے بود مانند دیدہ) کا مقولہ از حد ہے
یاد رکھنا چاہیئے کہ جو مضامین مینے اس رسالہ مین بہ مقتضائے وقت اللہ کے ارادہ سے درج کیئے ہین وہ
چندان زیادہ غور و فکر و تعمق نظر کا نتیجہ نہین ہین - بلکہ ایک حبیب صادق کی درخواست کا نتیجہ ہین اسیواسطے
التجا ہے کہ اگر کوئی صاحب صاحب ذہن و ذکا و مالک حلم و حیا اس رسالہ مین کوئی مضمون خلاف کتاب ملاحظہ
کرے - تو بشرط علم الیقین و معرفت متین اسکی اصلاح کر دے - اور اس فقیر کے حق مین دعائے مغفرت
کرے اور دعائے خیر سے یاد کرے

یہ رسالہ تین باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے - باب اول مطلقاً آداب عبودیت مین - باب ثانی مفید

ونافع علم کے طلب کے طریقون مین - باب ثالث فقرا و سالکین کے آداب مین - خاتمہ ان معاملات کے بیان مین جو عبد کامل و عارف محقق کے نزدیک مقام عبودیت سے گرے ہوئے مین اور عمدہ حصہ رسالہ کا یہی ہے اور اسکی تالیف و تصنیف کا باعث بھی وہی ہے - اب مین اللہ تعالیٰ کی اعانت سے وہ مضامین نفیسہ جو اللہ تعالےٰ نے مجھہ پر ظاہر کیئے ہین - اور مین خیال کرتا ہون کہ اس سے پہلے کسی نے ان کو نہین لکھا ہے - تحریر کرتا ہون - حقیقت مین رسالہ کی تصنیف و تالیف اسیوقت مفید و قابل قدر ہوسکتی ہے - کہ اسکے مضامین تازہ دلفریب ہون ورنہ نقل بلا عقل سے کیا فائدہ - اور مینے اس رسالہ کی طرز تحریر کو تبرکاً اپنے ایک شیخ عارف کی طرز پر رکھا ہے - انسان اتنا ہی بولتا ہے - جتنا اسے درگاہ الٰہی سے عطا ہوتا ہے - اور علیم کل تو وہی ذات پاک ہے جسکی شان (سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العزیز الحکیم) ہے -

باب اول مطلقاً آداب عبودیت کے بیان مین

اول یہ سمجھنا چاہیئے کہ کتب الہامیہ کے انزال اور رسل و انبیاء کے ارسال سے مقصود بالذات یہ ہے کہ خدا کی بندون کو اپنی حقیقت اور اپنے خالق کی عظمت معلوم ہوجاوے اور وہ جان لیوین کہ ہماری پیدایش کی علت غائی کیا ہے - اور اپنے اور اپنے خالق کے حقوق مین تمیز کرین تاکہ اپنی حد سے تجاوز نہ کرین گویا کتب الٰہیہ خدا اور انسانون کے مابین ایک قسم کا وثیقہ و عہد ہے جسمین کچھہ حقوق خدا کے بندون پر اور کچھہ حقوق بندون کے خدا پر درج ہین - یعنے انسان اگر خدا کی شرائط مقررہ کو بجا لائیگا - تو اللہ بھی اپنے فضل و کرم سے اسکا اجر مقرر و ثواب معین اسے ضرور دیگا چنانچہ آیت ذیل (۱) (اوفوا بعھدی اوف بعھدکم) اس مضمون پر کمال صراحت سے دلالت کررہی ہے - اور اس معاہدہ و مواعدہ سے معلوم ہوتا ہے - کہ انسان اپنی اصلیت کو بہول گیا تھا - ورنہ اس معاہدہ کی کوئی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ عبد مطلق (جسکا آقا پر کوئی حق نہین ہوتا) کے ساتھ معاہدہ و مکاتبہ نہین ہوا کرتا - یہ معاملہ تو عبد مکاتب (جو غلام اپنے آقا سے آزادی کا طالب ہو) کے ساتھ ہوتا ہے - جس مین آزادی و عدم فرمانبرداری کا شائبہ پایا جاتا ہے - پس باعتبار اطاعت خداوندی یہی حال انسان کا ہے - کہ انسان اپنی ذات و عبودیت کو بھول گیا اور بذات خود مالکانہ تصرف کا دم بھرنے لگا - اور حلقہ طاعت سے اپنی گردن کو بالکل آزاد کرنے لگا - تو اسکو آزاد و حر بنانیکے لیئے ایسے معاہدہ و مکاتبت کی ضرورت ہے جسکی رو سے وہ اپنے شرائط مقررہ خداوندی کو پورا کرکے عذاب و تکلیف کی رسی سے اپنی گردن چہڑالے - اور آزاد ہوجاوے چونکہ معاہدہ طرفین سے ہوا کرتا ہے اسواسطے خدا کو بھی اپنے وعدے و وعید پورا کرنیکے لیئے انزال کتب و ارسال رسل کی ضرورت پڑی اگرچہ عام انسانون کے لئے جو درجہ عبودیت تک نہین پہنچے - یہ مواعید و مواثیق دلخوش کن ہین - مگر عارف صادق اور عبد کامل کے دل پر ان کو نہ

(۱) تم میرے احکام کو نبہاؤ - مین اپنے وعدہ کو پورا کردونگا

یا نعقوکم) کا مضمون نہایت گران گزرتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر بندہ عبودیت کے درجے سے گرا ہوا نہ ہوتا تو یہ آیت نازل نہ ہوتی۔ اسیواسطے عارفان مواعید کے القاء کو ذریعہ حصول آزادی نہین بناتے۔ بلکہ وہ تو عبد کامل ہونا چاہتے ہین۔ اور اپنے کسی عمل کا اجر اپنے آقا سے نہین مانگتے۔ بلکہ ہر ایک عمل اسکی رضامندی کیواسطے کرتے ہین۔ نہ ثواب کی امید اور عذاب کے ڈر سے کیونکہ یہ کام عبد مکاتب کا ہے۔ نہ عبد مطلق کا اور وہ عبد مطلق ہو جانا چاہتے ہین نہ عبد مکاتب۔ جب عبد مطلق کی یہ حقیقت ہوئی۔ تو ضرور ہے کہ اسکے آداب وعلامات تحریر کئے جاوین تاکہ اُن کی شناخت مین آسانی ہو جاوے پس عبد کامل کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کے اوامر کو بجالاوے اور منہیات سے پرہیز کرے صرف اس خیال سے کہ وہ اللہ کے احکام ہین اور اپنے آقا کا حکم ماننا غلام کا فرض ہے نہ اس اعتبار سے کہ کرنیسے ثواب ہوگا اور نہ کرنیسے عذاب کیونکہ اس حالت مین آقا کی عظمت ومالک کی محبت کا ثبوت نہین ملتا۔ بلکہ محض ٹکون کی خاطر کام کرتا ہے۔ اور سوائے اس مزدوری کے خدا سے کچھ اور پانیکا مستحق نہین ہوتا کیونکہ وہ تو اپنے نفس کی خاطر کام کرتا ہے نہ خدا کیواسطے علاوہ اس کے ایسی عبادت نقصان وخلل وگستاخی سے خالی نہین ہوتی۔ تو وہ ایسی عبادت سے ثواب خاص کا مستحق کیونکر ہوسکتا ہے۔ بلکہ اخلاص نہ ہونیسے عذاب ومقت کا مستحق ہو تو بجا ہے۔ اور اخلاص کی حالت مین بھی عدم قبولیت کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ تو پھر طالب اجر کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہان یقینی معلوم ہو جانے پر کہ قبول ہو گئی ہے۔ طلب اجرت کا امکان ہو سکتا ہے لیکن اس صورت مین بھی گستاخی کا ڈر لگا ہوا ہے۔ کیونکہ اس وقت صورت سوال سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسے اپنے آقا کے وعدو پر اعتبار نہین ہے۔ یہہ حالت ان لوگون سے تعلق رکھتی ہے۔ جو عبادت سے مغرور ہو جاتے ہین اور دوسرے لوگون کو نظر حقارت سے دیکھتے ہین اور جن مین تکبر وریا کی مرض پھیل جاتی ہے۔ پھر وہ دوسرون کو جو ان کی سی عبادت نہین کرتے لعنت وملامت کرتے ہین حالانکہ خود حقیقت عبودیت سے ناواقف ہین۔ مگر عوام کا حال (جو محض اللہ کے ڈر سے سب کام کرتے ہین اور اپنی عبادت کو دوسرون کے طعن کا ذریعہ نہین بناتے بلکہ خود کو حقیر وعاجز خیال کرتے ہین) بہ نسبت ایسے متکبرون کے اچھا ہے۔ پس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ عبد کامل اپنے آقا کی خدمت کرنیسے مزدوری کا طالب نہین ہوتا بلکہ طلب اجرت کو بے ادبی وگستاخی سمجھتا ہے۔ وہ تو صرف تعمیل حکم وانتشار امر کیواسطے کام کرتا ہے۔ اور اللہ خود اسے بغیر مانگنے کے سب کچھ دیتا ہے۔ بلکہ عمل سے خود ہی اجرت مل جاتی ہے۔ اور عامل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اسیواسطے رسولون نے اپنی امتون سے کہا کہ ہم اس وعظ ونصیحت کا اجر تم سے نہین مانگتے ہمین خود ہی اللہ اس کا اجر دیدیگا محمد رسول اللہ کو اس درجے مین باقی انبیاء پر فضیلت ہے۔ کہ وہ اس اجر مین جو اللہ کے ذمہ ہوتا ہے سب انبیاء ورسل کے ساتھ شریک ہین اور اس بات مین زیادہ ہین کہ اُن کی رسالت کا اجر ان کی امت پر بھی ہے اور وہ یہ کہ امت کے لوگ ان کے اہل بیت اور اہل قرابت سے بھی دوستی ومحبت قلبی رکھین

پس معلوم ہوا کہ خدمت واجرت خالق ومخلوق کے درمیان دائر ہے۔ مخلوق کا اجر اللہ پر ہے۔ اور اللہ کے احکام کی تعمیل خلقت پر لیکن اللہ پر جو اجر ہے وہ اسکی رحمت وعنایت ہے۔ اور اعمال صرف اسکی رحمت کے ظہور کا ذریعہ ہین۔ کیونکہ اگر مخلوق نہ ہوتی تو اسکی صفت رحمانیت کا مظہر ظہور مین نہ آتا۔ چونکہ اس راز کی تفصیل طویل ہے۔ اسلئے بے استعدادون کے خطاب کے لائق نہین۔

جاننا چاہئے کہ عبد کامل اجرت کے چھوڑنے سے اپنے آقا کی محبت وتقرب کا خواہان ہوتا ہے۔ کیونکہ آقا جب اپنے بندے کو محبت وتعظیم سے عبادت وخدمت کرتے دیکھتا ہے۔ تو اسے اپنی رضامندی وخوشنودی کی خلعت پہناتا ہے۔ اور اس پر اس قسم کے احسان واکرام کرتا ہے۔ جو کبھی اسکے خیال وضمیر مین بھی نہین آئے ہوتے۔ اور جو بندہ اسکی خدمت کسی غرض ونفع کے واسطے کرتا ہے۔ آقا اُسے مطلق العنان خیال کرتا ہے۔ اور اسے اسکی اجرت تو دیدیتا ہے۔ مگر اس سے اسکی خوشنودی کا تعلق نہین ہوتا ہے۔ بلکہ اسکو ایک قسم کی گستاخی وبیباکی خیال کرتا ہے۔ یہ کیفیت بادشاہون کے خادمون مین مشاہدہ ہوتی ہے کہ جو خادم محض محبت وخلوص نیت وحسن ارادت سے خدمت کرتا ہے۔ اور بادشاہ سے کچھہ نہین مانگتا تو بادشاہ اسے بلا سوال جاگیرین وغیرہ عطا کر دیتا ہے۔ اور جو ملازم محض ٹکے کی خاطر خدمت بجا لاتا ہے تو بادشاہ کو اسکا یہ حال معلوم ہوجانے پر اسکی خدمت وملازمت بھی ناگوار گذرتی ہے۔ اسلئے اسکی خدمت وعبادت کو پسندیدگی کی نظر سے نہین دیکھتا۔ اور سوائے مقررہ ٹکون کے اور سب انعامون سے ٹکے کا سا جواب لیتا ہے۔ اور عنایتون سے محروم رہتا ہے۔ پس عبد حقیقی وعارف تحقیقی کا کام یہ ہے۔ کہ وہ اپنے آقا کے مواعید ومواثیق پر پورا بھروسہ رکھے اور کسی قسم کے شک وشبہ کو دل مین جگہ نہ دے کیونکہ جس کو اللہ تعالے کے وعدون پر وثوق نہین ہے۔ وہ ناقص الایمان ہے۔ اور وثوق کی علامت یہ ہے کہ اسکے نزدیک حالت غیبت وحضور مساوی ہو اور اسکا ظاہر وباطن یکسان ہو۔ جسکا ظاہر خلاف شرع ہو اور وہ صرف زبان سے اللہ تعالے کے وعدون کا انکار کرے تو اسکا قتل ازروئے شرع جائز ہے تو بھلا وہ شخص جسکا ظاہر وباطن ہر دو خلاف شرع ہین اور خباثت نفس اسکے دل مین مرکوز ہو۔ وہ کیونکر مسلمان ہوسکتا ہے۔ وہ حقیقت مین دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کیونکہ اسلام تو تصدیق قلبی کا نام ہے۔

لو اور سنو۔ کہ جو مرید کا ادنے اور پہلا درجہ ہے وہ عالم فقیہ متقی کا اعلیٰ درجہ ہے۔ کیونکہ فقیہ کا اعلے درجہ یہی ہے۔ کہ اسکی عبادت وتلاوت کسی ثواب کے حصول اور عذاب سے نجات کیواسطے نہ ہو اور مرید کو یہ سلوک کی پہلی ہی منزل مین چھوڑنی پڑتی ہین اسکے بعد ترقی کی میدان مین قدم رکھتا۔ اور ایسے مدارج ومراتب کو درجہ بدرجہ طے کرتا ہوا۔ ایسی حالت مین پہنچ جاتا ہے کہ اسے اپنے نفس کا علم بھی نہین رہتا اور اس پر اپنے آقا کی عظمت وجلالت کا پردہ چھا جاتا ہے۔ اور وہ اسی مین منہمک ومستغرق

ہوجاتا ہے - اور اسکی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ باوجود آنکھین کشادہ ہونیکے کچھ نہین دیکھتا اور باوجود کانون کی سلامتی کے کچھ نہین سنتا - وجہ یہ ہے کہ تمام اعضا وجوارح دل کے تابع ہین - تو جب دل یاد مین مصروف ہوتا ہے - تو اعضا بھی اسی کے پیچھے جاتے ہین - اور عالم محسوسات کو محسوس نہین کرتے - فقہا و کہا کرتے ہین کہ عبادت بلاغرض وغایت خواص کا مرتبہ ہے - درحقیقت وہ بیچارے سچ کہتے ہین کیونکہ انہون نے ترقی کے میدان مین قدم نہین رکہا ہوتا - اور ان کے نزدیک رسومات ظاہریہ سے بڑھکر کوئی درجہ نہین ہوتا - اسواسطے نہ وہ آگے بڑہتے ہین اور نہ ان پر اسرار الٰہیہ منکشف ہوتے ہین - مگر فقیر کمرہمت باندہکر ترقی کے میدان مین چل پڑتا ہے - اور درجہ بدرجہ ترقی کی باغ کی بہار دیکھتا جاتا ہے - اور جس حد تک پہنچتا ہے - اسکو انتہا نہین سمجھتا - جون جون ترقی کرتا جاتا ہے - تون تون اسکے شکوک رفع ہوتے جاتے ہین اور علم الیقین سے عین الیقین اور عین الیقین سے حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے - یہ رستہ عقل کے حد ختم ہونیسے شروع ہوتا ہے - پہر اس حد مین عقل پاؤن نہین دہرتی - اس منزل مین مجاہدہ ومکاشفہ سے کام نکلتا ہے نہ دلائل عقلیہ پس ماندہ سے حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مین صوفیون کے اس قول کی صداقت مین کہ (صوفی ترقی کرتے کرتے ایک ایسے درجہ تک پہنچ جاتا ہے - کہ اگر اسے تلوار کاٹا جاوے تو وہ نہ کٹ سکے اور اسکی ضرب اسے محسوس نہ ہو) دس سال متردد رہا یہان تک کہ یہ حالت منکشف ہوگئی - اور اسکی صداقت آئینہ ہوگئی - صاحب ذوق کا قول خالی از ذوق کے نزدیک لائق یقین نہین ہوا کرتا - اگر عوام الناس عارفون کے اقوال کی تصدیق کرتے ہین تو یہ تقلیداً ہوتی ہے نہ تحقیقاً و ذوقاً - لیکن لذت وہی پاتا ہے جسنے چکہا ہو -

مین جب اس راستہ مین داخل ہوا - تو مینے اس حال کا ذائقہ اٹھایا - اور معلوم ہوا کہ لذت و ذوق اسی عبادت مین ہے - جو بلاغرض وغایت ہو طلب ثواب وخوف عذاب اسکے سامنے ہیچ ہے - اس سے پہلے یہ بات میرے ذہن نشین نہ ہوا کرتی تھی - اور کہا کرتا تھا - کہ جب طلب ثواب وخوف عذاب کوئی چیز نہین - تو احادیث مین ترغیب عبادات وترہیب محرمات کیون ہے - مین اسی غور وفکر مین تھا کہ ایک اور ہی تماشا ایک دوسرے عالم مین نظر آئے اور کہا کہ مخلوقات کے مختلف مدارج ہین - اور چونکہ ہر ایک کی ہدایت مطلوب ہوتی ہے اسواسطے ان کے ہدایت کے اعتبار سے عبادت کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہین - اور انبیاء کو ان کے عقل وفہم کے مطابق عبادات کے مراتب اور ثواب وعذاب وحلال وحرام کے مدارج بتلانے پڑتے ہین - اور ہم کو ہر ایک قسم کی کلام امید وخوف وحکمت واصل حقیقت کی کرنی پڑتی ہے - تاکہ ہر شخص اپنے اپنے حوصلہ واستعداد کے موافق اس سے فائدہ اٹھا سکے - جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہہ رمز بتلائی - تو میرے شکوک رفع ہوگئے - مینے کہا کہ سبحان اللہ کہ آپ کیسے عمدہ معلم ہین اور مجھے یقین ہوگیا کہ جو شخص ابھی درجہ معرفت تک نہین پہنچا - اسکے لئے عبادت طلب ثواب وخوف عذاب سے بہی اچھی

ہے۔ ورنہ اس حالت مین وہ نکات معرفت کے نہ جاننے سے گمراہ ہوسکتا ہے۔

دوسری علامت عبد کامل کی یہ ہے کہ ہر ایک حال مین (خواہ اچھا ہو یا برا) اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے اور جو کچھ نیکی یا بدی اسکی طرف سے آوے۔ اس کو اپنے حق مین بہتر سمجھتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسکا آقا بہ نسبت میری۔ میرے خیر وشر کو خوب پہچانتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی چیز کو بندہ مکروہ خیال کرے حالانکہ وہی اسکے حق مین بہتر ہو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کی حکمت کامل ہے۔ کسی کو اعلےٰ کسی کو ادنےٰ بنانا اسکی حکمت کا تقاضا ہے۔ جو اعلےٰ بنایا جاتا ہے۔ وہ اسیکے قابل ہوتا ہے اور یہی اسکے حق مین اچھا ہوتا ہے۔ جو ادنےٰ ہوتا ہے وہ اسی کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور وہی درجہ اسکے حق مین مفید ہوتا ہے۔ حدیث قدسی سے یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ خدا فرماتا ہے۔ کہ میرے بعض بندے فقر واحتیاج کے لائق ہین اگر مین انہین غنی کر دیتا تو ان کی حالت تباہ ہوجاتی۔ اور بعض بندون کے حق مین غنا و دولتمندی ہی فائدہ رسان ہے۔ اگر انہین فقیر و غریب کر دیتا۔ تو ان کا حال خراب ہوجاتا۔ پس معلوم ہوا کہ جو شخص کسی وقت کسی درجہ مین ہے اسوقت وہی درجہ اسکیواسطے بہتر و مفید ہے۔ اور وہی اسکے واسطے کمال ہے۔ پس انبیاء کے حق مین نبوت ہی کمال ہے اور ولیون کے حق مین ولایت ہی مفید ہے۔ اور مومن مقلد کیواسطے ایمان تقلیدی ہی بہتر ہے اور عالم کیواسطے علم ہی خوب ہے۔ اور پیشہ ور کے لیے کوئی پیشہ و حرفت ہی اچھا ہے مگر اسکی حقیقت و اصلیت کو اہل اللہ ہی جانتے ہین۔ اور ان اسرار و حقائق کو عارفان کامل ہی پہچانتے ہین۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ اپنی حالت موجودہ سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا چاہتا ہے۔ تو وہ خدا کی عطیہ کو پسند نہین کرتا گویا در پردہ اس امر کا مدعی ہے کہ وہ اپنی مصلحت و بہتری بہ نسبت خدا کی اچھی سمجھتا ہے حالانکہ یہ خیال کفر و جہالت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ تمام مضمون آیت ذیل (اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ؎) سے بسہولت تمام غور کرنیوالے کے نزدیک مستنبط ہوسکتا ہے۔ اسکی زیادہ تفصیل رجا اور رضا کے مقام پر آئیگی

تیسری علامت عارفون کی یہ ہے کہ وہ ظاہر و باطن مین کسی کو سوائے خدا کے کسی چیز کا مالک نہین سمجھتے اور اس اعتبار سے کہ کوئی چیز کسی کے ملک و قبضہ مین ہے حقیقت مین اسکی ملک نہین سمجھتے۔ حلال و حرام اس درجہ مین مساوی ہوجاتا ہے۔ غصب و ریا ان کے نزدیک اس حالت مین جائز و مباح ہوتا ہے۔ اور کہتے ہین کہ جو کچھ ہم لیتے ہین خواہ کسی طرح سے ہو اور جو کچھ ہم کہاتے ہین خواہ کچھ ہی ہو ہمارے آقا اور مالک کا ہے۔ کسی طرف چند روز بباعث انتظام تمدن کے منسوب ہونیکے۔ اسکی ملک نہین ہوجاتا۔ یہ مقام صاحب ذوق کا ہے نہ صاحب علم کا اسی واسطے فقیہ و فقیر کا اس امر مین جھگڑا ہوتا ہے۔ کہ فقیہ۔ فقیر کو اپنے نفس پر قیاس کرتا ہے۔ اور جسطرح خود بوجہ عدم واقفیت و ذوق کے حلال و حرام کے دام مین پھنسا ہوا ہے۔ فقیر عارف کامل کو بھی اسی دام مین پیٹنا چاہتا ہے۔ و باوجود اعور (یک چشم) ہونیکے ہر دو آنکھون والے کا معاملہ کرتا ہے۔ اگرچہ یہ فقیر بھی اس درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ اور اس حال کا ذائقہ چکھا ہوا ہے۔ لیکن

؎ ہر ایک چیز کو پیدا کیا پھر اسکے فطرت کے موافق چلایا۔

مین شریعت کی حرام کردہ اشیاء سے پرہیز کرتا ہون پس کامل وہ ہے کہ سب اشیاء کو خدا کی ملکیت سمجھنے اور بندون کو مجازی مالک تصور کرے اور یہ خیال کرے کہ لوگون کا مالک ہونا خدا کے ہی فضل و احسان سے ہے۔ اور دنیا کے انتظام و امن و امان کا ذریعہ ہے۔ باعتبار حقیقت کے تو وہی مالک ہے۔ اور شریعت نے ہر ایک کو اپنی اپنی اشیاء مقبوضہ و مملوکہ کا حقدار بنایا ہے۔ اور غصب و سرقہ بغیر طریقہ شرعی کے حلال و جائز نہین ہے۔ میرے شیخ ابوالحسن شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ تو اپنے ظاہر و باطن کو ملکیت کے دعوے سے پاک کر کیونکہ جو بندہ ملک حقیقی کا دعوے کرتا ہے۔ وہ مؤمن نہین ہے۔ کیونکہ مومن وہ ہے جسکی جان و مال سب کچھ خدا کے لیئے ہو۔ جیساکہ خدا نے فرمایا (اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ)[1] اور اس دعوے سے سلب ایمان کا خطرہ ہے۔ اور ادب یہی ہے۔ کہ دعوے چھوڑ دے۔ ادب ہی ہر نیکی کا دروازہ ہے۔ اور کسی سے مجادلہ و مکابرہ نہ کر کہ ہلاک ہو جائیگا۔

انسان کے دعوے ملکیت کا سبب ایک تو اسکا خلیفۃ اللہ ہونا دوسرا خدا کا اسکے حق مین (وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ) فرمانا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان بھی مالک قرار دیا گیا ہے۔ اور ہر ایک چیز پر عبد کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر انسان پر مالک کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ چونکہ خدا باعتبار خالقیت کے ان کا مالک حقیقی ہے۔ انسان بھی اسکا خلیفہ ہونیکی وجہ سے چیزون کا مالک کہلاتا ہے۔ اگرچہ کوتاہ بینون کے لیئے یہہ بات درست ہے۔ اور خود کو کسی چیز کا مالک تصور کرنا بجا ہے۔ مگر اہل حق عارفون کے نزدیک دعوے ملکیت عبودیت سے خارج ہوتا ہے۔ اور وہ جانتے ہین کہ اگر انسان محض عبد مطلق ہوتا۔ اور مالک ہونے کا شائبہ اسمین نہ پایا جاتا۔ تو اللہ تعالٰے یہ آیت نازل نہ فرماتا اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ کیونکہ فروخت کا اختیار مالک کو ہوتا ہے۔ نہ عبد کو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے خود کو مالک مانا۔ تو خدا نے توبیخا و تعریضاً یہ فرمایا۔

عارف اس آیت کے مطالعہ سے نادم و پشیمان ہوتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ افسوس غفلت و جہالت نے انسان کو کہاں تک پہنچایا کہ وہ اپنی اصلیت کو بھول گیا ہے۔ اور وحدت و اتحاد کے دریا سے نکلکر غیریت کا جھنڈا کھڑا کر دیا اسیواسطے خدا نے غیریت کا لحاظ کر کے اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰکِھُوْنَ۔[2] فرمایا ہے۔ چونکہ غیریت عارفون کے حق مین درست نہین اسلیئے بعض عارفون کا قول ہے کہ اے اللہ ہمکو ان اغیار سے نہ بنا۔

چوتھی علامت ان کی یہ ہے۔ کہ وہ ہر ایک نعمت و چیز کو ذریعہ نعمت و نقمت و وسیلہ راحت و محبت خیال کرتے ہین۔ مثلاً جب کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ تو اس خیال سے کہ ظاہر مین نعمت ہے اسکی نعمت کا شکر بجا لاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ شاید کسی ابتلاء کا موجب نہ ہو سکے مکر و استدراج سے ڈرتا ہے جیساکہ خدا نے متولین کفار کے حق مین فرمایا (سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ) اسواسطے عارف کامل جب نعمت کو وسیلہ بلاء و محنت بھی جانتا ہے۔ تو وہ نعمت کے ملنے سے مغرور نہین ہوتا اور اس کی ہوبیہی

[1] اللہ نے مومنون کے جان و مال خرید لیے ہے [2] یعنی طالبان جنت اپنی اصلی ہستی کو بھول کر میوون وغیرہ لذائذ نفسانی کے شغل مین ہون گے۔

اپنے سے ادنے پر تکبر نہین کرتا۔ لیکن عوام کا نفس نعمت ظاہری یا باطنی کے حاصل ہونیسے جب دیکھتا ہے کہ لوگ اسکی تعظیم کرتے ہین۔ تو اسکے دل مین تکبر و سرکشی پیدا ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالے نے اس مضمون کو آیت ذیل (کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی) مین غور کرنیوالے کے واسطے صراحت سے بیان کیا ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ دنیا مین تکلیف بہ نسبت آرام کے زیادہ ہے۔ کیونکہ کوئی نعمت و راحت ایسی نہین ہے۔ جو بلا و تکلیف سے خالی ہو۔ اگر کوئی نعمت حاصل ہے۔ تو اسکے ساتھ شکر کا مطالبہ لگا ہوا ہے۔ اور یہ تاکید ہے کہ اس کو بیجا و بے محل صرف نہ کرو۔ حق دارون کا حق ادا کرو۔ مال دارون کو کیا کیا مصیبتین ہین جو پیش نہین آتین۔ وہ ٹھیک طور پر اس قول کے مصداق ہوتے ہین ؎ درد سر کیواسطے صندل اگرچہ ہے مفید ٭ اسکا گھسنا اور لگانا درد سر یہ بھی تو ہے۔ اور بلایا و تکالیف تو خود مصائب نہین ہے۔ دوسری تکلیف یہ ہے کہ مصیبتون پر صبر کرو۔ اسکی شکایت کسی کے سامنے مت کرو۔ مار کہاتے جاؤ۔ اور اف نہ کرو۔ شکایت کا لب ہر وقت بند کرو۔ اور نہایت حوصلہ و دلیری سے انہین برداشت کرو۔ پس معلوم ہوا کہ دنیا دار بلا و محنت کا گھر ہے۔ اور کسی صورت مین کوئی نعمت نقمت[1] سے اور کوئی فائدہ نقصان سے۔ اور کوئی راحت رنج سے خالی نہین اور یہ مضمون اللہ تعالے کے قول (اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ) سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ آیت ان لوگون کے حق مین نازل ہے کہ جو کشتی مین سوار ہون اور انہین آندہی و طوفان ہر طرف سے گہیر لین۔ اس مین یہ اشارہ کیا ہے کہ دریا مین کشتی پر سفر کرنا ظاہر مین خدا کی نعمت ہے کہ وہ اسکے ذریعہ سے پار جا کر اپنے مقاصد دلی تجارت وغیرہ کر سکتے ہین۔ اسواسطے خدا ان سے شکر کا طالب ہوا اور جب طوفان آتا ہے اور کشتی ڈگمگانے لگتی ہے۔ اور ہر ایک کو اپنے جان کے لالے پڑ جاتے ہین۔ اور وہی چیز جو باعث نجات ہی ذریعہ ہلاک معلوم ہوتی ہے۔ اور اسکو اپنے حق مین مصیبت خیال کرتے ہین تو خدا ان سے صبر و رضا کا طالب ہوتا ہے۔ پس غور کرو تدبر سے کام لو۔ کہ ایک ہی چیز ایک حالت مین ذریعہ راحت و نجات اور وہی چیز دوسری حالت مین باعث موت و ہلاک ہوجاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کلام اللہ مین تدبر کرنیوالے کے واسطے تمام علوم جو خدا کے تقرب کا ذریعہ ہین موجود ہین۔ پس جو شخص تدبر و تفکر و ادب سے کام لیتا ہے۔ اسپر علوم قرآنیہ منکشف ہوجاتے ہین۔ ورنہ قرآن کا سمجھنا ممکن نہین اور جو شخص غور و فکر سے کام نہین لیتا۔ وہ خدا کے درگاہ مین داخل نہین ہو سکتا۔ اور علوم ظاہریہ سے کچھ فائدہ نہین اٹھا سکتا۔ اور خدا کی عظمت و منزلت نہین پہنچان سکتا

دیگر علامت عبد کامل کی یہ ہے۔ کہ وہ تمام اقسام کی عبادات و ہر قسم کے خضوع و خشوع اور ذلت و عبودیت کو خدا کے عظمت و جلالت کے مقابلہ مین ناقص و بے ادبی خیال کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ خواہ کیسی ہی سرگرمی سے اور کیسی خشوع و خضوع سے عبادت کی جاوے اسکی قدر و منزلت کی عظمت ادا نہین ہو سکتی چنانچہ

[1] نقمت بمعنے سختی۔ تکلیف۔

(مَاقَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ) سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی عبادت کو اگرچہ اعلےٰ درجہ کی بھی ہو۔ لائق عذاب وقابل عقوبت خیال کرتا ہے۔ اور اللہ کے کرم وفضل کو ذریعہ نجات سمجھتا ہے نہ اپنی عبادت وخدمت کو۔ جب کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم باوجود اس قدر سخت عبادت کے کہ آپکے پاؤن سوجھ جاتے تھے اور ہر وقت عبادت وریاضت مین مصروف رہتے تھے۔ حق خدمت کا دم نہ مارتے تھے اور (لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ) فرماتے تھے۔ تو بھلا کسی ولی یا عارف کی کیا ہستی ہے۔ کہ وہ اپنے عبادت پر غرہ ہوکر معرفت حق کا دم مارے۔ امام غزالی نے لکھا ہے۔ کہ بندہ سجدہ کرتا ہے۔ اور کمال خضوع وخشوع پیدا کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ اسوقت اعلے علیین کے مرتبہ تک پہنچا ہوا ہے حالانکہ اگر اسکے اسی سجدہ کے گناہ روئے زمین پر تقسیم کئے جاوین تو سب لوگ اس سے ہلاک ہوجاوین۔ اور عارف جو عبادت کرتے ہین تو بہ حیثیت عظمت وجلال کرتے ہین نہ باعتبار شرعیت اور اپنی عبادت کو اسکی عظمت کے مقابلہ مین حقیر وناچیز خیال کرتے ہین۔ **دیگر علامت** یہ ہے۔ کہ وہ امور شرعیہ مین سے اولی واحوط[1] کو اختیار کرتے ہین اور ایسا کام اختیار کرتے ہین جس مین کسی امام کی مخالفت نہ ہوسکے مثلاً اگر کوئی کام اسکے اپنے امام کے نزدیک سنت ہے اور دوسرے امام مذہب کے نزدیک واجب ہے۔ تو عارف اسے واجب کی طرح سے ادا کریگا۔ اور جو امور دوسرے امام مذہب کے نزدیک مکروہ یا حرام ہین اور اسکے امام کے نزدیک وہ ایسے نہین ہین۔ تاہم وہ ان کو مکروہ وحرام خیال کرکے ان سے پرہیز کرتا ہے۔ مثلاً اگر عارف شافعی المذہب وضو مین سارے سر کا مسح کریگا اگرچہ اسکے امام کے نزدیک سارے سر کا مسح واجب نہین ہے۔ اور اگر مالکی ہے۔ کتے کی نجاست سے طہارت حاصل کریگا۔ اگرچہ اسکے امام کے نزدیک کتے کی نجاست سے طہارت ضروری نہین۔ اور کتے کے منہ لگے برتن کو سات دفعہ دہوکر پاک کریگا۔ اور اگر حنفی ہے۔ تو فرج کو ہاتھ لگ جانیسے وضو کریگا۔ اگرچہ ابوحنیفہ رہ کے نزدیک مس فرج سے وضو نہین ٹوٹتا۔ کیونکہ جس کی عبادت تمام مذاہب کے موافق درست ہو وہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی مذہب کے مطابق باطل ہو۔ پس معلوم ہوا کہ عارفون کے نزدیک مکروہ کا مرتبہ حرام کے برابر ہے۔ اور مستحب کا رتبہ واجب کے مساوی ہے۔ مگر یہ تعظیم وجلالت کے اعتبار سے ہے نہ شرع کی حیثیت سے۔ گویا ان کے نزدیک احکام شرع کے مراتب جو شرع وتمدن کے اعتبار سے ہوتے ہین۔ سب عظمت وجلالت کے رو سے وجوب کے درجہ مین ہوتے ہین۔ اور اصطلاحات علماء (فرض وواجب وسنت موکدہ وسنت غیر موکدہ ومستحب ونوافل ومباح ومکروہ وغیرہ) سے غافل ہوتے ہین اور ہر ایک حکم شرعی کو اسکی جلالت وعظمت کی حیثیت سے اسطرح ادا کرتے ہین گویا ان کے واسطے ہر ایک امر واجب وفرض عین ہے اور خدا کے ساتھ نہایت ادب وانکسار کا معاملہ ہوتا ہے۔ اسیواسطے ان کے مراتب دنیا وآخرت مین بلند ہوتے ہین۔ اس سے کسی کو یہ وہم نہ پڑے کہ وہ ظاہری مذہب کے قائل ہوتے ہین۔ نہین وہ ظاہری مذہب کو۔

[1] احوط جس مین کوئی شک وشبہ [illegible]

جھگڑا اور نزاع سمجھتے ہین - اور وہ ایسے جنگ و جدال سے نکلے ہوئے ہوتے ہین - ان کے نزدیک تطوع (دل سے کام کرنا) کا درجہ فرض (کسی کے کہنے سے بلا سمجھے سوچے) کے درجہ سے بڑا ہے - اور تقرب و محبت تطوع و نوافل سے ہی حاصل ہوتی ہے نہ کہ فرائض سے جیسا کہ حدیث (لَا یَزَالُ عَبدِی یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ) سے معلوم ہوتا ہے - اور جون جون بندہ کی معرفت بڑہتی جاتی ہے - اسکے اوامر و نواہی عظمت و رفعت اسکے دل مین زیادہ ہوتی جاتی ہے - اور جس قدر انسان معرفت سے دور ہوتا جاتا ہے - خدا کی محبت و ذوق مین کاہل و سست ہوتا جاتا ہے - اور جس قدر انسان زیادہ عارف ہوتا ہے اتنا ہی اپنے مولا سے زیادہ ڈرتا ہے - چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ (اَنَا اَعرَفُکُم بِاللّٰہِ وَاَخوَفُکُم) مین تم سے زیادہ عارف ہون اور بہ نسبت تمہاری زیادہ ڈرتا ہون - انسان اگر احکام الٰہی کی تعظیم کرتا ہے - تو اسکی محبت خدا کے ساتھ بڑہتی ہے٭ اور تقرب حاصل ہوتا ہے - اگر اسکے برخلاف کرتا ہے - تو اسکی یادداشت مین خدا سے دور ہوتا ہے - اور عذاب و مقت کا مستحق ہوتا ہی جو معرفت الٰہی انبیا کو ہوتی اولیا کو نہین ہوتی - اور جو کچھ انبیا سمجھتے ہین وہ اولیا نہین سمجھ سکتے - اور جو سمجھ اولیا کی ہے - عوام کی نہین ہے - اور جس درجہ معرفت پر اولیا پہنچے ہین عوام کا وہ درجہ نہین ہے - مگر ہر ایک اپنے درجہ و مرتبہ معرفت کے موافق خدا کے احکام کی تعظیم کرتا ہے - اور مقصود بالذات بھی تعمیل احکام سے اظہار عظمت و جلالت ہے - پس جو شخص کسی طریق سے محض عظمت الٰہی کے واسطے عبادت کرتا ہے اس پر کسی کا حق نہین کہ اعتراض کرے اور کہے کہ تیرا طریق معہود اچھا نہین ہے اور میرا طریق مخصوص بہتر ہی کیونکہ اعتراض کرنے مین خدا کے ساتھ بے ادبی و گستاخی کرتا ہے - جیسا کہ موسیٰؑ اور گدڑیا کے مشہور قصہ سو ظاہر ہوتا ہے - علاوہ اس کے اگر دو شخص ظاہری طریق عبادت مین موافق بھی ہو جاوین تو بھی طریق باطنی و خیال قلبی اور اخلاص دلی مین موافقت ممکن نہین اور خدا کا تعلق دل سے ہے نہ افعال ظاہریہ سے تو پھر افعال ظاہریہ مین شریک و موافق ہونیسے کیا فائدہ - اور شرکت ظاہری معرفت الٰہی مین کیا مدد دے سکتی ہے - اور سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ انسان جیسا کرتا ہے ویسا پاتا ہے - اگر تیرا خیال اور تیرا طریق تیرے واسطے اچھا ہے - تو دوسرے کا اعتقاد اور اسکا طریق اسکے واسطے حق ہے - جیسا تو کسی کے خیال کو برا خیال کرتاہے - ویسا وہ بھی تیرے خیال کو برا مانتا ہے -

حاکم سے مرفوعًا روایت ہے کہ جو شخص اس کو امر جاننا چاہے کہ اسکا درجہ اللہ کے نزدیک کیا ہے - اسکو چاہیے کہ وہ اپنے نزدیک اللہ کا مرتبہ قیاس کرے - یعنی جیسی اسکے دل مین اللہ کی عظمت و خفت وغیرہ ہوگی ویسے ہی اللہ کے نزدیک بھی اسکی عظمت و خفت ہوگی - اگر اسکے دل مین اللہ کی عظمت ہے تو اللہ بھی اسکی عظمت و عزت کرتا ہے - اور اگر اسکے دل مین اللہ کی خفت و حقارت ہے - تو وہ بھی حقیر و خفیف و ذلیل ہوگا - حاصل کلام یہ کہ جو عارف دنیا کے مصائب اور محن کو دیکھ کر ان سے دست بردار ہو جاتا ہے -

٭ بندہ امور شرعیہ کو تدبر و تطوع سے بجا لاکر میرا قرب حاصل کرتا اور میری محبت کے قابل ہو جاتا ہے)

اوران کو ذریعہ نجات وآرام نہین سمجھتا - وہ دوسرے دنیادارون پراعتراض ہی نہین کرتا - اوران کو دنیا کے کامون مین مستغرق دیکھہ کران پراعتراض نہین کرتا - کیونکہ وہ جانتا ہے - کہ ابھی اس قابل نہین کہ دنیا کی محبت مین لگے رہین - اورابھی ان مین وہ روشنی پیدا نہین ہوی جس سے وہ روحانی ونفسانی لذائذ مین امتیاز کرسکین - انسان درجہ بدرجہ ہرایک وقت ہرایک آن خود ترقی کررہا ہے - جب منزل معرفت مین پاون دہرنے کے قابل ہوجائیگا - خود ہی اسکے نظر مین مراتب سابقہ حقیر معلوم ہونے لگین گے - اور جو شخص اس راز کو سمجھہ جاتا ہے - وہ دوسرے پراعتراض کرنا چھوڑ دیتا ہے - کیونکہ وہ جانتا ہے کہ منزل مقصود ایک ہوتی ہے - اور راستے مختلف ومتعدد ہوتے ہین - ایسے ہی مقصود بالذات عبادات سے معرفت الٰہی ہے - اور وہان تک پہنچنے کے واسطے جو راستے مقرر ہین وہ مختلف اصطلاحین والفاظ ہین - اور ہرایک اپنی اصطلاح رکھتا ہے - اور اصطلاح مین کسی کا مناقشہ واعتراض نہین ہوتا - فقیہ اپنی اصطلاح سے نحوی کی اصطلاح پر اعتراض نہین کرتا اور فقیہ صوفی پر اعتراض نہین کرتا - اور صوفی فقیہ پر اعتراض نہین کرتا - اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر کوئی شخص خلاف نص صریح بھی ہو تو اس پر بھی اعتراض نہ کرنا چاہئے نہین ہمارا مطلب یہ نہین - ہمارا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے فہم وخیال سے دوسرے پراعتراض کرنیکا مجاز نہین - ہان جو شخص اس بات کا دعوے کرے کہ اس سے تکالیف شرعیہ ساقط ہین اور کوئی دلیل اسکے دعوے کے تصدیق پر قائم نہ ہو تو وہ شخص کاذب ہے اور قابل اعتراض ہے - مثلاً اگر کوئی صوفی اوامر الٰہی بجا نہ لاتا ہو اور محرمات سے پرہیز نہ کرتا ہو اور باوجود اسکے ہوا مین اڑتا پھرے تو ہمین اس پراعتقاد نہ کرنا چاہئے - اور اسکو قابل اعتراض سمجھنا چاہئے - پس اگر کوئی ایسا ہو تو فقیہ کو چاہئے کہ اسے نصیحت اور احکام شرعیہ ظاہریہ کے پابند ہونیکی سخت تاکید کرے - اور ایسے فقیر کو بھی چاہئے کہ اسوقت مین فقیہ کی نصیحت قبول کرے - اور احکام ظاہریہ کی پابندی کرے - اور عالم ظاہری کو بھی چاہئے کہ صرف ظاہر پر نہ مٹا رہے بلکہ کچھہ آگے بڑہنے کی کوشش کرے اور اگر کوئی ولی صادق عارف کامل مل جاوے تو اسکی نصیحت وخیر خواہی سے منہ نہ موڑے اور اسکی صحبت سے فیض اٹھاوے و باطن کو صاف کرے کیونکہ عارف کامل بہ نسبت عالم ظاہری کے احکام شرع اور اسکے اسرار - ودقائق اچھا سمجھتا ہے - اور صوفی جو کچھہ کہتا ہے - وہ عین الیقین سے کہتا ہے - اور اسکا علم اسکی کنہ تک پہنچا ہوا ہوتا ہے - اولیاء اللہ کو فہم احکام کیواسطے آلات ظاہریہ (صرف ونحو ولغت ومعانی وغیرہ) کی ضرورت نہین ہوتی - یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لوگون کا ایک دوسرے پراعتراض کرنا نہایت ہی خوب چیز ہے اور خدا کی رحمت ہے - اس سے ایک دوسرے کی ترقی ہوتی ہے - اور ان کے دل اخلاق رذیلہ سے صاف ہوتے ہین - کیونکہ ہرایک کو اپنے خیال کے حسن وقبح کے امتیاز کا موقع ملتا ہے - ہرایک شخص یہی چاہتا ہے - کہ مین اپنے خیال سے دوسرون کو فائدہ پہنچاؤن - اور اپنے خیالات کو دوسرے سے اچھا وافضل خیال کرتا ہے - پھر مباحثہ اور مناظرہ کرینسے

اپنی خوبیون اور برائیون مین امتیاز کا ملکہ ہوجاتا ہے - اور عمل و علم کی عادت راسخ ہوتی جاتی ہے - جو شخص مباحثہ کا عادی نہ ہو اگرچہ کتنا ہی خود کو فاضل خیال کرے اسکی مثال ایک شمع کی ہے جسکے نیچے کچھہ اندھیرا ضرور رہتا ہے لیکن جب دو ملکر کسی امر پر غور کرتے ہین تو ان کی مثال دو شمع کی سی ہو جاتی ہے - اور کسی کے نیچے اندھیرا نہین رہتا - ایک اپنی تاریکی کو دوسرے کی روشنی سے اور دوسرا اپنی تاریکی کو پہلے کی روشنی سے دور کرلیتا ہے - غرض کہ مباحثہ و مناظرہ خدا کی رحمت اور جوہر انسان کا صیقل ہے -

حقیقت مین اگر فقہا علم کی حقیقت سے واقف ہوکر اس پر عمل بھی کرین تو وہی صوفی ہین - گویا صوفی اور فقیہ مین امر فارق عمل پر ہے - اگر عمل کرتا ہے تو صوفی ورنہ فقیہ عالم ظاہری - گویا فقیہ کے واسطے علم شریعت و علم ظاہری ہونا ضروری ہے - اور صوفی کے لیے ضروری نہین کہ علوم ظاہریہ سے بھی واقف ہو - لیکن علماء عارف وہ ہوتے ہین جو اپنے علم و فہم کو اس علم ناپیدا کنار کے مقابلہ مین حقیر و ناچیز سمجھتے ہین اور جانتے ہین کہ (فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ) کے مطابق علم کے بے انتہا مدارج ہین - اور ایک سے دوسرے کو فضیلت نہین مراتب کی کمی و بیشی سے ہوتی ہے - کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی - تو ہر ایک روزہ دار اور نمازی ابوبکر صدیق رض کی برابر ہوتا - اور ہر ایک عالم کا درجہ مساوی ہوتا - پس معلوم ہوا کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت درجات علم کے حصول کے باعث ہے - اور یہ بات اللہ تعالے کے اس قول (يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ اُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ) سے ثابت ہوتی ہے - پس اولیاء غیرون سے بباعث قوت علم و درجات فہم کے ممتاز ہوتے ہین - میرے شیخ رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر مین دو لاکھہ سنتالیس ہزار نوسو ننانوے علوم ذکر کیے ہین - اور ان مین سے اکثر کو مینے اپنی کتاب **تنبیہ الاغبیا** مین اولیاء کے علوم کے نمونہ کی طور پر درج کیا ہے جسکو شوق ہو وہان دیکھہ لے

مین اپنے شیخ شیخ الاسلام ذکریا الانصاری سے اکثر سنا کرتا تھا - کہ اعتقاد اگر نفع نہ دیگا تو نقصان بھی نہین دینے کا - اور فقیہ کو اگر صوفیون کے اصطلاحات اور ان کے اسرار اور نکات سے واقفیت نہین تو وہ خالی خیال رکھنا چاہیئے کہ صوفیون کا طریقہ کتاب و سنت کے موافق ہے - جو ان کے مخالف ہو وہ راہ راست سے دور ہے - سید الطائفہ ابو القاسم جنید رض نے کہا ہے - کہ اصلی و سابق صوفیون کو زمانہ حال کے برائے نام صوفیون پر قیاس نہ کرو اسوقت کے صوفی صرف ان سے نسبت کا تعلق رکھتے ہین اور الفاظ متصوفہ کو یاد رکھتے ہین لیکن حقیقت حال و اصلیت مآل سے محض عاری ہین - زمانہ سابق کے صوفی متبع بالسنۃ اسرار شریف سے واقف فرائض ظاہریہ کے پابند پرہیزگار ان کو کار خدا ترس معرفت شناس تھے - جیسا کہ ان کی کتابون اور ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے - اور جو عاقل صوفیون کے حالات سے منکر ہین وہ ایسے صوفی ہین جو چھٹے درجہ مین ان کی طرف منسوب ہو سکتے ہین یعنی برائے نام صوفی ہوتے ہین جو زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے قریب تھا - اس زمانہ کے صوفی

نجانہ تعالے کے نزدیک محض مومن مقلد اور عالم محقق مین مدارج علم کے لحاظ سے فرق ہے

واقعی باصفا ہوئے ہین ان کے بعد جون جون زمانہ گزرتا گیا لوگ رجعت قہقرے ترقی معکوس کرتے گئے۔ چنانچہ حدیث (خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ) اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتی ہے ابوبکر شبلی نے لکھا ہے کہ مجھے میرے استاد نے کہا کہ اے لڑکے اگر تیرے دل مین ایک ہفتہ تک سوائے اللہ کے کسی غیر کا خیال آوے۔ تو ہمارے پاس مت آئیو۔ کیونکہ اس حالت مین تو شاگرد بننے کے لائق نہین ہوگا۔ پس غور کا مقام ہے کہ جب اسوقت کے شاگردون کی یہ کیفیت ہے۔ تو مشائخ کا کیا حال ہوگا۔ اور اسوقت کے مشائخ کو دیکھو اور اسوقت کے شاگردون کو پھر مقابلہ کرو اُسوقت کے شاگرد بڑھکر تھے یا اِسوقت کے مشائخ۔ اور اُسوقت کے مشائخ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ حسن رح نے کہا ہے کہ مینے **شیخ سری** رحمۃ اللہ سے بڑھکر کسی کو عابد نہین دیکھا اپنی عمر کے اٹھانوین سال تک چارپائی پر نہین سوئے مگر موت کے وقت۔ وہ اپنے جوان شاگردون سے فرمایا کرتے۔ کہ میری طرح بوڑھے ہونیسے پہلے کچھ کام کر لو۔ اور وہ اس حالت پیری مین بھی اس قدر ریاضت وعبادت کرتے کہ ہم باوجود جوان ہونیکے ان جیسی ریاضت ومحنت نہین کر سکتے تھے۔ حاصل کلام کہ جو شخص ولی عارف کامل کے ہاتھہ پر تربیت پاتا ہے۔ وہ عبودیت اور اسکے آداب سے واقف ہوجاتا ہے۔ اس رسالہ کے خاتمہ مین کچھہ آداب عبودیت مذکور ہونگے

(دوسرا باب علم نافع کے تلاش کے بیان مین)

جاننا چاہیے کہ علم نافع وہ ہے جس مین اخلاص وارادت ہو۔ اور جو شخص اخلاص رکھتا ہو اسکی علامت یہ ہے کہ لوگون کے خیالات اور اقوال سے جو اسکے حق مین کہین رنجیدہ نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی اسکے حق مین کہے کہ فلان جاہل ہے۔ کچھہ نہین سمجھتا۔ اور علم کو شہرت کی خاطر حاصل کرتا ہے۔ اور اپنے علم پر عمل نہین کرتا ہے۔ تو ان باتون سے مکدر نہ ہو اور اُسکے دل پر کوئی رنجیدگی کا اثر نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص اسکے حق میں کلمات تعریف کرے۔ تو اسکی تعریف سے خوش نہ ہو اور اس کے دل پر کوئی خوشی کا اثر ظاہر نہ ہو بلکہ ہر دو حالت مین مطمئن و برقرار رہے۔ اور شانت روپ ہوجاوے۔ اور لوگون کی کثرت وہجوم سے اسکے دل مین کوئی بڑائی کا خیال پیدا نہ ہو۔ اور اپنے دل کو اخلاق ہلکہ وخصال رذیلہ مثل تکبر وحرص وطمع ودعوے علم اور اور دنیا کی محبت سے پاک رکھے اور بخیل لوگون کے ہاتھہ سے کسی چیز کا طمع نہ کرے۔ پس نیک شخص وہ ہے جو علم ضروری و واجب کے جاننے کے بعد ایسا کام اختیار کرے جسکا ثمرہ دنیا مین بھی ظاہر ہوجاوے۔ ابراہیم ادہم ایک پتھر کے پاس سے گزرے اسپر لکھا تھا۔ کہ مجھے اٹھالو اور عبرت حاصل کرو۔ ابراہیم نے اسکو اٹھایا اسکے نیچے لکھا تھا۔ کہ "تو جو کچھہ جانتا ہے اس پر عمل نہین کرتا۔ پھر تو دوسرے علم کی تلاش مین کیون لگے" یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جب تک کوئی طالب علم صادق گروہ صوفیہ وفقراء

کا معتقد نہ ہو اور ان کی صحبت فیض اثر سے استفادہ نہ کرے وہ اپنے علم پر پوری طرح عمل نہیں کر سکتا اور اسکے آداب و قواعد سے متمتع نہیں ہو سکتا - اور انسانیت و خریت کے مفہوم سے بخوبی مطلع نہیں ہو سکتا کیونکہ بغیر رہبر کامل کے نفس کے وساوس و دل کے شکوک رفع نہیں ہو سکتے - کیونکہ محض علم بغیر تربیت کے نفس امارہ کو تقویت دیتا ہے - اور جوں جوں ایسا علم بڑھتا جاتا ہے - اسکا نفس قوی ہوتا جاتا ہے اور تکبر کرتا ہے - اور راہ راست و خیریت سے منحرف ہو جاتا ہے - شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے فقراء صوفیہ کے مذہب کی صداقت پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ ان کے ہاتھوں سے اکثر کرامات و ستجابت دعوات ہوتی رہتی ہین - اور محض عالم شریعت فقیہ کے ہاتھ سے کسی نے کبھی کوئی کرامت نہیں دیکھی - ہان جو فقیہ ہو کر صوفیون کے طریق پر چلے اس سے کرامات صادر ہوتی ہین - جو شخص ان کی کرامات کو نہین مانتا ان کی برکتون سے محروم رہتا ہے - اور ہم مشاہدہ کرتے ہین کہ جو شخص ان کے طریق مین داخل ہونیکے بغیر ان پر اعتراض کرتا ہے اور ان کی شرافت و کرامت سے انکار کرتا ہے اسکا چہرہ ممقوت و مبغوض ہو جاتا ہے - اور اسکے چہرے پر افسردگی و پژمردگی و نحوست و خباثت کے آثار نمایان ہوتے ہین - اور ایسا شخص اگر عالم ظاہری ہے - تو اسکے علم سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا اور لوگون کے دلون مین اسکی عزت و توقیر نہیں ہوتی -

شیخ یحیی نووی باوجود کمال علم و جلالت و صلاحیت و بزرگی کے شیخ مراکشی کی خدمت مین دمشق کے باہر جاتے - اور جو مسائل شرعیہ ان کے فہم سے باہر ہوتے شیخ سے حل کرواتے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صوفیاء کرام بہ نسبت علماء ظاہریہ کے اسرار شرعیہ سے زیادہ واقف نہ ہوتے تو نووی جیسا فاضل اجل کیون ان کی خدمت مین جاتا اور نیز ان کے مذہب کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شیخ مر جاتا ہے - تو اسکا خلیفہ اسکی جگہ لیتا ہے - اور برابر سلسلہ ہدایت و انکشاف کا جاری رہتا ہے - اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے والے ہر ایک زمانہ مین ہوتے رہتے ہین - اور اسرار و نکات شریعت ہمیشہ ہمیشہ سینہ بسینہ مستعدون پر کھلتے چلے آتے ہین - پس معلوم ہوا کہ فقراء و صوفیاء کرام قواعد شریعت پر قائم ہوتے ہین - اور کامل عالمون اور کامل صوفیون مین کوئی نزاع و اختلاف نہیں ہوتا - جنگ و جدال و نزاع و فساد صرف ناقص صوفیون اور ناقص عالمون مین ہوتا ہے - مثلاً ناقص فقیہ جب ناقص فقیر کو یہ کہتے سنتا ہے کہ بندہ کا کوئی فعل نہیں ہر ایک فعل کا فاعل خدا ہی ہے" تو وہ کہہ اٹھتا ہے - کہ تو تو بدعتی و جبری ہے - یا جب اس سے یہ سنتا ہے - کہ "بندہ کسی چیز کا مالک نہیں اور کسی چیز پر اسکا کوئی حق نہیں" - تو وہ اس سے انکار کرتا ہے - اور آپس مین لٹھم لٹھا کی نوبت پہنچتی ہے - لیکن اگر انصاف و غور سے دیکھا جاوے - تو ہر دو اپنے اپنے دعوے مین سچے ہین - کیونکہ ہر دو نادان ہین اور حقیقت امر سے کوئی آگاہ نہیں - اور نادان ہمیشہ معذور ہوا کرتا ہے - ایافعی رحمۃ نے کہا ہے کہ مین دس سال اس تردد اور کشمکش مین رہا کہ

کونسا طریقہ اختیار کرون - فقرا کا یا علماء کا۔ اسی اثنا مین یمن مین ایک عارف کامل سے ملاقات ہو گئی -
انہون نے اپنے مکاشفہ سے میرے دل کی حالت معلوم کر لی - اور فرمایا کہ اے بچے - فقیر کی ابتدا فقیہ کی انتہا
ہے - کیونکہ ہر ایک چیز کو چھوڑ دینا اور عبادت مین اخلاص اور اسکا معاوضہ طلب نہ کرنا - فقیر کا ابتدائی درجہ
ہے - اور فقیہ کا انتہائی - اور فقیر کو اس درجہ کے بعد کئی مراتب قرب و معرفت طے کرنے پڑتے ہین - پھر فرمایا
کہ لو ہم تمھین علم ظاہری کا نتیجہ اور علم فقر کا ثمرہ دکھاتے ہین - یہ کہہ کر ایک شخص کو کہا کہ جا کر فلانے بڑے عالم
کو بلا لاؤ - اور اپنی جماعت کو فرمایا کہ جب مولوی صاحب تشریف لاوین - تو ان کی تعظیم کے لیئے کھڑا نہ ہونا اور
بیٹھنے کو جگہ نہ دینا جب مولوی صاحب تشریف آور ہوئے - تو سوائے جوتیون کی جگہ کے کوئی جگہ بیٹھنے کو
نہ پائی - اور کسی نے ان کی تعظیم و تکریم نہ کی اور کوئی ان کی طرف ملتفت نہ ہوا پس مولوی صاحب رنجیدہ ہوئے
اور کلمات کفر زبان پر لائے - شیخ نے کہا کہ اے فقیہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تیرے دل مین کچھ تکبر و شہرت
(وغیرہ گناہ) ہے فقیہ نے کہا کہ مین تیرے دل مین اپنے سے زیادہ پاتا ہون - اور غصہ سے شیخ کو گالیان
دیتے چلا گیا - فرمایا کہ محض علم فقہ کا یہ ثمرہ ہے - پھر ایک فقیر کو طلب کیا - اسکے واسطے بھی جماعت کو وہی حکم
دیا - جب وہ آیا اور کوئی اسکی تعظیم کے لیئے کھڑا نہ ہوا - اور کسی نے اسکی سلام کا جواب نہ دیا تو وہ ہنسا - اور جوتیون
کی صف مین بیٹھ گیا - شیخ نے اسے کہا کہ مین اپنے دل مین تیری طرف سے کچھ پاتا ہون - اسنے کہا کہ
حضور اگر ایسا ہے تو مین توبہ کرتا ہون - اور اپنا سر ننگا کر دیا اور پناہ مانگی - اسکے بعد شیخ نے مجھ سے کہا
کہ دیکھ کہ فقر کے راستہ کا یہ ثمرہ ہے - پس مینے فقر کا راستہ اختیار کیا یہان تک کہ اس حال تک پہنچ گیا جسکو
تم دیکھ رہے ہو - پس عقل مند اس حکایت سے نتیجہ نکال سکتا ہے - کہ کثرت علم پر مغرور نہین ہونا چاہیئے
کثرت علم اس وقت مفید ہے - جب عمل بھی ساتھ ہو - اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ علم کی فضیلت تو احادیث
سے ثابت ہے - جیسا کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیْلَ وَالْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ سے ظاہر ہوتا ہے - کیونکہ
یہان علماء سے وہی علماء مراد ہین جو باعمل ہون - اور اسکی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے - کہ جسنے علم
زیادہ بڑہا اور عمل نہ کیا وہ اللہ تعالے سے دور جا پڑتا ہے - علاوہ اسکے انبیاء کے حقیقی وارث وہ محدث
ہین جنہون نے احادیث کے سلسلہ کو سند متصل کے ساتھ نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا ہے - چنانچہ
ہمارے شیخ کل بھی یہی فرمایا کرتے - کہ محدثین ہی حقیقت مین رسالت کی مبلغ (پہنچانیوالا) اور وحی کی
برداشت کرنیوالے ہین اور وہی تبلیغ مین انبیاء کے وارث ہین - اور فقہا کا بلا معرفت وجہ و دلیل یہ درجہ
نہین ہے - اسواسطے قیامت کے دن ان کا حشر رسولون کے ساتھ نہین ہوگا بلکہ وہ عوام الناس
کے زمرہ مین ہونگے - اور ان پر حقیقتاً علماء کا لفظ اطلاق نہین ہو سکتا - علماء حقیقی اہل حدیث ہی ہین
ایسے ہی زاہد و عابد طالبان آخرت بھی حدیث کی حکمت نہین سمجھتے فقہاء کی طرح عوام الناس کے ساتھ اٹھائے
جاوینگے - اور زاہدون و عوام الناس مین صرف اعمال صالحہ سے تمیز ہوگی نہ قرب و معرفت سے اور

فقہاء و عوام مین علم سے امتیاز ہوگا نہ کسی درجہ تقرب و توصل سے جب یہ معلوم ہو چکا کہ علم بغیر عمل کے فائدہ نہین دیتا اور عمل صفائی باطن کے بغیر ہو نہین سکتا۔ تو ایسے رہبر کامل کی تلاش کرنی چاہئے جو سیدھے راستہ پر چلائے اور دل کی کدورت کو ایک دم مین صاف کر دے۔ کیونکہ ہر ایک کام کے واسطے ایک راستہ ہوتا ہے اور اس طریقہ کو وہی جانتا ہے جو اسپر چلا ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کی آیت ذیل (وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا)[1] سے معلوم ہوتا ہے۔ شیخ عبادہ مالکی۔ میرے آقا شیخ مدین سے ملاقی ہوئے۔ شیخ مدین نے اُنکی تکریم و تعظیم نہ کی اور ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ شیخ عبادہ نے کہا کہ آپنے میری تعظیم کا حق کیون ادا نہین کیا۔ شیخ مدین نے کہا کہ تو مشرک ہے۔ اُسنے پوچھا کس طرح۔ کہا اس خیال سے تو تعظیم و اکرام کا طالب ہے جو خاصہ خدا کا ہے۔ پس جو شخص خدا کی صفات خاصہ مین شریک ہونا چاہے اور اسکا مثل بنا چاہے۔ وہ تعظیم کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ تو اہانت و حقارت کے لائق ہے۔ شیخ عبادہ یہ سن کر ایک ساعت خاموش رہا پھر کلمہ پڑھا اور کہا کہ مین توبہ کرتا ہون اور حقیقت اسلام اب سمجھا ہون کیونکہ اسلام یہی ہے کہ خدا کی فرمانبرداری کرنا اور کسی صفت مین اسکا مقابلہ نہ کرنا اور اعمال صالحہ بجالانا اور اپنے نفس کو سب سے حقیر سمجھنا۔ اس حکایت سے نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ صراط مستقیم بہت مشکل ہے۔ اور اسکی کئی مدارج ہین جس درجہ کا کوئی تابع شریعت ہوتا ہے۔ اسی درجہ مین وہ صراط مستقیم پر ہوتا ہے۔ اور جس قدر کوئی استقامت شریعت سے ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اسیقدر وہ صراط مستقیم سے منحرف ہوتا ہے۔

دوسری علامت مخلص کامل کی یہ ہے کہ اپنے علم کو اس غرض سے ظاہر نہ کرے کہ لوگ اسکی تصدیق کرین۔ بلکہ اس خیال سے کہ اللہ اسکی تصدیق کرے۔ اگرچہ اس کام مین علت و وجہ تو پائی جاتی ہے۔ اور اعلے کام اگرچہ بلاغرض و غایت ہوتا ہے۔ مگر اخلاص و خالص لوجہ اللہ کی نیّت و علت بہ نسبت لوگون کی علت سے اچھی ہے۔ اور ایسی غرض و غایت جو انسان کو اللہ کے نزدیک کر دے اس علت و نیت سے اچھی ہے۔ جو اللہ سے دور کر دے۔

دیگر علامت اسکی یہ ہے۔ کہ سوائے علم یقینی اور قطعی کے کسی دوسری حالت مین کسی سے مجادلہ نہ کرے۔ کیونکہ صوفیاء کرام کے نزدیک وہی امر مجادلہ و مقابلہ کے لائق ہے۔ جو ان کے نزدیک یقینی ہو۔ اور یہ درجہ سوائے انبیاءؑ اور اہل کشف کے دوسرے کو حاصل نہین۔ باقی لوگ جو اس درجہ کے نہین ہین۔ ان کا علم ظنی یا وہمی ہوتا ہے کیونکہ وہ اجتہاد و دلیل سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جن لوگون کو درجہ انکشاف کا حاصل ہے ان کے نزدیک امور شرعیہ کے اسرار یقینی ہین اور ان کا حقیقی علم ان پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور ان کو مجادلہ و منازعہ کی ضرورت نہین ہوتی۔ اور جو اہل مکاشفہ نہین ہوتے ان کے دل اسرار شریعۃ سے محجوب ہوتے ہین اور سلطان اسم قاہر (خدا کا ایک اسم ہے) کے محکوم ہوتے ہین۔ ان کے دل کی حالت اور ان کا مادہ علمی اس قابل نہین ہوتا کہ وہ اہل اللہ کی کلام کو سمجھ سکین اور ان سے فائدہ اٹھا سکین۔ اہل اللہ دوسرے کی کلام سے

[1] گھرون مین ان کے دروازے سے آنا چاہئے یعنی ہر ایک چیز کا ایک طریقہ ہے اس کو اسی طریقہ سے تلاش کرنا چاہئے

اسکی قابلیت کا درجہ پہچان لیتے ہین - کیونکہ ظاہر باطن کا نمونہ ہوتا ہے - اور اہل اللہ اس بات کو بخوبی سمجھتے ہین کہ ہر ایک شخص اپنی ہمت و لیاقت کے اندازہ سے کلام کرتا ہے - اور اسکی کلام سے وہی بات ظاہر ہوتی ہے جو اسکے اندر ہوتی ہے - اور کوئی شخص اپنی لیاقت وقابلیت سے بڑھکر قدم نہین مار سکتا - اسواسطے وہ لوگون کو ان کے حال مین معذور سمجھتے ہین اور ان کی عقل کے موافق کلام کرتے ہین اور ہر ایک کی کلام سے جو حق ہوتا ہے لے لیتے ہین اور باطل کو چھوڑ دیتے ہین - **دیگر** علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ حصول علم مین ہی نہین لگا رہتا - بلکہ اُسنے اوقات کو تقسیم کیا ہوا ہوتا ہے - کچھ حصہ مطالعہ کتب وعلم مین صرف کرتا ہے - کچھ حصہ عبادت وریاضت مین لگاتا ہے - اور کسی بھلے بُرے کو دکھہ نہین دیتا - اور علم وعمل واخلاص کے مراتب کو سمجھتا ہے - اور جانتا ہے کہ یہ انسان کی بدقسمتی ہے کہ علم حاصل کرے اور عمل نہ کرے یا عمل کرے اور اسمین اخلاص وارادت نہ ہو امام شافعیؒ کا قول ہے - کہ عالم مین علم کے سوا کچھ عمل بھی ہونا چاہئے کیونکہ علم کا تعلق لوگون کے ساتھ ہے - اور عمل کا تعلق خدا کے ساتھ اور جسکا تعلق لوگون کے ساتھ ہو اسکا فائدہ خدا کے نزدیک نہین ہو سکتا - اور امام شافعیؒ کا رات کو تین حصون مین تقسیم کرنا اور ایک حصہ مین نماز تہجد ادا کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے قول کے پابند بھی تھے - اگرچہ ان کا یہ بھی مقولہ تھا کہ علم مین مصروف رہنا نوافل سے اچھا ہے - اہل اللہ رات و دن کے اوقات کو مناسب اعمال مین تقسیم کرتے ہین چنانچہ صبح کا وقت تہجد واستغفار ہین - اور جمعہ کا روز نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے اور تلاوت قرآن مین صرف کرتے ہین - اسیطرح بقیہ اوقات کو حاجات ضروریہ مین وقت کے مناسب لگاتے ہین - اور اپنے ادائے افعال واعمال مین حظ وحلاوت پاتے ہین - اور دوسرے لوگ اندھی اونٹنی کی طرح ہاتھہ پاؤن مارتے ہین - گاہے صواب وراستی تک پہنچ جاتے ہین گاہے غلطی وخطا پر پڑجاتے ہین - اور اکثر بیہودہ وغیر ضروریہ حاجات وخواہشات مین وقت کھوتے ہین - مثلاً صبح ہوتے ہی صرف ونحو ولغت کے جھگڑے شروع کر دیتے ہین - اور تفکر وتدبر کو کام مین نہین لاتے - امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو کسی نے ان کی موت کے بعد خواب مین دیکھا اور پوچھا کہ خدا نے تمہارے ساتھہ کیا معاملہ کیا ؟ جواب دیا کہ میرا علم وہان کام نہ آیا صرف ان اوراد واذکار سے جو مین صبح وشام کیا کرتا تھا میری مخلصی ہوئی - ایسی ہی جنید وغیرہ ائمہ طریق کی نسبت حکایت ہے -

دیگر علامت اہل اخلاص کی یہہ ہے - کہ اللہ تعالٰے کی کلام کا ادب کرتا ہے اور جس آیت کی حقیقت سمجھتا ہے وہی بیان کرتا ہے - عالم کل ہونیکا دعوے نہین کرتا - اور جو باتین اسکے سمجھ سے باہر ہوتی ہین ان کو بلاچون وچرا مان لیتا ہے - اور آیات متشابہات جو اسکی عقل مین نہین آتین - ان پر بلا تاویل کے ایمان رکھتا ہے - اور ان مین بغیر تحقیق کے دخل نہین دیتا اور عمل کیواسطے آیات محکمات کو ہی کافی سمجھتا ہے - اور جب کبھی متشابہات کی مراد کھل جاتی ہے - تو اپنی اطمینان کے واسطے کافی سمجھتا ہے - اور کسی کے ساتھہ نزاع نہین کرتا اور نہ کسی کو اسکے منوانے پر مجبور کرتا ہے اور نہ اسمین خوض وتاویل کرنیکو ادب خیال کرتا ہے - اور اسکی حقیقت

وتاویل کو ان کے حوالے کرتا ہے - جو نہین سمجھ سکتے ہون - میری شیخ رحمۃ اللہ فرمایا کرتے کہ جو شخص علم کامل نہ رکھتا ہو اور بیہودہ باطل کے پھندے مین پھنسنا نہ چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ کتاب وسنت کے ظاہری معنے پر اکتفا کرے اور ظاہر سے آگے نہ بڑھے کیونکہ ایسے شخص کا کام تاویل (معنے باطنی واصل حقیقت) نہین ہے - وہ ظاہر کے موافق چلے اور متشابہات کے پیچھے نہ پڑے - اللہ اس سے متشابہات کے نہ جاننے سے مواخذہ نہین کریگا اور جو شخص بصیرت باطنی وعقل تام رکھتا ہے وہ موعظۂ حسنہ اور حکمت صحیح سے لوگون کو اللہ کی طرف بلا سکتا ہے - اور انہین حقیقت کا مزہ چکھا سکتا ہے - اور عقل تام سے کلام کر سکتا ہے - اور باطل سے بری ہو سکتا ہے اور ایسا شخص علم صحیح کا مالک ہوتا ہے - اور تاویل واصلیت کے بیان کرنیکا حق رکھتا ہے - اس سے معلوم ہوا کہ مسائل دینیہ کی عدم واقفیت کا اقرار کرلینا جھوٹی تاویل سے اچھا ہے - ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کا مطلب پوچھا گیا آپنے فرمایا مین نہین جانتا - سائل اس کے سننے سے حیران ومتعجب ہوا - آپنے اس کی حالت دیکھکر فرمایا - مجھے کونسی زمین جگہہ دیگی اور کونسا آسمان سایہ کریگا اگر مین کتاب اللہ مین بے سوچ کہدون یعنی اگر مین پوری تحقیق کے بغیر کچھہ کہدون تو میرا کہان ٹھکانا ہوگا - قرآن کی حقیقت وتاویل بیان کرنا اس شخص کا حق ہے - جو اس حدیث قدسی (بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَنْظُرُ) کا مصداق ہے - یعنی اس درجہ عرفان تک پہنچ گیا ہے - کہ بغیر آلات جسمانی کے اسکا روح کام کر سکتا ہے - اور جو اس درجہ پر نہین پہنچے ان کے لئے یہی بہتر ہے - کہ متشابہات کے پیچھے نہ پڑین - اور جس بات کو نہ سمجھہ سکین اسکو اسکے سمجھنے والے کے حوالہ کرین - اور اپنے اس درجہ کے فہم سے اسکی تاویل تلاش نہ کرے ورنہ وہ حظ ولذت عبادت اس سے جاتی رہیگی اور جرات وگستاخی مین پڑجاویگا - اور مصائب وعذاب کا نشانہ بن جائیگا - یہی سلف صالحین کا اعتقاد وایمان تھا - کیونکہ وہ متشابہات کے علم کو خدا کے حوالہ کرتے تھے اور ان پر ایمان رکھتے تھے - اور حتی الوسع ان عبارات کے سمجھنے مین لگے بھی رہتے تھے - پس معلوم ہوا کہ جو لوگ ابھی درجہ انکشاف ویقین سے قاصر وناقص ہین اور آیات متشابہات ان کی اسوقت کی سمجھہ سے باہر ہین - ان کو ان سے انکار نہین کرنا چاہیے - اور ان پر ایمان واعتقاد رکھتے ہوئے - درجہ یقین تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے - کیونکہ قرآن شریف کی حقیقی سمجھہ اسی کو آسکتی ہے - جو خواہشات نفسانیہ (غصہ وغرور - رنج وبے صبری وغیرہ) سے کنارہ کش ہوکر اسکے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے - اسواسطے اکثر آدمی بباعث حظوظ نفسانیہ وخواہشات بدنیہ مین مستغرق ہونیکے فہم قرآن سے قاصر ہین - اسواسطے ایسے لوگون کی سرزنش وتوبیخ مین اللہ تعالے نے فرمایا ہے - (فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ) یعنی جن کے دل کدورت سے صاف نہین اور جنہون نے کچھہ بھی روحانی ترقی نہین کی وہ محض اپنی خرابی وتنزل کے واسطے اسکی تاویل کے درپے ہوتے ہین حالانکہ اسکی اصل حقیقت سوائے اللہ وکامل صحیح علم رکھنے والے عالمون کے کوئی نہین جان سکتا - پس جو شخص چاہے کہ کلام اللہ کے معارف و

ؔ مجھہ سے ہی سنتا ہے اور مجھہ سے ہی بولتا ہے اور مجھہ سے دیکھتا ہے -

دقائق اور اصل حقیقت سے واقفیت کرے اسکے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے نفس کو رذائل و خبائث سے پاک کرے اور تقوے و پرہیزگاری و اعمال صالحہ اختیار کرے تاکہ اسکے واسطے معرفت کا دروازہ کھل جائے اور خدا خود اسکا معلم بن جاوے جیسا کہ ارشاد ہے (وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ) تم اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہین سکھاویگا) جب کوئی اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ اللہ سے راہ راست تعلیم حاصل کرسکے۔ تو وہ سمجھتا ہے کہ ہر ایک رستہ اسیکی طرف جارہا ہے۔ اور ہر ایک چیز اسے بے دانہ و بغیر کٹھلی نظر آتی ہے۔

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ آیات متشابہات (جنکی حقیقت ہر ایک شخص پر ظاہر نہین ہوتی) کی حقیقت کھل جانیسے یہ لازم نہین آتا۔ کہ وہ آیات پھر متشابہ نہین رہتین۔ نہین بلکہ متشابہ متشابہ ہی ہے۔ اور محکم محکم کیونکہ آیات متشابہ کئی پہلو رکھتی ہین۔ اگر ایک اعتبار سے کسی کے نزدیک محکم ہوگئیں تو باقی اعتبارات سے ویسی ہی متشابہ رہتی ہے۔ اگرچہ ان کے الفاظ کی حقیقت کسی عالم کامل پر کسی جہت سے منکشف ہوجاتی ہے۔ تو دوسرے کے لئے تمام حیثیات سے متشابہ رہتی ہے۔ آیات متشابہات قرآن و حدیث مین متعدد و کثیر ہین۔ مثلاً (۱) حروف مقطعات (۲) خدا کا پہلے آسمان پر آنا اور اسکا فرشتون کے صفوف کے ساتھ آنا اور بادلون کے سایہ مین اترنا (۳) عرش پر قائم ہونا (۴) لفظ قدم و وجہ و ید و ساق وغیرہ کا آنا (۵) خدا کا بندہ کیطرف دوڑکر آنا اگر بندہ خدا کی طرف ایک ہاتھ بڑھے تو خدا کا اس کی طرف دو ہاتھ بڑھنا (۶) صرف عبد مومن کا ہی دل خدا کو سما سکتا ہے۔ (۷) اسکے دونو ہاتھون کا کھلا ہونا (۸) اپنے دونو ہاتھون سے اسکو پیدا کرنا (۹) نوح علیہ السلام کی کشتی کا خدا کی آنکھون کے سامنے جاری ہونا (۱۰) انسان کا دل خدا کی دو انگلیون کے درمیان ہونا (۱۱) آسمانون کا اسکے دائین ہاتھ مین لپیٹے جانا (۱۲) خدا کی معیت (۱۳) الفاظ ضحک (ہنسی) فرح۔ و تعجب۔ و بصر۔ و علم۔ و کلام۔ و حد۔ و مقدار۔ و رضا۔ و غضب وغیرہ کا وارد ہونا وغیرہ وغیرہ ایسے مقامات ہین کہ ان الفاظ کے وہ حقیقی معنے جنکے واسطے وہ حالت افراد مین وضع ہوتے ہین نہین لئے جاتے بلکہ ان الفاظ کے معنے فقرے کے ترتیب سے جو بلحاظ محاورہ زبان پیدا ہوتے ہین لئے جاتے ہین۔ جو اشخاص محاورہ زبان کی حقیقت سے واقف نہین ہوتے۔ اور الفاظ کی حقیقت کو نہین سمجھتے اور اس غرض و غایت کو جو اظہار الفاظ سے ہوتی ہے نہین جانتے۔ اور مراتب و مدارج کلام نہین جانتے اور متکلم کے منشاء کو نہین سمجھتے وہ اس قابل نہین کہ آیات متشابہات کی اصلیت کو سمجھ جائین۔ عارف کامل سمجھتا ہے کہ ان الفاظ سے جو آیات متشابہات مین وارد ہین ان کے افرادی حقیقی معنے مراد نہین بلکہ ان الفاظ سے محض ذات خداوندی (جیسی وہ ہو) مراد ہے۔ ذات خداوندی چونکہ الفاظ مین نہین آسکتی۔ انسان کو سمجھانیکا ذریعہ الفاظ ہی ہین اسواسطے قرآن شریف مین محض تفہیم و تعلیم کے لئے ذات مطلق کو الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ متکلم کو سامع کی لیاقت کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے پس جو سامع عقلمند ہوتا ہے۔ وہ عقل سے ان الفاظ کی تاویل (اصل حقیقت) تک پہنچ جاتا ہے۔ اور جس کا دل ایمان کے نور سے

روشن ہوتا ہے۔ وہ اسکے علم کو اللہ کے حوالہ کرکے ایمان لے آتا ہے۔ اور فائدہ اٹھاتے ہین عقلمند کے سوا بھی ہوجاتا ہے۔ اور جن کسی کی باطن کی آنکھین کھل جاتی ہین اسے ان کی حقیقت کشف سے معلوم ہوجاتی ہے اور ذات باری کو الفاظ کے ذریعہ ادا کرنیکی وجہہ یہہ ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالے ہر ایک رسول کو اسکے قوم کی زبان مین خطاب کرتا ہے۔ اور اسی زبان کے وسیلہ سے متکلم اپنے منشا کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اہل زبان الفاظ مفردہ اور منتظمہ (جو عبارت مین ایک دوسرے سے ترکیب کہائے ہوئے ہون) کی مصداقات سے واقف ہوتے ہین۔ اور ان کے ظاہری معنے اور لفظی معنے ہونیسے ان کے اصل غرض اور حقیقت مین فرق نہین آتا۔ علاوہ اس کے اگر ان الفاظ کے وضعی مطابقی معنے لئے جائین تو لازم آتا ہے۔ کہ اللہ تعالے کی ذات مادی ہو۔ کیونکہ ان الفاظ کے وضعی معنے صفات مادیہ پر دلالت کرتے ہین۔ حالانکہ خدا تعالے نے دوسرے مقامات پر اپنی ذات کو ایسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ صفات مادیہ سے پاک ہے چنانچہ فرمایا (لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ) (وہ مخلوقات مین کسی کے مشابہ نہین ہے) جس سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ دونو قسم کے آیات مین تطابق و توافق تب ہی ہوسکتا ہے۔ جب کہ آیات متشابہات کے الفاظ کو ان کی وضعی معنے پر حمل نہ کرین مثلاً حدیث مین آتا ہے (اِذَا تَصَدَّقَ الْعَبْدُ یُطْفِیْ بِصَدَقَتِہٖ غَضَبَ اللّٰہِ عَلَیْہِ) یعنی جب بندہ صدقہ کرتا ہے تو وہ اپنے صدقہ سے اللہ کے غضب کو فرو کرتا ہے کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ یہان لفظ غضب سے وہی غضب مراد ہے۔ جو انسان کے دل کی حرکت متعلقہ کا نام ہے۔ بلکہ یہان مراد رضامندی کی حالت ہے۔ جسکو اہل زبان اپنے محاورہ مین ان الفاظ سے ادا کرسکتا ہے۔ اور یہہ سب باتین عقل و واقع کے مطابق ہین۔ اور محاورہ زبان ان کی تائید کرتا ہے۔ اہل عقل کی اطمینان تو اسی طریق سے ہوتی ہے۔ لیکن ایمان سے مان لینا اور اس مین کسی قسم کا چون وچرا نہ کرنا اولےٰ ہے۔ کیونکہ حاکم کا حکم ہے۔ اور اسنے خود ہی ان الفاظ کو اپنی واسطے تجویز کیا ہے۔ تو ہمارا کیا ہرج ہے کہ ہم بھی وہی الفاظ اسکے لئے رہنے دین اور اپنی عقل کو اس مین دخل نہ دین۔ اور جب کہ ہم جانتے ہین کہ ہم اپنے محدود علم وعقل سے اس لامحدود کا احاطہ نہین کرسکتے تو اپنے دل سے اسکا حکم مان لینا بہ نسبت عقل کے حکم سے ماننے کے بہتر ہے۔ اور جو شخص عقل کے حکم کو اللہ تعالے کے حکم پر مقدم مانتا ہے۔ وہ ابھی سخت اندہیرے مین ہے اس مقام کو غور سے مطالعہ کرنا چاہیے کہ یہ بحث کسی اور کتاب مین کم پاؤگے۔ ہمنے چند خواص جو اولیاء سے تعلق رکھتے ہین۔ اپنی کتاب تنبیہ الاغبیاء مین (جو اولیاء کے علوم کے دریا کے مقابلہ مین ایک قطرہ ہی) درج کئے ہین۔ جس کو اشتیاق ہو وہان دیکھہ لے۔ **دیگر** علامت یہہ ہے۔ کہ انبیاء کے معاصی مین کلام نہ کرے خصوصاً آدم علیہ السلام ابو البشر کی معصیت کے باب مین۔ کیونکہ ان مقامات کا سمجھنا کامل اولیاؤن کا کام ہے۔ کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہوتے ہین اور وارث کو حق ہے کہ مورث کے علمی مقامات کا تذکرہ کرے اگرچہ وہ خود اس درجہ پر نہ پہنچا ہو۔ **مگر** دوسرون کو مناسب نہین۔ کہ انبیاء کی نسبت لفظ معصیت

و ذنب کا استعمال کرین کیونکہ ان کی معصیت اگر ہوتی ہے تو اللہ تعالےٰ کے امر کے مقابلہ مین ہوتی ہے نہ کہ کسی انسان کے افعال کے مقابلہ سے دوسرے انسان کے افعال کی نسبت سے تو ان کی معصیت بھی ان کے لاکہون طاعتون و عبادتون و اخلاصون و اعمالون سے بہتر ہوتی ہے - اسواسطے دوسرے انسانون کا منصب یہی ہے - کہ ان کے حق مین تعظیم و تکریم کا اعتقاد رکہے اور ان کا بڑا مرتبہ سمجھے اور ان کی معصیت کو بھی (جو اللہ تعالےٰ کے امر کے اعتبار سے ہے) درجہ کمال کا خیال کرے اور اپنی نسبت سے اعلےٰ و افضل سمجھے - اگر کوئی یہہ اعتراض کرے اکہ خوض کی ممانعت سے قرآن مجید مین نقص لازم آتا ہے - اور یہہ پایا جاتا ہے کہ وہ کوئی ایسی پہیلی ہے جو ہماری سمجھہ مین نہین آتی، تو اسکا جواب یہہ ہے کہ واقعی اگر قرآن مجید ایسا ہوتا جس کو ہر کس و ناکس سمجھہ لیتا اور ہر درجہ کے آدمی اس کی عبارت سے یکسان مطلب نکال سکتے اور ہر لکلو پنجو اسکی تہ تک پہنچ سکتا تو اس آیت (فَاسْئَلُوا اَہْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ)[ل] کے فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی اور اہل الذکر سے مراد اولیاء کرام اور علماء راسخین ہین اور دوسرے لوگ ان کی اتباع کے واسطے مامور ہین کیونکہ وہی وارث انبیاء ہین اور اللہ تعالےٰ کے اسرار و حقائق کے امین و محافظ ہین -

اب آدم علیہ السلام کی معصیت کی کیفیت سنو - آدم علیہ السلام سے جو فعل سرزد ہوا - جب وہ اللہ تعالےٰ کے تقدیر و ارادہ سے تھا تو آدم علیہ السلام کا اس مین بلحاظ اطاعت ارادہ کیا قصور تھا - اسی دلیل سے جب آدم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام مین مباحثہ ہوا تھا - آدم علیہ السلام نے موسےٰ علیہ السلام کو ساکت کر دیا تھا - نیز اس ممنوع درخت کے کہانیسے آدم علیہ السلام کی نیت خدا کی سرکشی و ترک حرمت نہین تھی - بلکہ وہ فعل ایک صحیح تاویل کے تائید سے صادر ہوا تھا جس کے روسے وہ کہاتے وقت حق پر تھے - اس قسم کی غلطی بعض کامل عارفون کو بھی لگ جاتی ہے یعنی جو شخص تاویل سے عاصی ہوتا ہے - وہ وقوع فعل کیوقت عاصی نہین ہوتا - ہان وقوع فعل اور اظہار خطاء کے بعد وہ اپنے دل مین اپنی غلطی کا مقر ہوتا ہے - اور اسوقت ظاہر حال سے اسپر خاطی و عاصی ہونیکا حکم لگ سکتا ہے - جیسا کوئی مجتہد اپنے اعتقاد مین کسی وقت کوئی فتوےٰ دیدیتا ہے - اور اسکو عین حکم شرع خیال کرتا ہے - اور جب اسے کسی اور دلیل سے اپنے پہلے فتوے کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے - تو اسوقت ظاہر حال مین اسے مخطی کہا جاتا ہے - لیکن وقوع فتوے کے وقت مخطی نہین تھا - ایسی ہی آدم علیہ السلام باعتبار وقت وقوع فعل تو خاطی نہین تھے - ہان باعتبار وقت ظہور دلیل ثانی بظاہر مین ان پر خاطی کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے - نہ حقیقت مین - میرے آقا شیخ ابو مدین شعیب قطب ربانی شیخ العرب کا قول ہے - کہ اگر آدم علیہ السلام کو درخت کھانے کے وقت یہہ خبر ہوتی کہ وہ زمین کیطرف نازل ہوگا اور اسکی پشت سے انبیاء و مرسلین پیدا ہون گے تو وہ اسے متبرک سمجھکر سارا درخت کھا جاتا گویا آدم علیہ السلام کی معصیت اللہ کے ارادہ کے اعتبار سے عین احسان و مہربانی تھی - یعنی ظاہر مین تو ظاہر بینون کو معصیت معلوم ہوتی ہے - مگر باطن و حقیقت مین عین رحمت تھی اس نکتہ کو اہل سعادت ہی سمجھتے ہین - اور

[ل] اگر تم نہین جانتے اصل حقیقت کو تو اہل الذکر (صوفیاء کرام اہل اللہ) سے پوچھہ لیا کرو -

اہل شقاوت کے ہم ذمہ وار نہیں ہین۔ اہل شقاوت کی پروانہ اللہ تعالے کرتا ہے۔ نہ اہل اللہ وہ اپنی شقاوت کی وجہ سے اسی قابل ہین کہ ایسے نکتون کو نہ سمجھ سکین۔

مین نے اپنے شیخ کو اس مقام کے متعلق ایک اور عجیب تقریر کرتے بھی سنا ہے مین چاہتا ہون کہ اسکا ذکر بھی کرون کیونکہ اس مین آدم علیہ السلام کی توقیر و تعظیم ہے۔ اگرچہ اوس تقریر کے سمجھنے سے اکثر لوگون کے فہم قاصر ہونگے۔ کیونکہ اسکا سمجھنا خاص محقق عارفون کا ہی حصہ ہے۔ اور اسرار و دقائق کے اشارات کا جاننا نہین کا کام ہے وہ تقریر یہہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کو اسماء کا سکہلانا اس بات کا مقتضی تھا کہ آدم علیہ السلام اس درخت کو کھاوین۔ کیونکہ انہین معلوم ہو چکا تھا کہ درخت کا کہانا آدم علیہ السلام کی قسمت مین ہے۔ اور ارادہ ازلی یہی ہے۔ پس اگر وہ اسکو نہ کہاتے تو ارادہ سابقہ کی مخالفت لازم آتی علاوہ اس کے اسکی مخالفت ممکن بھی نہ تھی کیونکہ انسان اللہ تعالے کے ارادہ کے تابع ہے۔ اور اسکے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہین۔ اور معصیت بلحاظ امر و حکم کے ہے نہ ارادہ کے۔ جس غلام کو یہ معلوم ہو جاوے کہ اسکے آقا کا کام اسکے ارادہ کے مطابق نہین ہے تو وہ اسکے ارادے کی اطاعت کریگا۔ اگرچہ فعل مین اسکے امر کی مخالفت معلوم ہوتی ہو علاوہ اسکے جب آدم علیہ السلام کو اشیاء مادیہ (ہانڈی۔ برتن۔ چکی۔ چولہا۔ قلبہ وغیرہ وغیرہ) کے اسما بھی سکہائے گئے۔ تو آدم علیہ السلام نے سمجھا کہ اس درجہ تجرد و روحانیت مین جو ان کے استعمال کا محل نہین ہے۔ ان کے سکہلانے سے یہہ غرض ہے۔ کہ مجھے عالم تجرد و عالم عقل سے عالم مادی و حالت جسمانی مین اُترنا ہوگا جہانکہ ان اسماء مادیہ کے مسمیات و مصداقات کا استعمال ہو سکتا ہے۔ اسواسطے انہین اسیوقت سے انتظاری تھی کہ دیکھئے زمین مین اترنے اور خلیفۃ اللہ بننے کا وقت کب آتا ہے۔ اور اسکے آقا کا ارادہ کب پورا ہوتا ہے۔ اور یہہ بھی جانتے تھے کہ کہ جب فرشتون نے میرے اور میرے اولاد کے حق مین فساد اور سفک دم (خونریزی) کے الفاظ استعمال کئے تھے۔ اور ان کے فخر توڑنے کے واسطے خدا نے مجھے ان کا مسجود بنایا جس سے غرض یہ تھی۔ کہ فرشتے بھی انسان کے واسطے مسخر رہین گے۔ اور حق عبودیت بجا لاوین گے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ خدا کی ربوبیت اور انسان کی عبودیت کا تقاضا یہی ہے کہ انسان مین خشوع و خضوع و انکسار و فروتنی ہو اور یہ تب ہی ہو سکتی ہے۔ کہ انسان مراتب سفلے مین گرایا جاوے اور پھر وہان سے ترقی کرتے کرتے اعلے مراتب تک پہنچے اور لوح محفوظ کے دیکھنے سے یہہ بھی معلوم کر چکے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک مخلوق پیدا کریگا۔ جیسا کہ خدا نے میثاق کیوقت عالم ذر (چیونٹی) مین اس مخلوق کو اس کی پیٹھ سے نکالکر ظاہر کر دیا تھا۔ اور وہان ہی اس کو محمد رسول اللہ نبی ؐ کا رتبہ اور داؤد علیہ السلام کی وسعت خلافت کا حال ظاہر ہو گیا تھا۔ پہر آدم علیہ السلام نے اپنی عمر کا کچھہ حصہ داؤد علیہ السلام کو بخش دیا تھا۔ یہہ حالات جب اس کے سامنے پیش ہوئے۔ تو آدم علیہ السلام کی زبان حال پکار کر کہہ رہی تھی۔ کہ ممنوع درخت کی ممانعت سے یہہ مراد ہے کہ اب اسکے درجہ عبودیت و افتقار مین نازل ہونیکا وقت آپہنچا ہے۔ اور آدم علیہ السلام نے خیال کیا کہ کہانیسے منع کرنا گویا اسکے کہانیکا

لہ وعلم آدم الاسماء کلہا کی طرف اشارہ ہے۔

حکم دیتا ہے (اِنَّ الْاِنْسَانَ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ) گویا اس عبارت سے خدا کا مطلب یہہ تھا کہ اگر تو اس درخت کو کھائیگا تو تجھکو دار خلافت کی طرف نازل کر دونگا - اور تجھے زمین مین اپنا خلیفہ بنا دونگا - اور آدم علیہ السلام بھی (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً) سے اس راز کو سمجھ چکے تھے - اور جان گئے تھے - کہ مجھے اب جنت سے نکلکر زمین کی طرف جانا ہوگا اسیواسطے انہون نے اس امانت (خلافت) کو (جو خدا نے پہاڑون آسمانون وغیرہ پر پیش کیا تھا) جھٹ قبول کر لیا اور تحمل و برداشت مین اپنا حوصلہ دکھایا - اور اسکے عوض مین خدا سے مدح و شاباش کا خواستگار ہوا مگر بجائے مدح کے مذمت کا مستحق ہوا اور اسکے حق مین ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کہا گیا - کہ اس نے اس جلدی سے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے آقا کے سامنے اپنی مرضی سے چیز اختیار کرنے مین جاہل و نادان بنا - اور خدا کی رضامندی پر نہ چھوڑنے سے ان مصائب مین مبتلا ہوا - او (مرضی مولٰے از ہمہ اولٰے) کا سبق بھول گیا - علاوہ اس کے آدم علیہ السلام سے وہ فعل نسیان و فراموشی کی حالت مین صادر ہوا تھا نہ عمداً و ارادةً جیسا کہ (وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا)[1] سے معلوم ہوتا ہے - یہان تک شیخ کی تقریر کا مضمون ہے -

میرے آقا قطب ربانی شیخ ابو الحسن شاذلی رضی اللہ عنہ کا قول ہے - کہ اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام کو اپنی مکالمہ سے مشرف کرنے کے واسطے زمین مین بھیجا - اور یہہ ان کے حق مین ترقی کی حالت تھی - کیونکہ انبیا علیہم السلام ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہین لیکن یہ ترقی کبھی تقریب و تخصیص سے ہوتی ہے - اور گاہے تذلل و مسکنت سے اور یہہ درجہ افتقار و عبودیت حقیقت مین اعلٰے مرتبہ ہے - کیونکہ عبد کی صفت خاص یہی ہے - اور آدم علیہ السلام کو اس وجہ سے دو درجہ عبودیت حاصل ہوئے - (۱) درجہ عبودیت معرفت سابق (۲) درجہ عبودیت تکلیف لاحق اور اس سے آدم علیہ السلام پر خدا کی بڑی رحمت و شفقت ہوئی - گویا آدم علیہ السلام کا درخت کے کھانے مین جلدی کرنا اللہ کے ارادہ سابق کی حصول کے لئے تھا - مگر چونکہ وہ کام اذن صریح سے پہلے تھا - اسواسطے ظاہر مین قابل اعتراض و لائق عتاب ہوگیا - اور حکمت الٰہیہ اسکے مقتضی نہ تھی کیونکہ اللہ تعالٰے فحشاء و منکر کا حکم نہین دیتا اور اللہ اپنے فضل و کمال کے اظہار کیواسطے انسان پر اتمام حجت کر دیتا ہے - اور اسکی شان اسی لائق ہے کہ اس سے ہمیشہ صفات خداوندی و احکام حاکمانہ صادر ہون کیونکہ عبد کا درجہ یہی ہے کہ ہمیشہ اسکے قہر و جلال کے ماتحت رہے - اسیواسطے آدم علیہ السلام کی زبان سے یہہ کلمات عبودیت صادر ہوئے - (رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ)[2] حالانکہ جانتے ہے کہ جو کچھ مجھ سے صادر ہوا ہے اسکی قضاء مبرم اور تقدیر غالب کے تقاضا سے ہوا ہے - کیونکہ ادب اسی مین ہے - اور آقا و غلام کی محبت اسی طرح معلوم ہوتی ہے - کہ غلام آقا کے حکم کے سامنے چون و چرا نہ کرے اور اگر خداوند تعالٰی معصیت و مخالفت کو بندون کی طرف منسوب نہ کرتا تو اسکی حجت ان پر پوری نہ ہوتی ابلیس کے قصہ مین غور کرو کہ وہ فقط بے ادبی و گستاخی سے راندہ گیا - شیطان نے خدا کو کہا تھا - کہ تو مجھے آدم ؑ

[1] بیشک اس سے پہلے آدم ؑ سے ایک وعدہ لیا تھا - مگر وہ بھول گیا اور اسکا ارادہ نہین تھا - [2] اے رب ہمنے اپنے نفس پر ظلم کیا - بیشک اگر تو نہ بخشتا

کے سجدے کے واسطے کیون کر حکم دیتا ہے ۔ حالانکہ تیرا ارادہ یہہ نہین ہے ۔ اگر تیرا ارادہ ہوتا تو مین ضرور کرتا ۔ دیکھو کہ اس گستاخی وسوء ادب سے لعنت کا طوق اسکے گلے مین ڈالا گیا ۔ ذرا ان مین غور سے کام لینا چاہیئے ۔ ایسا ہی یوسف علیہ السلام کے قصہ مین بھی خوض نہین کرنا چاہیئے اور (لَقَدْ هَمَّتْ بِهِ) کے معنے یہہ ہین کہ زلیخا یوسف علیہ السلام کو اپنے ارادہ پر مجبور کرنا چاہتی تھی اور (وَهَمَّ بِهَا) کے یہہ معنے ہین کہ یوسف علیہ السلام زلیخا کو اسکے ارادہ کے ٹالنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا ۔ گویا ہر دو ایک فعل مین شریک تھے ۔ اور دلیل اسکی زلیخا کا یہہ قول ہے (اَلْاٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ) اب حق ظاہر ہو گیا مینے ہی درخواست کی تھی اور یوسف کے حق مین (اِنَّهٗ رَاوَدَهَا عَنْ نَّفْسِهَا) نہین آیا ۔ کہ اُسنے اس سے درخواست کی تھی ۔ شیخ فخر الدین رازی نے اس مقام کو بڑے بسط و شرح سے لکھا ہے ۔ جو شخص اشتیاق رکھتا ہو اسکا مطالعہ کرے ۔ کوئی عارف کشف کے ذریعہ سے یوسف علیہ السلام سے ملا ۔ اور اسکو اس تاویل کی خبر دی تو انہون نے کہا کہ تو نے سچ کہا ہے یہی اللہ کی مراد ہے ۔ جاننا چاہیئے کہ جو کچھہ اولیاء کو بطریق کشف معلوم ہوتا ہے اس مین اللہ کی تعظیم و ادب ہوتا ہے ۔ اور ان کا وہ کام انبیاء کی تابعداری سے باہر نہین ہوتا بلکہ ان کے کامون سے انبیاء کی عظمت و شان ظاہر ہوتی ہے ۔ کیونکہ اس امت مین اگرچہ شرع و ملت جدیدہ کا دروازہ بند ہو گیا ۔ لیکن اسکے معارف و دقائق کا دروازہ بند نہین ہوا ۔ اور کشف و الہام سے احکام شرعیہ کی عزت و شوکت زیادہ ہوتی رہتی ہے ۔ لیکن کشف و الہام سے احکام شرعیہ (فرائض ۔ حلال ۔ و حرام ۔ اوامر و نواہی وغیرہ) ثابت و متجدد نہین ہوتے کیونکہ اگر یہہ دروازہ کھل جاتا تو احکام شرعیہ آپس مین متخالف ہو جاتے اور بباعث کثرت مدعیان شریعت کا نظام بگڑ جاتا ۔ پس معلوم ہوا کہ آیات متشابہات کی اصل حقیقت سمجھنے والے عرفاء کامل ہی ہوتے ہین ۔ کیونکہ جب انہین کسی امر منقول مین شک پڑتا ہے ۔ تو کشف صحیح کی طرف رجوع کرتے ہین اور وہ کشف کتاب و سنت کے مخالف نہین ہوتا ۔ کیونکہ جو کچھہ اللہ ان پر ظاہر کرتا ہے ۔ وہ کتاب و سنت کے مخالف نہین ہو سکتا ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ولی کا دعوے نبی کی شریعت کی تنسیخ کا نہین ہوتا ۔ ہان اتنی بات ضرور ہوتی ہے کہ ولی شریعت کے اجزاء متفرقہ کو ملا کر ایک ایسی ترتیب سے جمع کرتا ہے ۔ کہ ایک نئی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ جسکی نظیر بحیثیت مجموعی شرع مین نظر نہین آتی ۔ اگرچہ اسکے افراد و اجزاء کے اعتبار سے وہ امر مشروع ہوتا ہے ۔ اور وہ اس کام کی شرع سے خارج نہین ہو جاتا کیونکہ شارع سے اس قسم کی ترتیب کی اجازت معلوم ہوتی ہے ۔ چنانچہ (مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا) اسکی مؤید ہے ۔ پس معلوم ہوا کہ ان کو ترتیب کی ترکیب کی اجازت ہے بشرطیکہ اصول شرع کے مخالف نہ ہو ۔ اور انبیاء کے نکات کو سمجھنا اولیاء ہی کا حصہ ہے ۔ ایسے ہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کذب کی طرف منسوب کرنا اور سیدنا لوط علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام وغیرہ انبیاء کے حق مین ایسی باتون کا منسوب کرنا جس سے ان کی ذات پاک منزہ و مبرا ہے ۔ خلاف ادب ہے ۔ اور

ناقص الفہم لوگ ان کی حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہین ۔ چونکہ اس مقام مین ان باتون کا ذکر ہمارا مقصود بالذات نہین ہے ۔ اسواسطے ہم اس بحث کو یہان ہی چھوڑتے ہین کیونکہ اس صورت مین رسالہ کے طویل ہونیکا خطرہ ہے ۔ اور اس تھوڑی سے تقریر سے سمجھنے والا بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے ۔ اور نا سمجھ و غور نہ کرنیوالے کے لئے تفصیل و تشریح بھی بیکار ہے ۔ **دیگر** علامت یہہ ہے ۔ کہ وہ ہمیشہ شارع و مجتہد وقت کا مقلد رہتا ہے ۔ حکم شرعی کی علت اور اس حکم اور دوسرے حکم کا فرق نہین پوچھتا ۔ کیونکہ ان احکام کا علم از سنہ متعددہ سے اپنی نہایت کو پہنچ گیا ہے ۔ اور اس زمانہ کے سمجھنے والون کی غایت یہی ہے کہ وہ متقدمین کے اقوال کو سمجھین ۔ یہہ بھی یاد رکھو کہ جس عمل کی شارع نے علت بیان نہین کی وہ محض عبادت کی خاطر ہوتا ہے ۔ اور عبادت بلا معرفت علت اس عبادت سے اچھی ہے ۔ جسکی وجہ و حکمت معلوم ہو ۔ کیونکہ عمل کی جب حکمت معلوم ہو جاتی ہے ۔ تو وہ کام اس حکمت کیواسطے کیا جاتا ہے ۔ اور جب حکمت و علت معلوم نہین ہوتی اس وقت اس عمل کا باعث محض عبادت ہوتی ہے ۔ نیز احکام کے علل و فروق (جمع فرق) سے بحث کرنا عبد کامل کا کام نہین ہے ۔ کیونکہ وہ مامورات کے بجالانے اور منہیات کے ترک کرنے کے واسطے مکلّف ہے ۔ نہ علتون اور فرقون کے معلوم کرنے کے واسطے کیونکہ وجوہات و حکم جاننا عمل کے لئے شرط نہین ہے ۔ نیز ہر وقت ان باتون کا خیال رہنا تضییع اوقات ہے ۔ اس بحث کے بعد بھی اگر وہ کسی خاص امام کا مقلد ہے تو وہ اپنی ہی امام کی کلام کی طرف رجوع کریگا ۔ کیونکہ وہ منقول کی مخالفت کر نہین سکتا ۔ اور اس حالت مین اپنی عبادت کو باطل سمجھتا ہے ۔ پس جو مقلد یہہ بات سمجھ لیتا ہے وہ تمام جھگڑون و اشکالون سے چھوٹ جاتا ہے ۔ اور اسکی تمام فقہ بغیر اعتراض کے ہو جاتی ہے ۔ اور تمام لا بلا بکر دن (ملّا) پر چھوڑ دیتا ہے ۔ پس اس تقریر سے صاحب عقل نتیجہ نکال سکتا ہے ۔ کہ ساری عمر علوم ظاہریہ مین صرف کرنی منزل مقصود تک نہین پہنچا دیتی ۔ کیونکہ یہہ علوم حواس سے تعلق رکھتے ہین اور حواس مین مکابرہ و مجادلہ کا بڑا دخل ہے ۔ اور علم حقیقی کا تعلق دل سے ہے جو بغیر ریاضت و مجاہدہ حاصل نہین ہوتا ۔

دیگر علامت یہہ ہے ۔ کہ وہ تکبر نہین کرتا اور اسکو اپنی حکمت اور وسیع واقفیت پر غرور نہین ہوتا ۔ جون جون اسکا علم بڑھتا جاتا ہے ۔ اسکی خشیت و خوف بڑھتا جاتا ہے ۔ علاوہ اس کے جو شخص فخر کرتا ہے وہ ناقل و طوطا ہوتا ہے نہ عاقل و عالم کیونکہ جس کا علم غیرون کے الفاظ کا مجموعہ ہو اور تقلیداً حاصل کیا ہوا ہو وہ علم نہین ہے ۔ علم وہ ہے جو اوس سرچشمہ سے لیا جاوے جس چشمہ سے اسکے مقتداء نے پانی پیا تھا ۔ اس چشمہ سے یہہ بھی پانی پئے ۔ اور جس کو علم کا چشمہ معلوم ہو جاتا ہے وہ اس ظاہری نقلی علم پر فخر نہین کرتا ۔ نیز علم حقیقی کی علامت یہہ ہے کہ کسی مشکک کے شک سے زائل نہ ہو جاوے اور عین واقع کے مطابق ہو جس کا علم اس درجہ کا نہین ہے ۔ وہ علماء عارفین کے درجہ سے کوسون دور ہے ۔ بلکہ وہ ناقل ہے جسکا نتیجہ یہہ ہے کہ محض طوطے کی طرح بولتا ہے اور اسکی حقیقت نہین سمجھتا ۔ علاوہ اس کے اس قسم کا علم عالم برزخ مین اسکے کچھہ کام نہین آتا ۔ کیونکہ اسکا تعلق دنیا اور جوارح سے تھا ۔ اور وہ اسکے ساتھہ نہین ہونگے ۔ علم مفید وہ ہے جسکا تعلق

دل سے ہو اور وہی برزخ مین ساتھہ رہتا ہے اور آخرت مین کام آتا ہے اور جو علم ساتھہ رہتا ہے وہ اللہ تعالی کی ذات وصفات وسنن وآداب۔ اور اسکی مصنوعات کا علم ہے دیکھو کہ نزاع کے وقت علوم ظاہریہ وفنون دنیاویہ کی طرف میل ورغبت نہین ہوتی۔ وجہہ یہہ ہوتی ہے۔ کہ اسوقت اس پر اصل حقیقت کھل جاتی ہے اور نظر باطن تیز ہوجاتی ہے۔ اور اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ کونسا علم آخرت کیواسطے مفید ہے۔ اور اسوقت اس پر ظاہر ہوجاتا ہے۔ کہ جس علم کا تعلق دل سے ہے وہی آخرت مین مفید ہے۔ اور علوم ظاہری صرف ونحو۔ ولغت یہان کام نہین آتے جیسا عالم ظاہری کا حال بباعث انکشاف کے روح کے نکلنے کیوقت ہوتا ہے علماء باطنی کا حال ہر وقت زندگی مین ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی زندگی کے ہر لحظہ مین وہی علم حاصل کرتے ہین جن سے تزکیہ نفس وصفائی قلب حاصل ہوتی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ علوم ظاہریہ جو لوگون کے ہاتہہ مین ہین وہ اولیاء کے علوم کے سمندر کے سامنے ایک قطرہ بھی نہین ہین یہہ بات ہماری کتاب (تَنْبِیْہُ الْاَغْبِیَاءِ عَلٰی قَطْرَۃٍ مِّنْ بَحْرِ عُلُوْمِ الْاَوْلِیَاءِ) کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ مین بھی اس ذوق سے پہلے خیال کیا کرتا تھا۔ کہ علم تو علم ظاہری اور منقولی ہی ہے۔ یہانتک کہ اللہ تعالٰے نے ان علوم کے بجائے مجھ پر قرآن مجید وحدیث کے معانی ودقائق کا دروازہ کہولدیا۔ پھر مین نے لوگون کے علوم ظاہریہ کو اس دریائے محیط کے مقابلہ مین قطرہ بھی خیال نہ کیا فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ اور وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کا دروازہ کھل گیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی علوم باطن کے جاننے سے کہا تھا۔ کہ مین حرف بار کے معنے سے ستر اونٹ کی بوری کے برابر معانی نکال سکتا ہون سچ ہے۔ (جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ جَمِیْعٌ۔ تَقَاصَرَ عَنْہُ اَفْہَامُ الرِّجَالِ)

دیگر علامت یہ ہوتی ہے۔ کہ جب وہ قرآن مجید یا حدیث شریف وغیرہ مطالعہ کرتا ہے۔ اگر کوئی مقام اسکے فہم سے باہر ہو تو دوسرے سے پوچھہ لیتا ہے۔ اور اپنے دل کو بھی صاف کرتا رہتا ہے۔ اور جب دل تقوے سے آراستہ ہوجاتا ہے۔ اور زنگ کدورت وہوا وہوس سے پاک ہوجاتا ہے تو اللہ تعالے خود اسکا معلم ہوجاتا ہے۔ پھر اُسے فہم قرآن مجید وحدیث شریف مین چندان دقت نہین ہوتی۔ مین علوم فقہیہ کے تحصیل کے زمانہ مین جب کسی مسئلہ مین متردد ہوتا تو ایک اُمی شخص سے جو علوم ظاہریہ سے بالکل واقف نہ تھا پوچھا کرتا۔ اور وہ ایسا عمدہ جواب دیتا کہ میرے اعتراض رفع ہوجاتے اور مین اسکے جوابات اپنے شیخ ذکریا کے خدمت مین پیش کرتا تو وہ ان کو بہت پسند فرماتے اور اپنی کتابون مین شامل کرنیکا حکم دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم باطن رکہنے والا جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ بہ نسبت فقیہ ومتکلم کے جو عمل نہ کرین اچھا ہے وجہ یہہ ہے کہ فقیہ ومتکلم اپنے اعمال کو ذریعہ نجات سمجھتے ہین اور اپنے اعمال کے ثواب کے طالب ہوتے ہین اور بلا غرض وخالصًا لوجہ اللہ واخلاصًا لامر اللہ اور بے غرض کوئی کام نہین کرتے۔ اور فقیر ہر چیز کا فاعل اُسی کو سمجھتا ہے اور اپنے اعمال سے کسی ثمرہ کا طالب نہین ہوتا۔ پس جب فقیہ ومتکلم میزان پکڑے ہوئے خدا تعالے کی درگاہ مین جاتے ہین تو وہان سے روکے جاتے ہین اور ادب کے رعایت نہ کرنیسے محروم

رہتے ہین اور علم لدنی کے فیض سے خالی رہتے ہین - اگر کوئی ان مین صاحب عقل ہوتا ہے - تو خدا تعالی کی درگاہ مین بلا میزان و مطالبہ جاتا ہے - اور میزان کو دروازہ پر چھوڑ جاتا ہے - اور جب آتا ہے - تو اسکو للہ (بلا غرض) وزن کرنیکے لئے اٹھاتا ہے - نہ علے اللہ (مطلب و غرض کے واسطے) وزن کرنیکے اور یہہ درجہ حاصل کرنا بہت مشکل ہے - یہہ باتین صاف تختی پر نسبت صاف کی ہوئی تختی کے جلدی نقش ہوتی ہین امام غزالی نے لکھا ہے کہ جب مین نے قوم (صوفیا اکرام) کا راستہ لیا اور اپنے دل کو فارغ کرکے ذکر و فکر مین مصروف ہوا اور چالیس روز اسی شغل مین رہا تو مین نے خیال کیا کہ مجھہ مین قوم (اہل اللہ) کی سی حالت پیدا ہوگئی ہے - لیکن مین نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ابھی قوت فقہیہ باقی ہے - پھر مین بار بار مجاہدہ مین مصروف ہوا لیکن حال ویسا ہی رہا - اور اہل اللہ کی سی کوئی کیفیت مجھہ پر طاری نہ ہوئی - اس سے یہہ نتیجہ نکالا کہ جیسا بالکل صاف تختی پر نقش ہوتا ہے ویسا توشتہ پر نہین ہوتا اور جو اثر تربیت کا تر لکڑی قبول کرتی ہے وہ خشک نہین مانتی ہیجمی - ع چوب تر را چنانکہ خواہی پیچ + نہ شود خشک جز بآتش راست -

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالے جب کسی بندے کو عمل کی توفیق دیتا ہے تو اس سے پہلے اس کے متعلق علم کی سمجھہ عطا کرتا ہے جو اس عمل کا موقوف علیہ ہے - کیونکہ عمل کسی چیز کا اسکے حقیقت جاننے کے بغیر نہین ہوسکتا اور اس فہم سے مراد صرف معانی کلام کی سمجھہ ہی مراد نہین ہے - بلکہ ساتھہ اسکے صفائی باطن و پاکیزگی قلب بھی شامل ہے - **دیگر** علامت اسکی یہہ ہے کہ اگر اہل اللہ کی کسی کلام کو (جو ذوق و معاملہ سے تعلق رکھتی ہے اور عقل کی حد سے متجاوز ہے) سنتا ہے تو اسکے انکار مین جلدی نہین کرتا - بلکہ جہان تک ہوسکتا ہے اسکی تاویل کرکے موافق ظاہر شرع بنا لیتا ہے بعض صوفی ایسے ہوتے ہین کہ ان کی کلام زیادہ تاویل کی محتاج نہین ہوتی جیسے شیخ الاسلام ذکریا و شیخ عبدالرحیم الانباسی اسی زمرہ مین ہین - اور بعض اہل اللہ کی کلام نہایت ادق و قابل تاویل ہوتی ہے جیسے حضرت ابو یزید بسطامی اور شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ کی کلام اسی قبیلہ سے ہے - حکایت ہے کہ ابو یزید بسطامی نے ایک دفعہ سبحان اللہ کہا - خدا نے اسے پوشیدہ کہا کہ کیا تو مجھہ مین کوئی نقص پاتا ہے کہ مجھہ کو اس سے پاک کرتا ہے - جواب دیا کہ نہین عیب تو کوئی نہین پاتا - خدا نے کہا کہ پھر اپنے نفس کو پاک کر پھر وہ اپنے باطن کی صفائی مین مشغول ہوئے یہانتک کہ کوئی ایسا عیب نہ رہا جو خدا تعالی کے نزدیک ناپسند ہو پس جب پاک ہوچکے تو فرمایا سبحانی (یعنی مین پاک ہون) پس ایسے الفاظ کی جو تاویل نہ کرے اور ان کو مخالف شرع سمجھے اسکی عقل پر بڑا افسوس ہے حالانکہ وہ خداوند کریم کی کلام کی باوجود کمال ہونیکے کرتا ہے - اور بندہ کی کلام کی باوجود عاجز و ناقص ہونیکے تاویل نہین کرتا پس پتھر پڑین ایسی عقل و سمجھہ پر - **دیگر** علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ اپنے امام کی راگر اسکا قول اسے ضعیف معلوم ہو اور اسکی دلیل کی کمزوری معلوم ہوجاوے اور دوسری مذہب کی دلیل قوی معلوم ہو) بیجا تائید نہین کرتا اور تعصب و بیجا حمایت کے گرد بھی نہین کرتا - کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسکے امام نے یہہ نہین کہا ہوا کہ ہر امر مین میری تقلید کیجیو - کیونکہ

امام خود سمجھتا تھا کہ میرا ہر قول خطا سے پاک نہین ہوسکتا۔ امام مالک امام المدینہ کا قول ہے کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول سوا ہر شخص کی کلام قابل تردید ولائق انکار ہوسکتی ہے۔ امام شافعی نے بھی اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہوا ہے چنانچہ ان کی کلام کا مضمون یہہ ہے۔ کہ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔ جب تم میری کلام کو سنت کے مخالف دیکھو تو سنت پر عمل کرو اور میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔ اور حقیقت مین شافعی رحمۃ اللہ کا کوئی مذہب نہین ہے وہ ایک شریعت ہے اور جو دلیل مذہب غیر مین صحیح ہو اور اسکے نزدیک صحیح نہ ہو تو تو عملی طور پر صحیح دلیل ہی اسکا مذہب ہے بعض حنفیون نے (فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ) یعنی مسئلہ تیمم مین کہا ہے۔ کہ مذہب امام شافعی اس مسئلہ مین درست ہے۔ یعنی گرد وغبار پتھر پر تیمم کر لینا جائز ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک ایسے پتھر پر جائز نہین ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے روایت ہے انہون نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم پر میری کلام سے فتوے دینا حرام ہے جب تک کہ میری دلیل واصول نہ جان لو۔ پس معلوم ہوا کہ ایسی حالت مین اپنے امام کی بے محل حمایت کرنیوالا اسکا مخالف ہے نہ متبع نیز کیا ضرور ہے کہ جو مقلد شخص کسی مجتہد کی کلام سے سمجھا ہے وہی اسکی مراد ہو یہی تو وجہ ہے کہ مجتہدین کے کلام کے سمجھنے مین مختلف طریقے ہوگئے ہین حالانکہ اصول سب کے یکسان تھے۔ واقعی جو شخص قواعد اور اصول کو چھوڑ دیتا ہے خطا مین پڑتا ہے۔ اور بباعث عدم واقفیت اصول ایک مجتہد کا مقلد دوسرے مجتہد کے مقلد کو خاطی اور غلطی پر بتلاتا ہے۔ اگر اصول کو جانتے اور سمجھتے کہ منزل مقصود ایک ہے صرف راستے مختلف ہین تو اس اختلاف مین نہ پڑتے اللہ اس امت پر رحم کرے کہ دین سے کیسی بے خبر ہوگئی ہے۔ اور اسکے اصول وقواعد کے سوچنے مین کیسی کاہل ہوگئی ہے۔ پس عقلمند کو چاہئے کہ تعصب سے بچے اور جان لے کہ مجتہدین کے تمام مذاہب اہل عقل کے نزدیک ایک ہی ہین اور وہ اپنی وسعت نظر کے سبب ان مین کوئی تفرقہ واختلاف نہین دیکھتے۔ کیونکہ وہ اس چشمہ کو دیکھتے ہین جس سے مجتہدین نے فائدہ اٹھایا تھا۔ اور تمام مذاہب کو ایک ہی شریعت کی شاخین دیکھتے ہین۔ اور ہمنے بھی اس راز کو پایا ہے اور اسکا ذائقہ چکھا ہے۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔

اہل ذوق مذاہب مشہورہ مین سے کسی مذہب کے پابند ہونیکا حکم نہین کرتا کیونکہ تمام مذاہب ان کے اندر ہین اور اس امر کو فقراء اہل ذوق ہی سمجھتے ہین اور ان کا ذوق تمام مجتہدین کے ذوق کے برابر ہوتا ہے فقراء اہل ذوق کا علم اس قدر وسیع ہوتا ہے۔ کہ ان کو کسی مذہب مین مقید ہونیکی ضرورت نہین ہوتی۔ اور جہلاء از روئے مذمت کے ان کے حق مین یون کہتے ہین کہ یہہ لوگ کسی مذہب کے مقید ومعتقد نہین ہوتے لیکن وہ بیچارے اندھے ہونیکی وجہ سے معذور ہین۔ اور ان کی قدر ومنزلت سے ناواقف۔ کیونکہ وہ ایسے اعلے منازل پر ہوتے ہین کہ جہلاء ان کے مراتب کو نظر اٹھاکر کبھی نہین دیکھہ سکتے۔ اور شریعت صحیح تو نہایت آسان ہے۔ جس مین کوئی مشقت وتکلیف نہین ہے۔ پس علماء راسخین تمام مذاہب کے اقوال مختلف کو ایک ہی مذہب خیال کرتے ہین اور ان کے فروعی اختلاف کو مختلف حالات واعتبارات پر محمول کرتے

ہین اور وہ سمجھتے ہین کہ مقتضائے عقلمندی و قاعدہ حکمت یہی ہوتا ہے۔ کہ ایک ہی سوال کا جواب مخاطبین مختلف الاستعداد کے واسطے مختلف ہوتا ہے۔ اور مقصود بالذات و اصل الاصول سب مختلف جوابون کا ایک ہی ہوتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا یہی قاعدہ تھا۔ جیسا کہ حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اور (اُمِرْتُ اَنْ اُخَاطِبَ النَّاسَ عَلٰے قَدْرِ عُقُولِهِمْ) سے اسی طرف اشارہ ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ مذاہب کے درمیان تناقض و تخالف اس کو معلوم ہوتا ہے جو عارف علماء کی درجہ سے قاصر ہے اور اسرار شریعہ سے جاہل ہے۔ **دیگر** علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ کسی متکلم (خواہ نبی ہو یا ولی یا عالم) کی کلام کا حصر ایک ہی مراد پر نہین کرتا کیونکہ غیر کی کلام کا ایک ہی معنے پر حصر کرنا بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ ہر مخاطب ہر متکلم کے کلام سے اپنے لیاقت و استعداد کے موافق معنے اخذ کرتا ہے۔ اور ہر ایک شخص درجہ استعداد مین مختلف ہوتا ہے دو فرد بھی ایسے نہین پائے جاتے جو ایک درجہ لیاقت و استعداد مین مشترک ہون کیونکہ ہر ایک چیز (خواہ حسی ہو یا خیالی یا وہمی یا عقلی) کے مدارج و مراتب بیشمار و لا انتہا ہوتے ہین اسواسطے عقلمند کا طریقہ یہہ ہوتا ہے۔ کہ وہ کہتا ہے کہ مین قائل کے قول کا یہہ مطلب خیال کرتا ہون نہ یہہ کہ جو کچھہ مین سمجھا ہون وہی متکلم کی مراد ہے۔ اور وہ اپنے خیال پر اصرار نہین کرتا اور جو شخص اسکے برخلاف چلتا ہے اسے عقلمندون کی مجلس مین نہایت ندامت اٹھانی پڑتی ہے اور اس پر حق کو ایک ہی مذہب مین محصور کرنیکا الزام عائد ہوتا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ کسی زبان کے الفاظ کے معانی سمجھنے سے یہہ مراد نہین ہوتی کہ متکلم کی کلام کے الفاظ کے معنے اس زبان کے محاورہ کے مطابق سمجھہ لے۔ بلکہ کلام سمجھنے کے یہہ معنے ہین کہ متکلم کی مراد و مقصود کو سمجھے اور اسکے موقع و محل کو جانے کہ متکلم نے وہ کلام کس غرض کے واسطے کہی تھی۔ اصلی حقیقت کلام کی یہی ہے کہ متکلم کی غرض سمجھی جائے نہ اسکا لفظی ترجمہ اور متکلم کی اصلی منشاء کو وہی جانتا ہے جسکے دل پر قرآن شریف اترتا ہے۔ اور کلام کے معانی جو اسکے الفاظ سے ثابت ہوتے ہین ان کا سمجھنا عوام کا کام ہے عوام الناس جو عارفون کی کلام کا مطلب سمجھتے ہین وہ صرف کلام کا سمجھنا ہے نہ متکلم کے منشاء کا سمجھنا۔ اور متکلم کی حقیقی مراد وہی سمجھہ سکتا ہے۔ جو متکلم کے منشاء سے واقف ہو۔ اس محل کو ذرا غور و فکر سے مطالعہ کرنا چاہیے کہ نہایت دقیق ہے۔ اور امید کہ یہہ مضمون کسی اور کتاب مین نہین ملیگا۔

ذرا غور کرنیکی بات ہے کہ جب کسی درجہ کا انسان اپنے سے اعلے درجہ کے انسان کی کلام کے احاطہ سے عاجز ہوتا ہے۔ تو ہر ایک شخص کا یہہ دعوے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ خداوند تعالے کی کلام کو سمجھہ سکتا ہے۔ اور اسکو کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ کہ وہ کلام اللہ کی تفسیر کرنے لگے کلام اللہ کی تفسیر کرنا صرف کامل عارفون کا حق ہے کیونکہ وہ اسرار شریعت سے واقف ہوتے ہین اور ان کے نفوس ہوا و ہوس و شکوک و ظنون و اوہام باطلہ و دعاوی کاذبہ سے پاک ہوتے ہین۔ اور معارف عالیہ و حقائق غالیہ سے معمور ہوتے ہین۔ اور جو لوگ اس درجہ تک نہین پہنچے ان کا کام صرف یہہ ہونا چاہئے۔ کہ وہ اللہ کے بندے کہلائین۔ اور صرف علم توحید پر

بس کریں اور عمل کیواسطے صرف اللہ کی محبت اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی محبت اور اعتقاد حق کو کافی سمجھیں۔ اور تفسیر کادم نہ ماریں۔ ایسے لوگون کے حق مین تقوےٰ و پرہیزگاری ہی اچھی ہے نہ کہ علم و معرفت حقائق۔ کیونکہ حقیقی علم و معرفت کا درجہ (جس مین انسان تفسیر کے لائق ہو سکتا ہے) بہت دور ہے۔ اور اس درجہ تک پہنچنے والے ہمیشہ شاذ و نادر ہی ہوتے ہین باقیون کے واسطے اتقا ہی بہتر ہے جیساکہ (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ) (جو متقی ہے وہ خدا کے نزدیک شریف ہے) سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح اکثر آیات قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسان سے صرف عمل ہی پوچھا جائیگا جیساکہ آیات ذیل۔ (ھَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ جَزَاءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ جَزَاءً بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ) سے معلوم ہوتا ہے۔ اور کسی آیت مین جَزَاءً بِمَا کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ نہین آیا۔ اسکے علاوہ کتابون اور رسولون کے انزال سے بھی علت غائی امر معروف وتاکید عمل ہے۔ اور جو شخص عالم ہو کر عمل نہین کرتا اسکے توبیخ و زجر کے واسطے یہہ آیت (مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا) کافی ہے۔ پس اہل اللہ جانتے ہین کہ علم و تلاوت قرآن شریف سے مراد محض الفاظ کا رٹنا نہین ہے۔ بلکہ اس کی غرض و غایت یہہ ہے کہ انسان کے دل مین خوف پیدا ہو اور زجر و توبیخ کے مواقع کو سمجھے اور اپنے باطن کو صاف کرے۔ اور جانتے ہین کہ جو بات ہم جانتے ہین اگر اس پر عمل نہین کرین گے تو پوچھے جاوین گے۔ جاننا چاہیئے کہ دل مین وہی بات اثر کرتی ہے جسکا علم اصلی ہو نہ کہ محض صورت و الفاظ مثلاً اگر کوئی بادشاہ بازاریون کی طرح لباس پہنکر بازار مین پھرے۔ اور لوگ اسکی حقیقت سے واقف نہ ہون کہ وہ بادشاہ ہے۔ تو کوئی اسکی تعظیم کو نہین اٹھیگا۔ اور ان کے دلون مین اسکی کچھہ قدر و وقعت نہ ہوگی۔ لیکن جب انہین معلوم ہو جاوے کہ یہہ بادشاہ ہے۔ تو سب استقبال کو اٹھین گے اور خشوع و خضوع کرین گے۔ اور آنکھین نیچی کرلین گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسکی یہ عزت و تکریم اسکی صورت و ظاہر ہیبت سے نہین ہوئی۔ اگر صورت و ظاہری ہیبت سے عزت و حشمت کا تعلق ہوتا۔ تو اس حالت مین بھی ہونی چاہیئے تھی جب کہ ان کو اسکی اس نسبت (سلطنت) کا علم نہ تھا۔ اور جب یہہ توقیر و تعظیم اس نسبت و حالت کے جاننے سے ہوئی تو معلوم ہوا کہ خوف و ڈر و عزت و توقیر کا تعلق علم سے ہے نہ ظاہری صورت سے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے دل پر قرآن کی تلاوت سے خوف طاری ہو جاتا ہے۔ اور اسکی آنکھین زجر و توبیخ و مواعید و مواثیق کے مطالعہ سے تر ہو جاتی ہین اسکی دل پر اللہ کی عظمت کا اثر ہوتا ہے۔ فرض کرو دو شخص قرآن کی تلاوت کرتے ہین۔ ایک تو اسکے مضامین اور اسکے اسرار و حقائق سے متاثر ہو کر خشوع و خضوع کے دریا مین ڈوبا ہوا ہے اور آنکھون سے آنسو بہا رہا ہے۔ دوسرا صرف الفاظ کی کھینچتان مین غرق ہے۔ اور ان معانی و معارف سے اندہا ہے۔ قرآن اسکے حلق سے تجاوز نہین کرتا اسکے دل پر تلاوت کا کوئی اثر محسوس نہین ہوتا۔ کیا یہہ ہر دو نتیجہ مین مساوی ہین ہرگز نہین پس معلوم ہوا کہ ظاہری الفاظ کی صورت کا بغیر فہم معانی کچھہ اثر نہین ہوتا۔ یعنے جب یہہ مزا

۵ ... جو لوگ توراۃ ... ان کی مثال ... گدھے کی طرح ہے

چکہا تھا تو مین بباعث ان امور وحالات کے جو اس درجہ مین اہل ذوق پر وارد ہوتے ہین قرآن نہین پڑہ سکتا تھا نہ نماز مین نہ کسی اور موقع پر۔ تلاوت کے وقت میری گگی بندھ جاتی - اس حالت کو اہل ذوق ہی جانتے ہین اور جنہون نے یہہ مزہ نہین چکہا وہ اس سے معذور ہین اور حقیقت کے نہ سمجھنے مین مجبور ہین - اہل اللہ کو حروف کے بڑہاؤ گھٹاؤ اخفاء و اظہار وغیرہ امور قرآت سے (جنکے ادا کرنے مین قاری بڑا مبالغہ والحاح کرتے ہین) چندان تعلق نہین ہوتا - ان کی نظر حسن باطن پر ہوتی ہے نہ حسن ظاہر پر اسیواسطے وہ قرات کی مختلف روایات اور ان کے طریقون کی تحصیل مین مصروف ہونا تضییع اوقات خیال کرتے ہین اور عمر عزیز کو لایعنی امور مین تلف کرنا سمجھتے ہین - ایسے ہی سلف صالح بھی ایسے امور ظاہریہ کے عاشق نہ تھے - کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قرآن عربی ہے اور عرب کی لغت وسیع ہے - کوئی قبیلہ کسی لفظ کو مد سے پڑہتا ہے - دوسرا اسی کو قصر سے ادا کرتا ہے - کوئی اظہار کرتا ہے - کوئی اخفاء کوئی تفخیم سے ادا کرتا ہے کوئی ترقیق سے اسواسطے وہ صرف ایک لغت کے متابعت کرکے باقی بکھیڑون مین عمر ضائع نہین کرتے تھے - بلکہ گوہر مقصود کو ہاتھ مین لانیکی کوشش کرتے تھے - اور علم کے دریا مین غوطہ زن ہوتے تھے اور ساتھہ ہی صوم وصلوۃ وحج وزکوۃ وزہد وپارسائی وخوف وپاکدامنی وغیرہ اعمال صالحہ مین بھی کوتاہی نہین کرتے تھے - جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے - روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ پچاس سال تک عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز پڑہتے رہے ایسا ہی ہر ایک امام صرف حفظ مسائل کو ہی کافی نہ سمجھتا تھا - بلکہ اوراد واذکار وغیرہ اعمال صالحہ بھی بجالاتا تھا جو شخص اپنی عمر علم قرات اور اسکے وجوہ اظہار وغیرہ صفات وامور متعلقہ حروف مین ضائع کرتا ہے - اور قرآن کے مقصود بالذات ومطالب ومواعظ وتہدید وتوبیخ وغیرہ اسرار حقہ ودقائق عمیقہ مین غور نہین کرتا - اسکی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ بادشاہ اسکی طرف اپنے اوامر ونواہی کا دستور العمل بہیجے اور وہ اسے لیکر چومے اور آنکھہ پر رکھے اور اسکے الفاظ پر فداء ہو لیکن ان اوامر کو بجالاوے اور نواہی سے باز نہ آئے - تو کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے - کہ ایسا شخص بادشاہ کا متبع ہے - اور کیا بادشاہ اسکے ان افعال ظاہریہ پر خوش ہوگا - اور کیا ایسا شخص بادشاہ کا مقرب ہو سکتا ہے - ہرگز نہین اور یہہ اسکے افعال بجائے مفید ہونیکے مضر ثابت ہونگے - اور جو شخص علم کو اس خاطر سے حاصل کرتا ہے - کہ وہ اسکے معاش کا ذریعہ بنے اور الفاظ دینی حاصل کرکے لوگون کے زکوۃ وصدقات وغیرہ میلون وکدورتون سے پیٹ بھرے وہ شخص دنیا مین بھی ذلیل ہوتا ہے - اور آخرت مین بھی اسکے اعمال باطل ہوتے ہین - اس سے تو یہہ بہتر ہے کہ کسی صنعت وحرفت کو ذریعہ معاش بنائے اور لوگون کے ہاتھون کی طرف نہ دیکھے - علم دین سے - وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے - جو کسی حرفت کو ذریعہ معاش بناکر علم دین کو محض علم وعمل کیواسطے حاصل کرے ورنہ جو شخص اسکے برخلاف چلتا ہے - اور الفاظ کی تحصیل مین عمر ضائع کرتا ہے - اور اسکیواسطے جو مصائب وتکالیف اٹھاتا ہے وہ سب اکارت وبے ثمرہ جاتے ہین - اور اسکے تمام اعمال وافعال واوقات باطل ہو جاتے ہین

اسکی مثال اس شخص کی طرح ہے۔ جو اجڑے ویران شہر مین رہے جہان کوئی فرد بشر نہ ہو اور وہ ہمیشہ اس خیال سے روٹیان پکائے اور اسکے واسطے تکلیف اٹھاوے کہ کوئی اگر اسکی روٹیان خریدیگا اور کئی سال اسی خبط مین گزار دے۔ اگر اسے کوئی نصیحت کرے کہ یہہ تیری محنت ضائع جاتی ہے۔ تو اس کو چھوڑ کر کسی آباد شہر مین جا کر نانوائی کا کام شروع کرے تو وہ اسے کہے کہ دنیا پھر آئیگی۔ اور یہہ جگہ آباد ہوگی اور لوگ مجھہ سے اگر روٹیان و دال وغیرہ خریدین گے۔ تو جس طرح یہہ شخص اپنے بیہودہ کام کا کوئی ثمرہ نہین پاتا اور اسکی محنت اور عمر رائیگان جاتی ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی اپنے کام کے بدلے نہ خدا سے نہ لوگون سے نہ دنیا مین نہ آخرت مین کوئی نفع نہین پائیگا۔ اگر کوئی کہے کہ خداوند تعالے نے ہی اسکو اس جگہ رکھا تھا۔ اسواسطے اس حالت سے نکلنا ممکن نہین۔ تو اسکا جواب یہہ ہے کہ یہہ امر حجت نہین ہے کیونکہ انسان کو عقل و ارادہ دیا گیا ہے۔ وہ دیگر حیوانات کی طرح محض طبیعت کے پھندے مین نہین ہے۔ اگر انسان کے اندر قوت عقل و ارادہ نہ ہوتی تو انبیاء و رسل و کتب الہامیہ و اوامر و نواہی تمام عبث و بیہودہ ٹھہرتے۔ اور انسان و حیوان مین کوئی فرق نہ ہوتا اور تمام ادیان مساوی ہوتے۔ پس یہی مثال مذکور ہے اس شخص کی جو ایسے علوم مین مصروف ہوتا ہے جنکی ضرورت نہین ہوتی۔ اور جنکی دقت کے اعتبار سے حاجت نہین ہوتی۔ اور جن سے اللہ تعالے کا خوف و عظمت و جلالت و حشمت دل مین متمکن و راسخ نہین ہوتی

جاننا چاہیئے کہ اہل اللہ و اہل الحق ہر ایک قسم کے علوم حساب و ہندسہ ریاضی علم منطق علم طبی وغیرہ علوم جسمانیہ دوماغیہ و روحانیہ حاصل کرتے ہین۔ اور ان کے واسطے یہہ تمام علوم معرفت کے ہادی اور خداشناسی کا ذریعہ ہوتے ہین۔ اور وہ ہر ایک علم سے خدا کی عظمت اور اسکی علو شان و رفعت کا سبق حاصل کرتے ہین اور **العلم حجاب اکبر** کا مقولہ ان کے حق مین راست نہین آتا۔ زیادہ علم ان کے لئے حجاب ہوتا ہے جو اسکو اس اعتبار و جہت سے حاصل نہین کرتے کہ جس حیثیت سے کرنا چاہیئے تھا۔ اور چونکہ اہل اللہ ہر زمانہ مین کم ہوتے ہین اور دوسرے طور طے زیادہ اور حکم اکثر کیواسطے ہوا کرتا ہے نہ قلیل کے واسطے اسلیئے العلم حجاب اکبر کا مقولہ اکثرون کے حق مین صادق آتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو علوم اکثرون کے واسطے باعث حجاب ہین وہ اہل اللہ کے واسطے وسیلہ رفع نقاب ہین۔ اہل اللہ کے سوا باقی لوگون کے علم کا تعلق صرف زبان سے ہوتا ہے۔ لہذا اسکے ذوق و معرفت سے انکے دل خالی ہوتے ہین۔ اور ان کے دلون پر ان علوم کا کچھہ اثر نہین ہوتا مسائل کے یاد کر لینے اور عبادات و معاملات کو حفظ کر لینے اور صرف۔ و نحو۔ و اصول کے الفاظ کو ازبر کرنے اور قصر و مد و اظہار و اخفاء و تفخیم و ترقیق کے لحاظ رکھنے سے بغیر عمل کے ہرگز نجات نہین ہو سکتی۔ کیا قبر کے فرشتے یا جہنم کے زبانیہ (قسم ہے فرشتون کی) اس خیال سے کہ وہ صرفی مولوی ہے یا نحوی عالم ہے یا اصولی ماہر ہے یا قرآن کا قاری ہے۔ یا شملہ دار فاضل ہے یا عصادار خطیب ہے بغیر حساب کے چھوڑ دین گے۔ اور صرف الفاظ کی برکت سے ان کی تکریم و تعظیم ہوگی۔ حاشا و کلا ہرگز نہین۔ عزت و توقیر و نجات و تکریم صرف تقوے

پرہیز گاری اور عمل صالح و معرفت پر موقوف ہے۔ اور کسی کو اذیت و تکلیف نہ پہنچانا نجات کا کامل ذریعہ ہے جو شخص اس دنیا میں بباعث تاریکی باطن اس سے انکار کرے وہ آخرت میں ضرور مشاہدہ کریگا۔ کیونکہ مرنے کے بعد ہر ایک کی باطن کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور (اِنَّ بَصَرَکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ) کا مصداق ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور ایسے شخص کے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ ہے۔ جو ہر جمعہ قرآن ختم کرتا ہے۔ مگر اس کے مواعظ و مواعید سے متاثر نہیں ہوتا۔ دنیا کے اسباب کے واسطے لڑتا ہے جھگڑتا ہے۔ اور اسکے واسطے دوسری کی عزت اتارتا ہے اور اپنی بے عزتی کرواتا ہے۔ اور ایک کوڑی کے واسطے جان دیتا ہے۔ اور عبدالدرہم والدینار بنا ہوا ہے۔ حکایت ہے۔ کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خواب مین خداوند تعالے سے دریافت کیا کہ یا الٰہی انسان کس چیز سے تیرا تقرب حاصل کرتا ہے۔ فرمایا کہ میری کلام سے پوچھا کہ فہم سے یا بغیر فہم کے جواب دیا کہ فہم سے بھی اور بغیر فہم کے بھی یعنی جو علماء راسخین ہین وہ تو فہم کامل و فکر تام کے ذریعہ سے تقرب حاصل کرتے ہین۔ اور جو عارف کامل و محقق صادق ہین ان کو اکہ فہم و فکر کی بھی ضرورت نہین ہوتی۔ وہ مشاہدہ و مکاشفہ سے ذات حق کا معاینہ اور تقرب حاصل کرتے ہین۔ اور جو شخص فہم و علم نہین رکھتا ہے۔ اسکا تقرب محال ہے کیونکہ اللہ تعالی کی معرفت اور اسکا تقرب جہالت و عدم فہم سے نہین ہو سکتا اس تقریر سے کوئی یہہ نتیجہ نہ نکالے کہ ہم علوم ظاہریہ و تحصیل الفاظ اصطلاحیہ و تلاوت قرآن وغیرہ علوم متعلقہ الفاظ سے منع کرتے ہین نہین بلکہ ہمارا مطلب یہہ ہے۔ کہ انسان کو ضرورت کے بموجب ایسے علوم حاصل کرنے چاہین جن کا نفع اسکی ذات کو و دیگر عامہ خلائق کو پہنچے۔ اور اسکے ذریعہ سے اس پر دنیا و آخرت مین کوئی وبال و نقصان نہ آوے۔ یاد رہے کہ کسی امام نے یہہ دعوے نہین کیا کہ وہ صرف علم سے ہی پاک ہوگیا اور علم سے ہی مغفرت ہو سکتی ہے۔ وجہ یہہ کہ محض علوم مین نفسانیت شریک ہوتی ہے جب تک عمل نہ کیا جاوے نفس اخلاق رذیلہ و آداب خبیثہ سے پاک نہین ہو سکتا۔

سیدی ابو الحسن شاذلی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جو علم ہوا و ہوس نفسانی و وسوسہ شیطانی و خواہشات طبعی سے پاک نہ ہو وہ پھینکنے کے قابل ہے۔ اور خلفاء راشدین و صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اگر قرآن کی تفسیر مین حتی الوسع عقل و فہم سے کام لین اور شارع کی زبان سے باہر نہ جاوین اور پھر بھی تفسیر و تاویل مین خطا ہو جاوے تو ان کی خطا معاف ہوگی۔ اور اگر علم و فہم کی تمام طاقت خرچ نہ کرین اور پورا زور نہ لگاوین تو ان کی تفسیر علم و فہم سے نہ ہوگی۔ فافہم و تامل۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ مجتہدین کتاب و سنت سے جو کچھ سمجھتے ہین وہ ان کے واسطے ہے۔ دوسرے کے لئے ضرور نہین کہ اسکی تقلید کرے اور تمام جہان پر اسکی تقلید ضروری و واجب نہین ہے۔ اسی واسطے خود ائمہ نے اپنی تقلید سے لوگون کو منع کر دیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ ہر شخص کو مرتبہ نظر و فکر و غور و خوض کا حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ انسان قابل ترقی بنایا گیا ہے۔ اور ترقی کی کوئی حد نہین۔ اور ہر شخص مدارج ترقی کے موافق حسب استعداد

خویش دوسری کی کلام سے نتیجہ نکالتا ہے - ایسی ہی مجتہدین نے بھی اپنی استعداد ولیاقت کے موافق کتاب وسنت کو سمجھا ہے - اور ہر شخص اپنی سمجھ وخیال کے پیچھے چلتا ہے - پس ان کی سمجھ ان کے لئے ہے نہ غیرون کیواسطے سچ ہے - (لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا) فتامل وتفکر -

دیگر اسکی علامت یہہ ہے کہ وہ ایسے حدیثون کی جو ظاہر بین ظاہر بینون کے یہہ متعارض ومتخالف معلوم ہوتی ہین ان مین مختلف اعتبارات ووجوہات وحیثیات سے تطبیق دیسکتا ہے - اور حتی الامکان کسی چیز کو شریعت سے خارج نہین کرتا - امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی طریقہ تھا - اور یہہ نہین کرتا کہ جو بات اسکی سمجھ وفہم مین اجاوے وہ توے لے اور جو اس کی عقل سے برتر ہو پھینک دے بلکہ وہ بالاتر از عقل خویش کو تسلیم کرتا ہے - اور اسکے انکشاف کے لیے کوشش کرتا ہے - اور اپنے غیر امام کے قول سے نفرت نہین کرتا اور ہر ایک امام کو حق پر سمجھتا ہے کیونکہ ہر ایک نے جو کچھ کہا ہے اپنے اجتہاد ولیاقت واستعداد سے کہا ہے - چونکہ حق کا دائرہ وسیع ہے - اور ترقی کا دروازہ بند نہین ہے اسواسطے ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ترقی مین تھے - اور مجتہدین نے بھی اپنی اپنی ترقی کے موجب سمجھا اسیواسطے مذاہب متعددہ ہوگئے - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جانتے تھے کہ مدارج قرب کی ترقی بند نہین ہوتی تو انہون نے مجتہدین ومتفکرین کو استنباط احکام کے میدان مین عقل وفہم کے گھوڑے دوڑانے کی عام اجازت دیدی اور کسی کو استعداد کامل واعلے لیاقت کے اعتبار سے مصیب (رائے صاحب رکھنے والا ومطلب کی تہ تک پہنچنے والا) کا خطاب دیا اور کسی کو ناقص استعداد کی وجہ سے مخطی (خطا کرنیوالا اصل مطلب تک نہ پہنچنے والا) کے نام سے نامزد کیا - اور دونو کو ہر دو حالت مین بلحاظ ان کی کوشش وہمت کے اجر وثواب کا مستحق ٹھرایا کیونکہ جسنے خطا کی ہے - عمداً نہین کی بلکہ ضعف استعداد ولیاقت ناقص کی وجہ سے ہے - مگر اسنے بھی کوشش مین حسب استعداد کوتاہی نہین کی - اسیواسطے وہ بھی اپنی محنت کی اجرت کا مستحق ہوا - اگر اسکی استعداد پوری ہوتی تو خطا وغلطی کیون کرتا - اس سے ظاہر ہوا کہ کتاب وسنت مین اگر کسی کو کوئی مقام متعارض معلوم ہوتا ہو تو ان مین سے ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ نہ ٹھرائے بلکہ دو اعتبارات سے ان مین تطبیق دے - اور ہر دو مضمون کو اپنے اپنے وقت ومحل کے مطابق صحیح سمجھے - ہان اگر کہین صراحۃً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کیطرف سے کوی بات منسوخ معلوم ہوتی ہو تو اسکے منسوخ ماننے مین کوئی ہرج وخلل نہین ہے - احادیث مین جو ظاہر بینون وکم فہمون کو تعارض ومخالف نظر آتا ہے - حقیقت مین ایسا نہین بلکہ سائلین ومخاطبین کی مختلف استعداد کی وجہ سے مختلف ومتعدد جواب مین کیونکہ جو شخص ترقی کے تمام مدارج طے کئے ہوتا ہے وہ ہر شخص کے درجہ کو سمجھکر اسے فائدہ پہنچانیکے لئے اسکی استعداد ودرجہ ترقی کے موافق اسکے ساتھ کلام کرتا ہے - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کلام ابو بکر صدیق رضی اللہ کے ساتھہ کرسکتے تھے وہ ایک گنوار عرب کے ساتھہ نہین کرسکتے تھے - اسیواسطے آپکا مقولہ تھا (اُمِرْتُ اَنْ اُخَاطِبَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ) اسی اعتبار سے آپنے ایک لونڈی سے پوچھا (اَیْنَ اللّٰهُ) اللہ کہان ہے - اسنے کہا آسمان مین آپنے فرمایا کہ بخدا یہہ مومنہ ہے

لہ خدا کسی کو اسکے لیاقت وہمت سے بڑھکر تکلیف نہین دیتا -

اگر یہی سوال کسی اکابر صحابی سے کرتے تو مکانیت کا سوال نہ کرتے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ صحابی سمجھتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا کسی خاص مکان مین ہونا محال ہے۔ اسواسطے اس سے خصوصیت مکان کا سوال کرنا بے محل و بے موقع ہوتا۔

جاننا چاہیئے کہ وہ الفاظ عربیہ جن سے ذات باری تعالی کا مکان مخصوص مین ہونا پایا جاتا ہے۔ وہ ایسے مقام مخاطبین کے اعتبار سے ہین جنکا تصور اس درجہ سے زیادہ پرواز نہین کر سکتا۔ ورنہ عقلی دلیل اسکے منافی ہے اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ایسے الفاظ صادر ہون جن سے مکانیت کا شبہہ پڑتا ہو۔ تو پس جاننا چاہیئے۔ کہ آپکے وہ الفاظ مخاطب کی استعداد کے موافق ہین جب کہ مخاطب ایسا ہو کہ وہ اپنے موجد کو سوائے اپنے تصور ذہنی کے نہین سمجھ سکتا۔ پس اگر ایسے وقت مین اس سے اس درجہ کی کلام کی جاوے جس کو جہ کا وہ ابھی آشنا نہین ہوا۔ تو اُس کو کچھہ فائدہ نہ ہوگا۔ اور حکمت کے شان کے برخلاف ہوگا۔ پس حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے مخاطبون سے اسی درجہ کی کلام کرے جس کو وہ سمجھ سکین اور اس سے کچھہ فائدہ اٹھا سکین۔ اسیواسطے آپنے اس لونڈی سے ایسا ہی سوال کیا اور جب اسنے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو آپنے اسکے حق مین مومنہ کہا یعنی تقلیداً ماننے والی و تصدیق کرنیوالی) اور **عالمہ** نہین کہا۔ فافہم۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے۔ دیکھا کہ پست آواز سے نماز پڑھ رہے ہین آپنے پوچھا کہ اونچے آواز سے کیون نہین پڑھتے کہا کہ مین صرف اپنے رب کو سناتا ہون۔ فرمایا کہ کچھہ اونچے پڑھو۔ پھر عمر رضؓ کے پاس گئے۔ دیکھا کہ بلند آواز سے پڑھ رہے ہین۔ پوچھا کہ پست آواز سے کیون نہین پڑھتے۔ جوابدیا کہ سوتون کو جگاتا ہون اور شیطان کو بھگاتا ہون۔ فرمایا کہ کچھہ آہستہ کرو دیکھو کہ کس حکمت و دانائی سے دونو کو دو مختلف کامون سے ایک ہی نتیجہ پر لائے ہین۔ اور ہر دو کو متضاد امور سے یکسان فائدہ پہنچایا ہے۔ غور کرنیوالے کو اس قسم کی بہت سی باتین احادیث مین مل سکتی ہین۔ حاصل کلام یہہ ہے کہ جسنے اہل اللہ کے مذاق سے کچھہ حصہ نہین لیا وہ شریعت کے اسرار کو نہین سمجھ سکتا۔ اور جس کے اندر ذکر و فکر کا نور نہین ہے۔ وہ قرآن کے نور سے فائدہ نہین اٹھا سکتا۔ یہی ہے۔ وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ۔ یعنی جس کے باطن مین نور نہین ہے۔ وہ اور نور سے فائدہ نہین اٹھا سکتا۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے۔ کہ وہ علوم ضروریہ کو حاصل کرتا ہے جنکی معرفت و تحصیل ضروری ولابد ہے اور جو سوال کیے جانیکے قابل ہین۔ اور جن پر وہ عمل کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہہ چند روزہ عمر غیر ضروری اشغال کے لیے مکتفی نہین میرے شیخ رحمہ اللہ نے کشف سے تبلایا تھا کہ نو سو تیئس ۹۲۳ ہجری کے آغاز سے علوم کا دلون مین قائم ہونا رفع ہوگیا۔ اسکے بعد دل اس کو پھینکتے ہین۔ اور ایسے دل نہین رہے جن مین علوم قائم ہو سکین۔ اور اسوقت سے دل دنیاوی بلاؤن مین مبتلا ہین اور اس کے بعد علم الٓہی کی ترقی کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ اب جو کوئی اس علم مین گفتگو کرتا ہے۔ تو وہ وہی علوم ہوتے ہین۔ جو اس سال سے پہلے حاصل ہو چکے ہین۔ جب یہہ بات

معلوم ہو چکی تو ظاہر ہے۔ کہ اسوقت کسی گوشہ یا مدرسہ مین بیٹھکر خرید و فروخت و رہن و تمسک و دعوے و شہادت و صرف و نحو وغیرہ علوم الفاظیہ مین ساری عمر تلف کرنیسے کیا حاصل اور دل کی صفائی سے غافل ہونا کیسی خجلت و ندامت کا سامنا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالے اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہماری عمل دیکھہ رہے ہین۔ یاد رہے کہ قرأت و نغمہ و حسن صوت سے قرآن پڑھنا کامل اولیا کو جو انبیاء کے حقیقی وارث ہین پھبتا ہے۔ کیونکہ وہ ان امور سے حضوری قلب سے باہر نہین ہو سکتے۔ اور یہہ امور ان کو اللہ کی حضوری اور ملاقات و مناجات سے (جو تلاوت قرآن سے مقصود بالذات ہے) خارج نہیں کر سکتے لیکن دوسرے لوگ جو درجہ ولایت تک نہین پہنچے ہوتے۔ ان کے واسطے نغمہ و حسن صوت سے تلاوت قرآن مجید کرنا ان کو حضوری بارگاہ الٰہی و مناجات قلبی سے مانع ہے۔ کیونکہ ان کے قلوب یکسو نہ ہونیکی وجہہ سے ضعیف ہوتے ہین پس ایسی صورت مین تلاوت قرآن مجید سے جو مقصود بالذات ہے وہ فوت ہو جاتا ہے خصوصاً مساجد کے امام اس مرض مین بہت مبتلا ہین اور نغمہ و مدوشد سے قرآن مجید پڑھتے ہوئے انہین غلطی و اعراب مین خطا ہو جانے و بے موقع وقف ہو جانے وغیرہ خیالات کا خوف لگا رہتا ہے۔ اسواسطے وہ خداوند کریم کی درگاہ مین حاضر نہین ہو سکتے اور حضور قلب جو نماز کی روح ہے۔ ان مین پایا نہین جاتا۔ حالانکہ نماز مناجات کا محل ہے جس مین غیر حق کی طرف متوجہ ہونیکی گنجایش نہین۔ اور نماز کی علت غائی یہہ ہے کہ اپنے حقوق آداب و روح سے ادا کئے جاوین۔ نہ کہ محض ارکان مخصوصہ کی صورت و ہیئت سے۔ اصلی غرض تو یہہ تھی کہ ہم ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ رہین جیسا کہ (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ) سے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اللہ نے تخفیف کر دی اور صرف نماز مین ہی توجہ کو فرض رکھا پس اگر اب بھی ہم نماز مین اس سے غافل رہین اور غیر حق سے روگردانی کرکے توجہ تام سے اسکی درگاہ مین حاضر نہ ہون تو پھر ہم صرف برائے نام نمازی ہون گے نہ اصلی۔ دل جب کہ ہمیشہ شہرت و اعلے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو خدا سے بڑھکر کیا چیز ہے کہ جسکی طرف دل کو متوجہ کیا جاوے۔ اس لئے اہل اللہ کا قول ہے۔ کہ عارف کے نزدیک ہر ایک بلا بہ نسبت دو رکعت نماز کے اسکی حقیقت پر ادا کرنیسے زیادہ آسان ہے۔ جب مین نے اس حالت کا مزہ چکھا تو میری یہ حالت تھی کہ مین قرآن نہین پڑھ سکتا تھا نہ نماز مین نہ کسی اور مقام مین اور جب میری زبان سے نماز کے بغیر کوئی کلام بغیر ارادہ بھی نکل جاتی تھی تو مین استغفار پڑھتا تھا۔ اور ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ جس کو صاحب ذوق ہی سمجھہ سکتا ہے۔ جو الفاظ و عبارت سے ادا نہین ہو سکتی۔ پھر اللہ تعالے نے اپنی رحمت سے یہہ حجاب دور کر دیا والحمد للہ علی ذلک امام غزالی کا قول ہے۔ کہ نماز مین غفلت کرنیوالا اسکا تارک ہے۔ پس جس طرح افعال ظاہرہ و ارکان مخصوصہ ظاہرہ کا ترک کرنیوالا شریعت کی تلوار سے قتل کیا جاتا ہے۔ اسیطرح جو شخص افعال باطنہ و حضور قلب کو چھوڑ دیتا ہے۔ اسکو خدا تعالے قیامت کے دن قتل کریگا کیونکہ عبادت بغیر صریح مشاہدہ و واضح معاینہ کے درست نہین ہو سکتی یہی اہل اللہ و اہل حق کا مذہب ہے۔ فافہم اور اللہ تجھے ہدایت کر دیگا۔

لہ جن و انسان کی پیدایش سے مقصود بالذات عبادت و توجہ الی اللہ ہی ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ جس قدر علم حاصل کرتا ہے۔ اس مین خدا کے ساتھہ یہ معاہدہ نہین کرتا کہ اس پر ضرور عمل کریگا۔ کیونکہ وہ اس وعدہ کو پورا کرنیسے عاجز ہے۔ کیونکہ انسان کا ارادہ اللہ کے ارادہ کے تابع ہے تو جس چیز کو خدا نہ کرنا چاہیگا اسکو بندہ کیونکر کر سکیگا۔ اس واسطے اسے لائق نہین ہوتا کہ خدا تعالےٰ کے ساتھہ ایسا معاہدہ کرے جو اسکی قدرت وطاقت سے باہر ہو۔ بلکہ وہ علم کو امتثال امر (حکم بجالانا) کے واسطے سیکھتا ہے اور جس قدر عمل اسکی قسمت مین ہے وہ ضرور ہو ہی جائیگا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ بہ نسبت بندہ اسکی بہتری کو خوب جانتا ہے۔ پس جو شخص یہہ نکتہ سمجھہ لیتا ہے۔ وہ اپنے ارادہ کو اللہ تعالےٰ کے ارادے مین فنا کر دیتا ہے۔ کیونکہ خلقت کی سعادت کی مدار اللہ تعالےٰ کے عفو پر ہے نہ علم وعمل پر۔ پس جس شخص سے اللہ تعالےٰ مسامحت کی اور اور معافی دی وہ ناجی ہے۔ اور جس سے مناقشہ ہوا اور حساب طلب ہوا۔ وہ ہلاک ہوگیا اگرچہ اسکے پاس پاس ہر دو ثقلین (جن وانس) کے اعمال بھی ہون جو شخص آیت (وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ) مین غور کرتا ہے وہ سمجھہ سکتا ہے۔ کہ کثرت عبادت پر نجات کا مدار نہین ہے۔ اور اہل اللہ اس کو خوب سمجھتے ہین ہان یہہ بات ضرور ہے کہ انسان کو عدم امتثال (حکم نہ ماننا) وعدم اجتناب نواہی (منع کئے ہوئے کامون سے پرہیز نہ کرنا) سے عذاب دیا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ صاحب ارادہ ہے با اختیار و تدبیر اسکے ہاتھہ مین ہے۔ اور مخالفت احکام الٰہی کی صورت مین اسکا تحکم (حکم چلانا) خدا پر لازم آتا ہے جو اسکی شان کے لائق نہین ہے۔ یا اتباع شریعت اس وجہ سے واجب ہے کہ انسان امور آیندہ کے اندازہ سے جاہل ہے۔ اسیواسطے اس کو بے وجہ اپنے سے اعلےٰ کا حکم ماننا ضروری ہے۔ کیونکہ اسکی بہتری اسی مین ہے۔ یا منہیات سے باز رہنا اسکے واسطے قرب الٰہی کا باعث ہے۔ اور عمل پر نجات کی مدار نہ ہونیکی وجہ یہہ ہے۔ کہ اکثر لوگون کے حق مین ان کے اعمال عجب وتکبر کا باعث ہوجاتے ہین۔ اور وہ ان لوگون پر جوان جیسا کام نہین کرتے تکبر وغرور کرتے ہین اور ان کو نظر حقارت سے دیکھتے ہین بلکہ اپنے جیسے کام کرنے والے پر بھی تکبر وعجب کرتے ہین اس ظن وخیال سے کہ ہمارا عمل اخلاص سے ہے اور دوسرون کا ریا ونفاق سے جیساکہ اکثر مشاہدہ ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ عبادت سے مراد یہہ ہے کہ لوگون کا اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع ہو۔ خواہ طاعت سے یا معصیت سے کیونکہ کبھی طاعت باعث لعنت وعذاب ہوجاتی ہے۔ اور معصیت موجب فروتنی وانکسار ہوجاتی ہے مثلاً اگر کوئی طاعت وعبادت کرنیوالا اپنے عبادت سے اترائے اور غرور وتکبر کرے تو وہ مطرود (راندہ) وملعون ہوجاتا ہے۔ اور اگر گنہگار اپنے گناہ پر نادم ہو اور ڈرے اور روے اور خداوند کریم کے سامنے عاجزی اور فروتنی کرے تو وہ مقرب اور اللہ تعالےٰ کا برگزیدہ ہوجاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عبادت جب خالص نہ ہو تو وہ اپنے صاحب کے لیے باعث عذاب ہوتی ہے۔ اور قساوت قلب (دل کی تاریکی وبدبختی) کا ذریعہ ہوتی ہے۔ میرے سردار شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ فرمایا کرتے کہ جس گناہ سے انکسار وفروتنی پیدا ہو وہ اس عبادت سے اچھا ہے جس سے تکبر وغرور پیدا ہو۔ جب یہہ

معلوم ہو چکا تو ادب یہی ہے کہ اوامر کے بجالانے اور نواہی کے چھوڑ دینے مین خدا تعالے کے ساتھہ معاہدہ و مواعدہ نہ کرے اور ہر ایک امر اسکے حوالہ کردے ہان اتنی بات ضرور ہے کہ جو امر کے مخالف نظر آوے اس سے توبہ کرے اور جو اسکے موافق ہو شکریہ بجالاوے۔ اور اگر ضرور ہی معاہدہ کرنا چاہے تو اللہ تعالے کی مشیئت و ارادہ سے مقید کردے اور کہے اگر خداوند کریم نے چاہا تو مین ضرور ایسا کرونگا۔ جیسا کہ مومن کہتا ہے (انا مومن ان شاء اللہ تعالے) مین مومن ہون اگر خدا چاہے۔ اور اسکا مطلب یہہ نہین ہوتا کہ اسکو اپنے ایمان مین شک ہوتا ہے بلکہ یہہ تبرکاً و تحویل و تبدیل کے خوف سے ہوتا ہے۔ کیونکہ (ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ) بھی وارد ہے۔ فافہم یہہ بھی یاد رہے کہ اوامر کے جاننے سے یہہ لازم نہین کہ تعمیل بھی کی جاوے اور نواہی کے علم سے یہہ ضرور نہین کہ ان سے اجتناب و پرہیز بھی کیا جاوے کیونکہ اللہ تعالی جو کچھہ انسان سے کرانا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اسکی مخالفت نہین ہو سکتی اور اسکا ارادہ ہی غالب رہتا ہے۔ پس ہر حال مین بندہ کے واسطے بہ نسبت معاہدہ کے ادب و تسلیم ہی بہتر ہے۔ پس اس نکتہ کو سمجھنا چاہیے اور اس مین مجادلہ نہین کرنا چاہیے کیونکہ ایسے دعوے کرنیوالی کی حالت خود ہی اس کو جھٹلاتی ہے۔ کیونکہ وہ بہت سے امور کی فضیلت کا قائل ہوتا ہے۔ اور کرتا کچھہ نہین مثلاً صلوٰۃ کسوف اور صدقات کی فضیلت مین بحث کرتا ہے۔ اور کچھہ نہین کرتا اور خرید و فروخت بیع سلم و رہن وغیرہ معاملات مین حرام و حلال کی تقریرین کرتا ہے۔ اور ان کے موافق عمل نہین کرتا پس اس تقریر سے یہہ نکتہ بھی حاصل ہوا کہ اللہ تعالے کی عبادت و تقرب کے وسائل و ذرائع اختیار کرنے مین کسی کو کسی پر اعتراض کرنیکا حق نہین ہے جس طریق سے کوئی تقرب چاہتا ہے۔ اور اسکو تقرب کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اسکے لئے وہی کافی ہے۔ مثلاً ذکر کرنے والے کو قرآن کی تلاوت کرنے والے پر اعتراض کا حق نہین ہے ایسا ہی تلاوت کرنے والا کا حق نہین ہے۔ کہ وہ ذکر کرنیوالے یا تسبیح پڑھنے والے یا کسی اور طریق سے عبادت کرنے والے پر جرح کرے۔ کیونکہ خدا تعالے کی تقرب و توصل کے راستے بموجب (الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق)[۱] کے بے شمار و لا انتہا ہین اور معترض جس راستہ کو اسکے تقرب کا طریق نہین سمجھتا وہ اسکے لئے ہے نہ غیر کے لیے سم ہے۔ (لکل جعلنا شرعۃ ومنہاجا)[۲] وکل میسر لما خلق لہ[۳] یہہ بات مین نے اسواسطے ذکر کی ہے تاکہ طالب العلم جو کہ علم کا دعوے کرتے ہین وہ ذاکرین و فقرا پر اعتراض نہ کرین کیونکہ اس قسم کے عالم کہا کرتے ہین کہ علم مین مشغول ہونا افضل ہے۔ حالانکہ نہین جانتے کہ علم سے کیا مراد ہے۔ اور ان کے عمل کی یہہ حالت ہوتی ہے۔ کہ لیلۃ القدر کو بھی صبح تک سوئے رہتے ہین اور اور زبان سے لا الہ الا اللہ و اللہم اغفرلی بھی نہین نکالتے۔ اور اس سے زیادہ کیا غرور ہو سکتا ہے۔ اور نہین جانتے کہ اللہ تعالے کا تقرب عمل خالص سے ہی ہوتا ہے۔ اور ان کو کیا معلوم ہے کہ فقرا معرفت کے دریا مین تیرتے ہین اور شب و روز اس سے پانی پیتے ہین اور لوگون کو پلاتے ہین۔ مین نے ایک

۱ اسکے تقرب کے راستے مخلوقات کے سانسون کے شمار کے برابر ہین یعنی بے شمار ہین۔۔

۲ یعنی ہر ایک کے لیے ایک راستہ و طریقہ بنایا ہے۔ ۳ ہر ایک کیلیے وہی آسان ہے جس کے واسطے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

دفعہ اس قسم کے عالمون سے ایک کو لیلۃ القدر کی رات ذکر کے واسطے بیدار کیا اور وہ جمعہ کی رات تھی۔ اُسنے سر اٹھایا اور پھر سو گیا اور کہا کہ عالم کی نیند جاہل کی عبادت سے اچھی ہے۔ کاش کہ وہ خاموش رہتا اور اپنی لیاقت و فہم کو ظاہر نہ کرتا۔ اور جانتا کہ جس علم سے ہدایت کا راستہ نہ کھلے وہ جہالت و ضلالت ہے۔ اور جس علم سے ترک دنیا و اخلاق ذمیمہ و رغبت آخرت و عادات حمیدہ حاصل نہ ہو وہ باعث حسد و تکبر و موجب ریا و شہرت ہے اور ایسے شخص کی یہہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنے سوا سب کو برا خیال کرتا ہے۔ اور ساری خلقت کو گمراہ و ہالک اور خود کو ہی ناجی (نجات پانیوالا) خیال کرتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اسی قسم کے عالم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ آیا ایک گروہ کا قرآن کو صبح تک جہر سے پڑہنا حلال ہے یا حرام۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہہ تو نص قرآن سے حرام ہے کیونکہ اللہ تعالے نے رات کو سکنا (باعث راحت و آرام ہی) بنایا ہے۔ اور وہ اسکی مخالفت کرتا ہے۔ ایک اور شخص نے فتوے پوچھا کہ کیا جمعہ کی رات اللہ کا ذکر کرنا اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام پڑہنا ایک حلقہ بندی و جماعت بندی کی شکل مین جائز ہے یا نہین مولوی صاحب نے ارشاد کیا کہ یہہ بطالون (جہوٹون) بے مروتون کا کام ہے۔ اور یہہ بدعت ہے۔ اور اللہ تعالے اور رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر انسان کے لیے ساری عمر مین ایک دفعہ کافی ہے۔ اہل دل خیال کر سکتا ہے کہ اس جواب مین اللہ تعالی اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیسی بے ادبی ہے۔ اور اللہ کے ذکر کو بدعت ٹھہرانا کیسا ظلم و جفا ہے۔ مگر بات یہہ ہے کہ مولانا مقدس کو معلوم نہین تھا کہ بدعت کیا چیز ہے اور اسکی کیا علامتین ہین وہ نہین جانتے تھے کہ ہر ایک نیا طریقہ و جدید قاعدہ جو اللہ تعالے کے تقرب و توصل کا موجب ہو وہ شریعت حقہ و سنت صحیحہ ہی ہے۔ حدیث سے اس قسم کے اختراع و ابتداع کی صاف اجازت معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ (مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ) جو شخص کوئی نیک طریقہ نکالے وہ نکال سکتا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ امت کو نیک طریقہ و مفید قاعدے کی ابتداع و جاری کرنے کی اجازت ہے۔ اور اس مین ابتداع کرنے والے اور عمل کرنے والے کے لیئے اجر و ثواب ہے اور اس سے یہہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ جو عابد اپنی ہمت کے موافق کوئی ایسا طریقہ نکالتا ہے۔ جو جزئی و فرعی طور پر مقررہ شریعت کے جزئیات کے موافق نہین ہوتا تو وہ شخص ایسی صورت مین کھڑا کیا جائیگا۔ کہ اسکا کوئی امام نہین ہوگا۔ بلکہ وہ خود ہی امت واحدہ (مستقل امام) ہو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام زمانہ وحی سے پہلے اُمَّۃً وَّاحِدَۃً تھے یعنی اس وقت مین خود ہی امام تھے کسی کے معتقد نہ تھے۔ اور پھر جب وحی کے نزول کا زمانہ آیا تو پھر رسول صاحب شریعت ہو گئے۔ وجہ اس ابتداع کی اجازت و خیریت کی یہہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعثت سے مقصود بالذات مکارم اخلاق کا درجہ اتمام پہنچانا ہے جیسا کہ (بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ)[1] سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور مقصود بالذات کے حصول کے ذرائع بیشمار ہوا کرتے ہین۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مکارم اخلاق کی تکمیل و اتمام کے واسطے کسی زمانہ مین ضرورت کے موافق کوئی نیا طریقہ ایجاد کرتا ہے وہ خدا کی طرف سے ایک شریعت پر ہوتا ہے۔ اگرچہ اسکو یہہ بات معلوم نہ ہو۔

[1] مین مکارم اخلاق کی تکمیل کے واسطے مبعوث ہوا ہون۔

حکیم بن حزام کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نیک کام ہرحالت وہر صورت مین نیک ہی ہے اگرچہ وہ کسی خاص جزئی کے مطابق نہ بھی ہو۔ حدیث کا مضمون یہہ ہے کہ حکیم بن حزام جو جاہلیت مین صدقہ وخیرات وجود وسخاوت وصلہ رحم وبخشش وغیرہ نیک کام بہت کیا کرتا تھا جب وہ اسلام مین داخل ہوا تو اسنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان اعمال کی نسبت سوال کیا۔ اپنے فرمایا کہ تو نیکیون کے ساتھہ ہی اسلام لایا ہے۔ اور اسکا تجھے اجر ملیگا۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جو شخص شریعت کے مطالب ومقاصد اور اسکے دقائق ومعارف واسرار ومواضع کو نہین سمجھتا ہے اُسکو شریعت سے کچھہ بھی مَس نہین۔ اس سے یہہ بھی ثابت ہوا کہ جو مفتی بغیر اصول شرعی جاننے کے اس امر کا فتوے دیتا ہے کہ خاص شکل وہیئت سے حلقہ بند ہوکر کے اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنا بدعت ہے۔ وہ جاہل غبی مطرود وملعون ہے۔ اور اسکے حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہین صفات کے لائق ہے۔ کیونکہ اگر وہ اہل تقرب سے ہوتا تو ہرگز۔۔۔ ایسی کلام اسکے مُنہ سے نہ نکلتی بھلا بندہ اللہ تعالےٰ کے ذکر کے بغیر کیونکر صبر کرسکتا ہے۔ حالانکہ وہ روح ودل کی زندگی ہے۔ جیسے پانی مچھلی کے لیئے۔ بخاری وغیرہ احادیث مین ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ و مردہ کی ہے۔ حدیث قدسی مین ہے کہ مین ذکر کرنے والے کا جلیس (ہم صحبت وہم جلسہ) ہون اور جب تک میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے مین اسکے ساتھہ ہون پس غور کرنا چاہیئے کہ بے مروت وبے ہمت کیونکر خدا تعالیٰ کا جلیس ہوسکتا ہے۔ بلکہ اہل اللہ تو نہایت عالی ہمت ہوتے ہین اور ان کی اعلےٰ ہمت یہہ ہے۔ کہ ہمیشہ اللہ تعالےٰ کے حضور مین اور اسکے مراقبہ ومشاہدہ مین مسرور رہین اور اللہ تعالیٰ کی موانست وموافقت سے معمور رہین۔ کسی کو کیا معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے جلیسون کو کیا علوم حقہ ومعارف دقیقہ وآداب پسندیدہ واخلاق نفیسہ عطا کرتا ہے۔ پس انسان کو فقرا ذاکرین کا ادب کرنا چاہیئے اور وہ حقیقت مین اللہ تعالیٰ کا ادب کرنا ہے۔ یہہ بات یاد رکھہ اور غافل نہ ہو کہ اسکا وبال دنیا وآخرت مین تجھی پر عائد ہوگا۔ اور یہہ حال اولیاء اللہ کے منکرین کے حالت سے مشاہدہ ہوسکتا ہے شیخ تاج الدین سبکی رح کا قول ہے۔ کہ منکرین ولایت کا خاتمہ برا ہوتا ہے۔ حالانکہ اہل اللہ مجتہدین کی طرح صاحب شریعت نہین ہوتا۔ تاہم ان کے انکار مین منکرون کے لیئے اس درجہ کی ذلت ورسوائی ہے۔ اولیاء کا کام صرف اسرار شریعت ومعارف حقیقت وحقائق معرفت بیان کرنا ہوتا ہے۔ ان نکات کو وہی سمجھتا ہے جو ان کی صحبت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور فہم کا مادہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کے معتقدین سے راضی ہو۔

دیگر اسکی علامت یہہ ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ اسکے دل کی آنکھین کھولدیتا ہے۔ اور اسرار شریعت سمجھنے لگتا ہے تو وہ کسی امام مذہب کے احکام کو بے دلیل نہین مانتا اور اسکے فتوے کو تمام مخلوق کے لیئے یکسان نہین سمجھتا بلکہ ہر ایک سائل کو اسکے حال کے موافق جواب دیتا ہے۔ اور کسی منقول مسئلہ کو مقصود بالذات نہین سمجھتا بلکہ اسکو اصول کی ایک مثال ونظیر خیال کرتا ہے۔ اگر کوئی سائل خاص منقول سے ہی جواب لینا چاہے۔ تو

اسکو ایسا ہی منقول سے فتوے دیتا ہے۔ کیونکہ اس صورت مین سائل کے حق مین یہی امر مفید ہے اور اثبات حق اسیطرح مطلوب ہے۔ مین نے امام شافعیؒ کے اصحاب (یعنی شاگرد) کی اکثر کلامون و منقولون کے قواعد و اصول کو جامع و مانع نہین پایا۔ ہان خود امام مذکور کی کلام جامع و مانع ہے۔ اور ان کی کلام کا کوئی قاعدہ و اصل جامعیت و مانعیت سے خارج نہین مثلاً ان کے اصحاب کے مسائل مین سے ایک یہہ مسئلہ ہے۔ کہ اگر روزہ دار کے سر مین کوئی جراحت یا شکم مین کوئی ضرب پہنچے تو افطار کر ڈالے اگرچہ اس مین روزہ کا دروازہ بند کرنا ہے۔ تاہم روزے کی بے حرمتی نہین ہے۔ کیونکہ یہہ کہانا عرف و شرع مین اکل (کہانا) نہین کہلاتا اسیواسطے ہمنے کہا ہے کہ عبد کی علامت یہہ ہے کہ وہ بیدار ہوشیار ذہین ذکی ہو اور جو مسئلہ شرعی اس سے دریافت کیا جاوے اسکی علت غائی و منشا کلام و موقع و محل و ضرورت و وقت کا لحاظ رکہے اور شریعت کے اسرار اور اسکے مقصود بالذات مین غور کرے۔ مثلاً اگر کوئی صاحب نصاب زکوۃ جس پر سال گزرنے والا ہو اور وہ حیلہ کی نیت سے مسئلہ منقولی کا سائل ہو جس سے وہ اسے دوسرے کی ملک کرکے اس کے وجوب سے نکلنا چاہے۔ اور زکوۃ نہ دینا چاہے تو اس وقت چاہیے کہ منقول سے فتوے نہ دے بلکہ چپ رہے اور اگر ہوسکے تو اسکے اثبات مین کوشش کرے نہ اسکے ٹالنے مین کیونکہ اگر وہ منقول سے فتوے دیگا اور حیلہ کو جائز رکہیگا۔ تو زکوۃ کا دروازہ بند ہو جائیگا اور غریب مستحقون کا حق مارا جائیگا اور یہہ سمجہے کہ اللہ تعالے کے ساتہہ فریب کرنا مناسب نہین اور اس سے اللہ تعالے کا غضب و قہر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالے کی پہٹکار ہوتی ہے۔ اگر حیلہ و فریب جائز ہوتا تو ان آیات و احادیث کی کیا ضرورت تہی جن مین زکوۃ کے دینے کا حکم ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول (صَدَقَۃٌ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِہِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِہِمْ) کی کیا ضرورت تہی۔ ایسے ہی اسے لائق ہے کہ مہر ان وغیرہ کی بریئت کے حیلون مین منقول سے فتوے نہ دے۔ کیونکہ اس سے مرد عورت کو دکہہ دیگا اور اسپر دوسری شادی کرلیگا اور تمام کام عورت کے مطلب کے مخالف کریگا اور کوئی انسان بالطبع خصوصاً عورتین ہمیشہ ایسی تکالیف کی متحمل نہین ہوسکتین اور اس حالت مین وہ اپنے آپ کو اسیر (قیدی) خیال کریگی اور مہر چہوڑ کر بہی بلکہ کچہہ زیادہ دیکر بہی اپنا پیچہا چہوڑانا چاہیگی او دمرد کے واسطے وہ حلال نہین ہوگا۔ کیونکہ وہ عورت کی نارضامندی سے لیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْہُ نَفْسًا فَکُلُوْہُ ہَنِیْئًا مَّرِیْئًا یعنی اگر عورتین اپنی طیب خاطر و رضامندی سے مہر مین سے کچہہ تمکو چہوڑ دین تو تمہین اسکا کہانا درست و بجا ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ جو امور ثواب و عذاب سے تعلق رکہتے ہین اور جنکا پورا حال بکاشفہ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے ان مین حکماً حکم نہین لگاتا ہان کامل عارف حکم لگا سکتا ہے۔ کیونکہ ان کی قوت علمیہ و عملیہ بڑہی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالے بہی ان کو ان کے وعدے مین ذلیل و رسوا نہین کرتا جیسا کہ حکایت ہے۔ کہ کسی بزرگ نے کسی سے کہا کہ اگر تو راستہ بنا دیوے تو تیرے لئے محل کا ضامن مین ہون۔ پس خدا کی طرف سے اس بزرگ کی طرف ایک کاغذ آیا جس مین لکہا تہا کہ ہمنے تیری ضمانت کو پورا کردیا ہے۔ جب یہہ معلوم ہوچکا تو اب یہی ہے کہ ثواب

وعذاب کے کامون مین کچھ جواب نہ دے کیونکہ یہہ جہالت ہے اور خدا تعالٰے کو اسکے ارادہ سے روکنا ہے۔ کیونکہ کبھی اس طاعت پر جس مین حصول ثواب کا فتوے دیا گیا تھا۔ ثواب حاصل نہین ہوتا اور گاہے اس معصیت پر جس مین وقوع عذاب کا فتوے دیا گیا تھا۔ عذاب نہین ہوتا۔ بلکہ علماء کا کام صرف اوامر ونواہی کا بیان کرنا ہے۔ اور ثواب وعذاب کا اختیار خدا تعالٰے کے حوالہ چھوڑنا چاہیے ہان اگر کسی خاص فعل سے حصول ثواب ووقوع عذاب کا ذکر کسی صحیح حدیث مین آچکا ہو تو طالب ثواب کے واسطے اسکا ذکر کرنا کچھ برا نہین۔ کیونکہ اس مین تابعداری ہے۔ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ پر کوئی حکم نہین ہے۔ بلکہ اسکے حکم کا سنانا ہے یاد رہے کہ جو شخص امور دینیہ مین ذکی ہوتا ہے۔ اس پر اس قسم کے امور پوشیدہ نہین ہوتے اور مین نے بھی زیادہ واقفیت کے واسطے ذکر کر دیے مین۔ اللہ تعالٰے ہدایت کا والی ہے۔ اور نیکوکارون کو ہدایت عطا کرتا ہے۔

تیسرا باب سلف کے فقراء و مشائخ صلحاء کے حالات مین

مین اس باب مین ذرا تشریح وتفصیل سے کام لینا چاہتا ہون کیونکہ اس زمانہ مین ایسے مدعیون کی کثرت ہے۔ جو ہر ایک شر کے موجد اور ہر خیر کے خاتم (ختم کرنے والے) مین۔ ان کا یہہ حال ہے۔ کہ اگر کسی کو اسکے شیخ نے ذکر کے تلقین کی اجازت دیدی ہے۔ یا اجازت سے پہلے ہی اسکا شیخ فوت ہو گیا اور اسنے خلوت مین ہاتف (فرشتہ یا جن) کو اذن دیتے سن لیا۔ تو وہ اپنے آپ کو ولی خیال کرتا ہے۔ اور عوام کے ہجوم سے یہہ خیال ان کے دل مین راسخ ہو جاتا ہے۔ پس خود گمراہ ہوتے مین اور اورون کو گمراہ کرتے مین۔ کیونکہ ولایت کا درجہ ایک بڑا مرتبہ ہے۔ یہان تک کہ جو اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالٰے کا دوست ہو جاتا ہے۔ تو تمام آسمان وزمین کے رہنے والے وتمام حیوانات ونباتات اسکی ولایت کو پہچانتے مین اور تمام خلقت اس سے محبت کرتی ہے۔ ایک عارف کی حکایت ہے۔ وہ ذکر کرتے مین کہ مین اپنے ایک دوست کے ساتھہ کوہ قاف پر گیا۔ ہم ایک اژدہا کے پاس سے گزرے جو دریا کو احاطہ کئے ہوئے تھا۔ ہمنے اسے سلام دیا اسنے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ ابو مدین شعیب اور اسکے عیال واطفال کا کیا حال ہے۔ اور وہ اسوقت مغرب کی زمین مین رہتے تھے۔ ہمنے کہا کہ ہم اس کو خیر وعافیت سے چھوڑ آئے مین۔ لیکن یہہ بتاؤ کہ تمہین ان کا نام کیونکر معلوم ہوا۔ وہ متعجب ہوا اور کہا کہ کوئی روئے زمین پر ایسا ہے جو انہین نہ جانتا ہو وہ تو اللہ تعالٰے کا ولی ہے اور اللہ تعالٰے نے اسکی محبت کو تمام مخلوقات کے دل مین ڈالا ہوا ہے۔ یہہ ہے مرتبہ ولایت کا۔ بھلا جس شخص کی ولایت کو اسکی سواری کا گدھا بھی نہ جانتا ہو وہ ولی کیونکر ہو سکتا ہے۔ مین نے ایک کتاب تصنیف کی تھی اس مین اولیاء کے منازل ومدارج اور ان کے علوم کا ذکر ہے۔ وہ شمار مین دو لاکھہ اٹھالیس ہزار مین پھر ہر ایک منزل کے قرآن

کی سورتون کے موافق ایک سو چودہ مراتب ہین۔ ہر منزل مین چند علوم ذکر گئے ہین اس خوف سے کہ اس زمانہ کے فقرا اپنی بے علمی سے وجود منازل اور ان کے علوم سے انکار کرین گے کیونکہ انسان کا قاعدہ ہے کہ جو بات اسکی فہم وعلم سے باہر ہوتی ہے۔ اسکی تکذیب کرتا ہے جیسا ہو ا بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهٗ۔ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهٖ فَسَيَقُولُونَ هٰذَا اِفْكٌ قَدِيمٌ) مین امید کرتا ہون کہ جو فقیر اس کتاب کا مطالعہ کریگا وہ یقیناً سمجھ لیگا کہ ابھی اُسنے ولایت کے راستے کی بو بھی نہین سونگھی چہ جائیکہ حاصل کیا ہو۔ کیونکہ وہ تو علوم کے ہمارے سے بھی عاری وناواقف ہوگا چہ جائیکہ علوم کی حقیقت سے واقف ہو۔ کیونکہ علوم کا تعلق دل سے ہے نہ زبان سے۔ علوم زبان سے ادا نہین ہو سکتے۔ اسیواسطے اس گروہ کے سردار حضرت ابو القاسم جنید رضہ کا قول ہے۔ کہ اُسوقت تک مرد کامل نہین ہوتا جب تک کہ ہزار رسمی عالم اس پر ملحد وزندیق ہونیکا فتوے نہ لگالین۔ کیونکہ کاملون کا درجہ نقل وعقل کی حد سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اور ان کی کشف وکرامت کی راہ کھلی ہوتی ہے۔ اور رسمی عالم اس کو نقل وعقل سے ثابت کرنا چاہتے ہین حالانکہ اس آلہ کا گھوڑا اس میدان مین لنگڑا ہوتا ہے اور رسمی علما فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ کو فراموش کئے ہوتے ہین جو ناقص فقیران علوم کی معرفت کا دم مارے وہ عارفون کے نزدیک کاذب ہے۔ اور امتحان کے وقت ذلیل وشرمندہ ہوتا ہے اور قیامت کے روز ایسے مدعیون کا مُنہ سیاہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے اس پر جو اپنا رتبہ پہچانتا ہے۔ اور جھوٹے دعاوی نہین کرتا اپنی شیخی نہین بگھارتا۔ اور اپنے مرنے کے بعد اپنے شاگردون کو تابوت دستر وروضہ وغیرہ علامات مشیخت کے بنانیکی تکلیف مین نہین ڈالتا۔ جب یہہ معلوم ہوچکا تو اب جاننا چاہیئے کہ فقیر کی علامت یہہ بھی ہے کہ وہ قرآن واحادیث وغیرہ علوم ظاہریہ شریعت سے پورا واقف ہوکر اس قوم کے راستے مین قدم رکھتا ہے۔ ورنہ اس پر زندیق ومبتدع ہونیکا خوف ہوتا ہے۔ کیونکہ سالک پر اس رستہ مین ایسے امور منکشف ہوتے ہین جو شریعت کے ضابطہ کے موافق نہین ہوتے۔ مثلاً لَا فَاعِلَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا مَالِكَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا مَوْجُودَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (کہ اللہ ہی ہر ایک چیز کا فاعل ہے اور اللہ ہی مالک ہے اور موجود اللہ ہی ہے) کی حقیقت کھلتی ہے۔ اگرچہ یہ امور حق ہین لیکن ان سے یہہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت مین انسان مجبور ہے۔ اور وہ خود ہی آمر (امر کرنے والا) ہے اور خود ہی مامور (حکم کیا ہوا محکوم) ہے جس سے تکالیف شرعی اٹھتی معلوم ہوتی ہے لیکن جب اسکے پاس میزان شرعی ہوگی تو وہ ان امور کو تولیگا۔ اور ان کے مواضع ومواقع کو سمجھیگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقر کا رستہ بڑا کٹھن ہے۔ اور اسکے رستہ مین بہت گڑہے اور ٹیلے وسانپ وغیرہ مصائب ہین اور سالک نہین جانتا کہ اس مین کیا کیا دشواریان پیش آتی ہین اور کہان ختم ہوتا ہے۔ اسیواسطے اس مین چلنے کے لئے رہبر کی ضرورت ہے اور وہ شریعت کا نور ہے۔ مگر اس نور سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جو نور بصیرت رکھتا ہو کور باطن نہ ہو۔ محض نور شریعت سے کچھ نہین ہو سکتا اسیواسطے خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے (نُورٌ عَلٰى نُورٍ) یعنی نور والا ہی

۱ جب اسکی اصل حقیقت نہین سمجھتے اور اسکی ماہیت پر احاطہ نہین کرتے تو جھٹلا دیتے ہین۔
۲ جب اسکو نہین سمجھے تو جلدی کہدین گے کہ یہہ تو قدیمی جھوٹ وافترا ہے۔

نور سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ طریق فقر مین داخل ہونیسے پہلے عقائد اہل سنت سے واقف ہو اور خداوند تعالےٰ کو صفات جسمیت و فوق العرش وغیرہ لوازم مادیت سے مبرا جانتا ہو کیونکہ جو شخص خدا تعالےٰ کو مادی عرش پر مادی طور سے بیٹھا ہوا سمجھتا ہے۔ وہ بتون کا پوجاری ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قدیم ہے اور عرش مخلوق ہے۔ اور خدا کی کلام بھی قدیم ہے۔ الرحمٰن علی العرش استوےٰ اسوقت کی کلام ہے جب کہ عرش کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ تو اگر عرش کو خدا تعالےٰ کا محل قرار دیا جاوے تو کہا جاسکتا ہے کہ عرش کی پیدایش سے پہلے خدا تعالیٰ کا محل کیا چیز تھی۔ پس جو چیز عرش سے پہلے ہوگی وہی اسکے بعد ہوگی ایسے ہی دیگر آیات تشابہات کی تاویل کرتا ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ جب تک تقلید کے درجہ مین رہتا ہے اسوقت سوائے کامل عارفون کی کلام کے دوسرے ناقص لوگون کی کلام کا مطالعہ نہین کرتا کیونکہ کاملون کی کلام یکسان ہوتی ہے۔ اور ناقصون کی کلام مختلف اور اپنے اپنے مذاق کے موافق ہوتی ہے۔ اور فقیر کو یہہ باتین کہ فلان کا یہہ قول ہے اور فلان نے یون لکھا ہے۔ مفید نہین ہوتین۔ فقیر جب تک خود صاحب حال نہ ہو۔ قال اسکو فائدہ نہین دیتی بلکہ ناقصون کی کلام سے خدا کے ساتھہ قلت ادب ہو جانیکا اندیشہ ہے! اور کاملون کی کلام سے خدا تعالےٰ کا پورا ادب اور اسکی مخلوق کے ساتھہ شفقت کرنیکا عمدہ سبق حاصل ہوتا ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ اپنے نفس سے لوگون کے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے یعنی لوگون کے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنے نفس کے لئے خلقت سے مطالبہ نہین کرتا۔ یعنی لوگون سے اپنے حقوق نہین مانگتا پس اگر اسکے اصحاب مین سے کوئی اسکی مجلس مین نہ آئے اور اسکے تقرب سے فائدہ اٹھاوے اور آمد و رفت ترک کردے تو وہ اسکو برا نہین مانتا اور اس سے خفا نہین ہوتا۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر ان کے واسطے اسکی صحبت اچھی تھی تو وہ خود ہی نیکی سے بازرہے ہین اور اگر بری تھی تو بہتر ہوا کہ برائی سے بچ گئے۔ اور بزرگ جو کسی نیک کام چھوڑ دینے پر متاسف و مکدر ہوتے ہین۔ وہ اسکے مصیبت مین مبتلا ہونیکی وجہ سے ہوتا ہے نہ اس خیال سے کہ وہ اپنی واسطے ان سے خفا ہین۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے۔ کہ اپنے آپ کو عاجز و حقیر خیال کرتا ہے۔ اور غریب خلق سے بھی خود کو برتر نہین جانتا بلکہ اپنے آپ کو مطلقاً تمام مومنین سے حقیر خیال کرتا ہے۔ اور کسی کو ہاتھہ وغیرہ چومنے کی اجازت نہین دیتا اور کوئی اسکے سامنے سرنگون نہین ہوسکتا کیونکہ یہہ صفات بادشاہون کی ہین نہ بندی کے۔ اور اگر کسی شاگرد کو ہاتھہ چومنے کی اجازت دیتا ہے تو ایسی حالت مین دیتا ہے جب کہ اسکے دل مین بڑائی کا خیال نہین ہوتا اور سمجھتا ہے کہ اس سے شاگرد کی مراد بھی غایت تواضع و انکسار ہے۔ پس ایسی صورت مین جبکہ پیر کی نیت مین بڑائی کا خیال نہ ہو بلکہ اپنے آپ کو احقر مخلوقات سمجھتا ہو۔ اور مرید کی غرض محض تواضع و فروتنی کی مشق

ہو) بوسہ دینا کچھہ نقصان نہین کرتا اور صدق وکذب علامات سے معلوم ہوجاتا ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ ایسے امور مین ایک حالت پرنہین رہتا۔ گاہے اجازت دیتا ہے اور کبھی منع کردیتا ہے۔ یعنی جس حالت مین نفس کو مغلوب پاتا ہے۔ اجازت دیتا ہے۔ اور جس صورت مین نفس کا غلبہ دیکھتا ہے۔ اور نفس بزرگی وعزت کا طالب معلوم ہوتا ہے اسوقت منع کردیتا ہے۔ لیکن واجب یہہ ہے کہ وہ اس کام سے لوگون کو جزماً منع کرے تاکہ عزت شریعت وناموس ملت قائم رہے ورنہ اس کو بھی چاہیے کہ وہ لوگون کے ہاتھہ چومے جیسا کہ وہ اسکے ہاتھہ چومتے ہین نہین تو ضرور پایا جائیگا کہ وہ اپنے نفس کو دوسرون سے اعلے سمجھتا ہے اور جب نفس اس قسم کی تعظیم ولوگون کی آمد ورفت سے عادی ہوجاتا ہے۔ اور لوگون سے خوشامد ومدح کے الفاظ سنتا ہے۔ تو وہ تکبر وبڑائی مین بڑھ جاتا ہے۔ پھر اس پر ان باتون کا ترک مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور جب لوگ آنا چھوڑ دین اور ہاتھہ چومنا ترک کردین اور اسکی خدمت مین کوتاہی کرنے لگین تو اسکا دل خفا ہوتا ہے۔ اور نفس تلملاتا ہے پھر نفس اسے ترغیب دیتا ہے کہ وہ لوگون کو ایسے حکایتین سناوے جن سے ادب کی تحریک وتحریض پائی جائے۔ اور اسکی نیت یہہ ہوتی ہے۔ کہ لوگ سنکر میری تعظیم کرین اور ظاہر مین زبان سے یون کہتا ہے۔ کہ ہمین کسی کے آنے جانے کی پروا نہین ہے فقیر ہر حال مین مست رہتا ہے۔ لیکن اس کے دل سے پوچھیے تو وہ اس سے پھٹا جاتا ہے۔ اور دل سے یہی آرزو ہے کہ لوگ سب سے بڑھکر میری تعظیم کرین لیکن صراحتاً نہین کہہ سکتا کہ لوگ میری تعظیم نہین کرتے ان کو ادب وتوقیر کرنی چاہیے کیونکہ ڈرتا ہے کہ اگر صراحتاً اس کی درخواست کی جاویگی تو لوگ حقیر سمجھینگے اسواسطے حکایتاً واشارتاً سمجھاتا ہے۔ اور ارادہ یہہ ہوتا ہے کہ لوگ میری تعظیم کرین اور اگر کسی دوسرے ہمسر کا بھی یہی حال دیکھتا ہے کہ لوگ اسکی چندان تعظیم نہین کرتے تو خوش ہوتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ صرف مین ہی قابل تعظیم ماناجاؤن اور اپنی تعظیم کی زیادتی کے لیے سناتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ایسے تھے کہ جب آپکے گرد بیٹھتے تھے تو حیا وادب سے سر نہین اٹھاتے تھے (کَاَنَّمَا عَلٰی رُؤسِہِمُ الطَّیرُ) اور فلانے شیخ وفلان بزرگ کے اصحاب ادب وتعظیم مین ایسے تھے۔ اور یہہ نہین سمجھتا کہ چہ نسبت خاک را با آدم پاک ان بزرگون کے دل شہرت وادب وتعظیم کی کدورت سے پاک تھے۔ اور یہہ اُن کا خواستگار وہ محض خدا تعالے کے بندے تھے نفسانیت کا ان کے دل پر ذرا اثر نہ تھا۔ اور یہہ بندۂ النفس خواہشات نفسانی مین غرق عبودیت کے احاطے سے خارج ہے کہان راجہ بھوج اور کہان گنگا تیلی اگر اس قسم کا بزرگ یہہ عذر کرے کہ مین اسواسطے ہاتھہ چومنے سے منع نہین کرتا کہ اسطرح سے ان مین تواضع وانکساری کی صفت پیدا ہوگی۔ تو یہہ بات تب قابل تسلیم ہوسکتی ہے۔ کہ وہ ان کو ایسے شخص کے ہاتھہ چومنے کی ہدایت کرے جن کو وہ حقیر سمجھتے ہین۔ علاوہ اس کے ان کا ہاتھہ چومنا اپنی ذلت وانکسار کی وجہ سے نہین ہوتا بلکہ اس کو اپنے لئے باعث افتخار وذریعہ عزت سمجھتے مین تو اس صورت مین اس فعل سے لوگون ودیگر شاگردون کی تواضع وذلت کیونکر حاصل ہوسکتی ہے

اس بات کو خوب سمجھہ اور ہر حال مین نفس کے فریبون وحیلون سے غافل نہ ہو - اگر نجات کا طالب ہے - اللہ تعالیٰ ہر وقت نگہبان ہے - اور نیکوکارون کو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے - کہ ہر ایک کو اسکی درجہ کے موافق جگہ دیتا ہے - اور ہر شخص کی قدر و منزلت پہچانتا ہے اور اس مین نہایت ہوشیاری و عقلمندی سے کام لیتا ہے نہ تقلید سے پس سب سے زیادہ قابل عزت و حرمت وہ شخص ہے - جو اپنے افعال و اخلاق مین نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیادہ متبع ہے اس امر کا اعتبار نہین کہ کسی فقیر کے پاس لوگون کا زیادہ ہجوم ہوتا ہو اور خلقت اسکی بہت تعظیم کرتی ہو اور اسکی صلاحیت و ولایت کا آوازہ لوگون مین مشہور ہو - کیونکہ ایسا شخص اگر اتباع کے زیور سے آراستہ نہین ہے تو قابل عزت نہین ہو سکتا - میرے بعض مشائخ ایسے تھے کہ ان کے پاس کوئی نہین آتا تھا اور شان و شوکت نہ ہونیکی وجہ سے ان کی مجلس مین کوئی نہین بیٹھتا تھا حالانکہ بڑے بڑے مشہور مشائخ ان کے شاگردی کے قابل بھی نہ تھے - کیونکہ وہ اس طریق کے کلام کا مفہوم نہین سمجھہ سکتے تھے - اور شاگردی کی تعریف یہہ ہے کہ شیخ کی کلام سمجھہ سکے - جو شخص قوم کے الفاظ ازبر کیئے ہوئے ہے اور ان کی حقیقت و اصل منشا نہین سمجھا وہ شاگرد بننے کے قابل نہین -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ تمام لوگون سے تکالیف برداشت کرتا ہے - اور اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت ونعمت سمجھتا ہے - اور کسی طرف مائل نہین ہوتا اور نہایت صبر و تحمل سے مصائب کو برداشت کرتا ہے خصوصاً ابتداء حال مین سیدی ابوالحسن شاذلی رح کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت اپنے انبیاء و اصفیاء کے ساتھہ یون جاری ہے - کہ ابتداء امر مین ان پر تکالیف و مصائب آتی ہین اور آخر مین فتح و غلبہ و حشمت و شوکت ان کے شامل حال ہوجاتے ہین - جیساکہ سیدنا نوح علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام و یوسف علیہ السلام و محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سے واضح ہے - نوح علیہ السلام نے صبر کیا اور آخر مین اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کو غرق کیا - موسیٰ علیہ السلام کو ان کے صبر کے بدلہ مین فرعون اور اسکے لشکر کا غرق ہونا دکھلایا گیا - یوسف علیہ السلام نے صبر کیا اور مصر کی سلطنت پائی اور اسکے بھائی وغیرہ اُسکے آگے محتاج ہوئے - اور ایسے ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان کی قوم نے مکہ سے نکالدیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تلوار کے زور سے غالب کر کے پھر اس مین داخل کیا - ایسے ہی سلف صالحین کا حال تھا - لیکن بعض بزرگ ایسے ہوتے ہین کہ ان پر ساری عمر تکلیف رہتی ہے - اور زندقہ و کفر و الحاد وغیرہ امور باطنہ و اوصاف آثمہ کی طرف منسوب کئے جاتے ہین اور یہہ ان کے واسطے کامل ایذاء ہے - اگر وہ ظاہری گناہون مثل چوری جھوٹ - مکر و فریب وکسی کو ستانا - نماز نہ پڑھنا روزہ نہ رکھنا وغیرہ کی طرف منسوب کئے جائین تو اس سے انہین اس قدر تکلیف نہین ہوتی کیونکہ دل تو فقراء اکثر ظاہری گناہون سے منزہ ہوتے ہین اور اگر کوئی ان امور کو ان کی طرف منسوب کرے تو چندان اس نسبت کی پرواہ نہین کرتے لیکن امور باطنہ کی نسبت کو کامل تکالیف خیال کرتے ہین اور بعض بزرگون کے طرف کچھہ حصہ عمر تک عقائد باطلہ و خیالات کاذبہ منسوب کئے جاتے ہین اور اس مین حکمت یہہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف منسوب کرنا

چاہتا ہے اور لوگون کے محبت ان کے دلون سے محو وزائل کرتا اور اپنے محبت سے معمور کرتا ہے۔ کیونکہ اگر لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور اکثر لوگون کا ہر وقت جمگھٹا رہتا تو ان کی محبت بھی لوگون کے ساتھہ ہو جاتی حالانکہ اللہ تعالے غیور ہے وہ بندے مومن کے دل مین اپنے سوا غیر کی محبت نہین چاہتا کیونکہ مومن کا دل عرش رحمٰن ہے اور اسی پر اسکی نظر پڑتی ہے۔ اسیواسطے لوگون کی محبت ومخالطت سے انہین نقصان پہنچتا ہے اور دشمنون کی عداوت وجدائی سے انہین فائدہ ہوتا ہے۔ اسیواسطے کہتے ہین کہ وہ دشمن جو باعث تقرب وتوصل ہو اس دوست سے اچھا ہے جو موجب فرقت وحجاب ہو۔ اس مقام کو سمجھہ اور متکلم کی منشاء کے برخلاف مطلب سمجھنے سے پرہیز کر جو مخالفون کے ایذا وتکالیف کا متحمل ہوتا ہے اسکا نتیجہ یہہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے حال وقال سے مخلوق کے دلون پر تصرف کرتا ہے اور آخر مین اُسے یہی دولت نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ عبد مومن کے لیئے دنیا مین ظاہر دولت نہین ہوتی کیونکہ دنیا دار المحن ہے۔ اس مین نیکون کے واسطے سوائے مصائب وتکالیف کے اور کیا ہے اس سے یہہ نتیجہ نکلا کہ مومن بندے کو انبیاء واصفیاء وسلف صالحین کی اقتداء سے ایذاء ومصائب برداشت کرنی پڑتی ہین پس جو شخص ایسا ہوتا ہے۔ اللہ تعالے بغیر کسی ظاہری اسباب کے وبغیر مدد اسکے خویش واقرباء کے اسکی مدد کرتا ہے۔ یا تو اسے مصائب کے تحمل کا حوصلہ دیدیتا ہے اور وہ ان کی کچھہ پرواہ نہین کرتا اور اسکا دل ان سے متاثر نہین ہوتا یا کسی دوسرے اسباب سے اسکی دستگیری کرتا ہے۔ حکایت ہے کہ ابویزید بسطامی رضی اللہ عنہ کے شہر کے لوگ انہین زندیق وملحد کہتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ یہہ ظاہر مین مسلمان ہے اور باطن مین کافر ہے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ ایسے مقام پر کھڑے ہوتے جہان ان کی مذمت ہوا اور جہان انہین مدح وتعریف کا گمان ہوتا وہان سے الگ ہو جاتے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس قدر کسی بزرگ کے منکر زیادہ ہوتے ہین اور مخالف ودشمن بہت ہوتے ہین۔ ان کو انبیاء علیہم السلام کی پیروی کا سبق ملتا ہے۔ لیکن تمام مومنین کا مخالف ہونا اسکی شقاوت کی علامت ہے۔ کیونکہ تمام مومنین گمراہی پر جمع نہین ہوتے۔ یعنی جس کے چار مومن بھی کم از کم معتقد نہ ہون وہ ضرور شقاوت کے احاطہ مین ہوگا۔ جاننا چاہیئے کہ دنیا اعمال کی جزاء کے ظاہر ہونے کی جگہہ نہین ہے۔ یہہ تو دار الاعمال والافعال ہے۔ ہر ایک یہان اپنے اپنے خیال مین مشغول ہے اور اپنے حال مست اور ان کے جزا کے واسطے دوسرا مکان ہے۔ جو شخص یہہ حالات سمجھہ لیتا ہے۔ وہ لوگون کے برے بھلے کی پرواہ نہین کرتا اور خلقت سے کسی بدلہ کے امید نہین رکھتا۔ اسواسطے کامل اپنے کمالیت کی ترقی مین لگے جاتے ہین اور دنیا مین اسکے نتیجہ ظاہر ہونیکے طالب نہین ہوتے۔ ان کا کمال اپنے وقت وموقع پر ظاہر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کو دیکھو کہ باوجود کمال رتبہ وعلو ترقی کے ان کی کمال کی حقیقت تمام مخلوقات پر نہین کھلی البتہ آخرت مین ان کا کمال ہر خاص وعام وہر کس وناکس پر ہویدا ہوگا ایسے دوسرے کاملون کا کمال بحسب المراتب دار آخرت مین ہی ظاہر ہوگا پس جو شخص دنیا مین نتائج کا ظہور چاہتا ہے۔ وہ بے محل بات کا طالب ہے۔ اور آخرت کو دنیا کے عوض بیچتا ہے۔ سیدی ابوالحسن شاذلی کا قول ہے۔ کہ اللہ تعالے جب جانتا تھا

کہ اسکے انبیا و اصفیا پر اعتراض کیے جاوینگے اور لوگ انکار کرینگے تو ان کی تسلی کے واسطے ایک ایسی شقی قوم پیدا کر دی جو خدا کی طرف بھی بیوی بچون کو منسوب کر نی لگی تاکہ انبیا کو تسلی رہے کہ جب خدا بھی منکرون کی زبان سے نہین چھوٹا تو ہم کیا ہین۔ پس بزرگون کو بھی منکرون کے اعتراضون کو ٹھنڈے دل سے سننا چاہیے بلکہ مخالفون کو اپنے حق مین خدا کی رحمت سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر معاملہ برعکس ہوتا اور وہ بھی منکرون مین کی ہوتا تو پھر کیا ہو سکتا پھر شکر کرنا چاہیئے کہ گروہ منکرین ناقصین سے نہین بنایا گیا۔ اور یہہ بھی یاد رہے کہ اگر کوئی خدا کے نزدیک نیک نہین تو لوگون کی تعریف و توصیف سے کیا ہو سکتا ہے اور اگر وہ خدا تعالے کے نزدیک اچھا ہے۔ تو لوگون کی مذمت و تکلیف سے اسکا کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ اور منکر و مخالف کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہین اسکا معاملہ اسکے ساتھہ ہوگا اور مخالفون کا انکو ساتھہ یہہ سب جھگڑے زندگی تک ہین سوتے سب علائق منقطع ہو جاتے ہین قبر مین کسی کو کسی کے بدلے سوال نہین ہو سکتا اور حشر و نشر مین ہر ایک کو اپنا ہی حساب دینا ہوگا۔ یہہ بھی یاد رکھہ کہ جب لوگ تیری تعریف کرین۔ تو تو منع ظاہر نہ کر اور جب تیری تعظیم کرین تو تو اپنے نفس کو حقیر نہ جان اور نہ تیری زیادہ تعظیم کرینگے بلکہ خاموش رہ تاکہ ان کو یہہ وہم و خیال پیدا ہو کہ یہہ اپنی تعریف کروانا پسند کرتا ہے۔ اس طرح سے وہ خود تعظیم مین کمی کر دینگے اور یہہ تیرے حق مین بہتر ہوگا۔ اگر شیطان تیرے دل مین یہہ ڈالے کہ اسطرح کرنیسے لوگ متفرق ہو جاوینگے اور تو ان کو فائدہ نہین پہنچا سکیگا اور نیکی و خیریت کی تلقین نہین کر سکیگا۔ تو اس کو کہنا چاہیے کہ میری نظر ان کے محرک (اللہ تعالے) پر ہے۔ اگر خدا نے ان کے نفسون مین میری تعظیم قائم کر دی ہے۔ تو ممکن نہین کہ میری حقارت کر سکین اور اگر ان کے باطن مین میری تحقیر ڈالدی ہے۔ تو ممکن نہین کہ میری تعظیم کرین۔ اگرچہ مین انہین ہر ایک قسم کی کرامت بھی دکھاؤن حاصل یہہ کہ جس شخص کا ارادہ یہہ ہو کہ لوگ میری تعظیم و توقیر کرین تو وہ ہمیشہ رنج و غم مین رہتا ہے۔ کیونکہ دنیا مین ممکن نہین کہ کوئی کسی کا مخالف نہ ہو اور اسکا یہہ خیال (کہ تمام لوگ میری طرف متوجہ ہون اور میری مدح و تعریف کرین) جہالت ہے۔ کیونکہ دنیا مین خواہ کیسا ہی کوئی کامل کیون نہ ہو اور مرتبہ مین اگرچہ صحابہ کے برابر ہی ہو تو بھی کوئی اسکا مدح کرنے والا ہوگا اور کوئی مذمت کرنے والا۔

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذمت کیا کرتا تھا ایک دن آپکی اس سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی اسکنے صحابہ کرام کے سامنے ان کی تعریف شروع کی آپنے فرمایا (اَنَا دُوْنَ مَا تَقُوْلُ وَفَوْقَ مَا فِیْ نَفْسِكَ) یعنی جو تعریف تیری زبان پر ہے۔ اس سے تو مین کم ہون اور جو مذمت و حقارت تیرے دل مین ہے اس سے بڑھکر ہون اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالے کے علم اور تقدیر پر راضی رہتا ہے۔ وہ ہر حال مین یکسان رہتا ہے اور اسکی حالت مین تغیر نہین آتا اگرچہ ہر دو جہان کے لوگ اسکی مذمت و حقارت کرین اور کبھی نہین اتراتا اگرچہ سارا جہان اسکے تعریف مین رطب اللسان ہو۔ بلکہ وہ مطلقاً لوگون کے اقوال کی طرف متوجہ نہین ہوتا۔ مینے تقف کی زبان سے سنا کہ وہ اللہ تعالے کی جانب سے کہہ رہا تھا کہ جو شخص میرے تمام امور و اسرار کا مشاہدہ کرلیتا ہے

دوہ رنج وراحت وآسائش وتنگی وغیرہ حالات مین متغیر ومتاثر نہین ہوتا اور جو شخص میری درگاہ سے نکل جاتا ہے اُس پر مین اپنے دشمنون کو مسلط کر دیتا ہون۔

دیگر اسکی علامت یہہ ہے کہ جب وہ کسی کو امر بالمعروف کرتا ہے یا کسی کام سے منع کرتا ہے اور وہ امر کو بجا نہین لاتا اور نہی سے باز نہین رہتا تو وہ اس سے مکدر ورنجیدہ نہین ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسکا کام صرف ابلاغ ہی نہ ہدایت مَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلَاغُ پس جب تک اللہ تعالے بندہ کے واسطے معصیت پیدا کرتا رہتا ہے۔ ممکن نہین کہ وہ توبہ کر سکے لیکن جب وہ معصیت پیدا کرنا چھوڑ دیتا ہے تو بندہ بھی ضروری معصیت چھوڑ دیتا ہے اور توبہ کرتا ہے یہی واسطے قیامت کے روز خدا کی رحمت وسیع ہوگی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھہ ان کی زبانون سے نکلا تھا اس کو مین نے ہی ناطق کیا تھا اور جو کچھہ ان کے دل مین آیا تھا وہ مین نے ہی پیدا کیا تھا۔ سبحان اللہ کیا ہی حکیم وعادل ولطیف وخبیر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کو کوئی نہین پوچھہ سکتا پس معلوم ہوا کہ امتثال کا کام خدا تعالے کی طرف راجع ہے اگر اسکے قسمت مین امتثال ہے تو ضرور حکم بجا لائیگا وگرنہ انسان کی کیا طاقت ہے کہ اسکے حکم کی مخالفت کر سکے اور ایسی چیز کا ارادہ کرے جسکا خدا نے ارادہ نہین کیا جب یہہ معلوم ہوا تو چاہیئے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بملائمت وموافقت سے کیا جاوے اور کسی کو کسی حال مین حقیر وذلیل خیال نہ کیا جاوے۔ کیونکہ انسان قبضہ قدرت مین ہے اور تقدیر کے اجرا کا مظہر ومحل ہے اور اسے چارہ نہین ہے۔ لیکن واعظ کی طرف سے نرمی وملائمت ہوگی تو دوسرا ضرور اطاعت کریگا اور شکریہ احسان بجا لاویگا۔ کیونکہ دل را بدل رہیست کا مضمون ہوجاتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب نفسانیت اور حقارت وسختی سے امر کیا جاوے تو مخاطب پر کچھہ اثر نہین ہوتا اور وہ بھی نفسانیت وضدیت سے پیش آتا ہے۔ اور سوائے انکار وسرکشی کے کچھہ حاصل نہین اور یہی اکثر دیکھا جاتا ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ کسی کو کسی کام کے کرنے مین یہہ نہین کہتا کہ کیون کیا اور کسی امر کے ترک مین یون نہین کہتا کہ کیون ترک کیا۔ کیونکہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپنے انس کو کسی کام مین نہ کبھی یہہ کہا تھا کہ کیون کیا اور نہ کبھی یہہ کہ کیون چھوڑا۔ اور اس مین اللہ تعالے کا ادب ہے نہ کام کرنے والیکا کیونکہ کسی کام کا کرنا یا ترک کرنا اللہ تعالے کی مشیت وارادہ پر موقوف ہے یہہ ادب اہل اللہ کرتے ہین کیونکہ وہ دنیا کے کے ہر ایک واقع مین اللہ تعالے کی حکمت وباعث کو سمجھتے ہین اسواسطے وہ کسی پر اعتراض نہین کرتے۔ لیکن ابتدا اعتراض کے چھوڑنے اور بعد تامل وفکر کے اعتراض ترک کرنے مین بڑا فرق ہے۔ وہ لوگ جو درجہ اہل اللہ تک پہنچے ہین وہ ابتداءً اعتراض ترک کر دیتے ہین اور جو لوگ اس درجہ تک نہین پہنچے وہ ابتداء حال مین بباعث حجاب وعدم واقفیت حکمت اعتراض کرتے ہین اور کہتے ہین کہ یہین شرع نے حکم دیا ہے۔ کہ کسی سے انکار کرین اور کسی کا اقرار کرین اور کہین کہ فلانے کام کا ترک اولے ہے۔ اور فلانے کام کا بجا لانا بہتر ہے۔ اگرچہ یہہ بات حق ہے لیکن قایل اللہ تعالے کی حکمت سے جاہل ہے۔ لیکن جب اسے علم وحکمت ومعرفت حاصل ہو

جاتی ہے - اسوقت مین اگر وہ اعتراض کرے تو اسکا اعتراض بجا ہوگا کیونکہ اس حالت مین اس مین نفسانیت نہین ہوگی اور اس حالت مین اللہ تعالے کے اعتراض کا ناقل ہوگا نہ خود قائل پس ایسے شخص کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا درجہ حاصل ہے - اور اسے جائز ہے کہ وہ حدود شرعی قائم کرے اور لوگون کو امور ظاہریہ شرعیہ کی طرف بلاوے کیونکہ وہ اس حالت مین نفس کی اطاعت سے ازاد ہوکر ہر ایک امر کو محض خالصاً لوجہ اللہ و استرضاء مرضات اللہ کریگا - اور خود پرستی وخود غرضی و اپنی عزت و بزرگی کا اسے ذرا خیال نہین ہوگا اور ہر چیز مین اللہ کا جلوہ دیکھیگا اور وہ (تکن کانک تراہ) کا مصداق ہوجائیگا یعنی وہ خود اللہ تعالے کو دیکھتا ہے - اور یہہ اس سے بہتر ہے جو (فان اللہ یراک) کا مصداق ہے یعنی جو شخص اس منزل تک پہنچ گیا ہے کہ وہ خود اللہ کا شاہدہ کرتا ہے وہ بہ نسبت اس کے بہتر ہے جو اس درجہ تک نہین پہنچا بلکہ اس درجہ مین ہے - کہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ مجھکو دیکھہ رہا ہے - ذرا اس مقام مین غور کر کہ یہہ درجہ صدیق اکبر رض کا ہے - جب یہہ معلوم ہوچکا تو نہین چاہیے کہ اگر تو کسی کو کسی کام سے منع کرنا چاہے تو اس کو یون نہ کہو کہ تو نے فلانا کام کیون کیا بلکہ یون کہو کہ فلانا کام نہ کرنا اور تو بہ کر اور خدا کی طرف رجوع کر (امر کرنے والا) کا اتنا ہی کام ہے نہ ہدایت کرنا کیونکہ اللہ تعالے اپنے امر پر غالب ہے - جو کچھہ وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ اگرچہ وہ فقراء صادقین کے درجہ سے بھی قاصر ہے تاہم وہ اگر شلاً کبھی بیمار ہو جاوے اور اسکے اصحاب اسکی مرض مین اعانت نہ کرین وضروریات دوا مرض سے اسکی مدد نہ کرین تو وہ اس سے مکدر نہین ہوتا اور شکایت نہین کرتا - کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ بات ان کے حق مین خیر تھی اور ان پر حق اخوت اسلامی تھا - تو انہون نے بھی خیریت ونیکی کو ترک کیا ہے - اور اپنے نفس کو ثواب سے باز رکھا ہے اسکا اس مین کیا حرج ہے - اور اگر وہ ان کے لئے باعث بدی وشر تھا یعنی محض لوگون کے دکھلاوے اور شہرت ونام کے واسطے عیادت کو آتے - تو بہتر ہوا کہ انہون نے اپنے نفس کو اس ہوائے نفس سے نجات دی علاوہ اس کے وہ یہہ سمجھتا ہے - کہ دوا کی چندان ضرورت نہین ہے - اور حکیم کے پاس جانے اور اسکی فیس ادا کرنے سے بھی بہتر ہے کہ وہی رقم کسی فقیر عیالدار کو دی جاوے کہ وہ اپنے عیال پر خرچ کرے خصوصاً جبکہ حکیم کو رباطن ، وجاہل ہو اور ظاہر وباطن مین تمیز نہ کر سکتا ہو - یہہ تو فقراء قاصرین کا حال ہے - لیکن فقراء صادقین وکاملین تو مطلقاً ان باتون کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہین دیکھتے - اور کسی حال مین سوائے اللہ کے کسی کا قرب نہین چاہتے اور مخلوقات مین سے کسی کی محبت کو دل مین جگہ نہین دیتے - کیونکہ وہ جانتے ہین کہ اللہ تعالے سب سے قریب ہے اور مصائب و تکالیف باعث شرافت وطہارت ہین اور سمجھتے ہین کہ اللہ تعالے ہماری بہتری کو بہ نسبت ہمارے اچھا جانتا ہے

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ نفع ونقصان کو سوائے خدا کے کسی کے ہاتہہ مین نہین دیکھتا اور اگر ساری خلقت اسکی طرف رجوع کرے اور اس سے سلوک وارشاد کا طریقہ حاصل کرے اور اس سے فیض وفائدہ اٹھاوے وہ ہدایت کو اپنی طرف منسوب نہین کرتا ہے - کیونکہ وہ (اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ) [1]

[1] تو اپنی خواہش کے موافق کسی کو ہدایت نہین کر سکتا بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے -

کی حقیقت خوب سمجھتا ہے - اور علامت اس بات کی یہہ ہے - کہ وہ لوگون سے اپنا مرتبہ اعلے نہین سمجھتا اور درست بھی یہی ہے - کیونکہ وہ خود شیخ نہین بن گیا بلکہ لوگون نے ہی بنایا ہے اسیواسطے اگر وہ کسی ایسی جگہ جادے جہان اسکو کوئی نہ جانتا ہو اور وہ خود اونچی آواز سے کہے کہ مین شیخ ہون بزرگ ہون ولی ہون - کوئی بھی اسکی طرف متوجہ نہ ہوگا بلکہ مسخری کرین گے اور جب لوگ اسکے آگے پیچھے دائین بائین سر جھکائے جا رہے ہون تو لوگ خود ہی کہین گے کہ یہہ بڑا بزرگ ولی اللہ ہے - اگرچہ کوئی بھی اسکے حال سے واقف نہ ہو کیونکہ شیخیت کی ہیئت لوگون کے اس کے گرد جمع ہونیسے حاصل ہو چکی ہے - اسیواسطے وہ سارا دن لوگون کے ساتھہ ضایع کر دیتے ہین اگر کوئی ایسا شیخ ہو تو اس سے دوسرے لوگ ہی بہتر ہین - کیونکہ وہ اکثر اس سے عبادت زیادہ کرتے ہین اور اسکی بہ نسبت اذکار و اوراد مین زیادہ مشغول رہتے ہین - اور لوگ پھر بھی اسکی تعظیم کرتے ہین حالانکہ ان کا حال اس سے بہتر ہوتا ہے - وجہہ یہہ ہوتی ہے کہ اکثر لوگ تقلیداً شہرت کے سبب سے مشائخ کی تعظیم کرتے ہین اور جب فقراء ناقص خلقت کی اس حالت کو دیکھتے ہین تو وہ ابتداء امر مین ہی کوشش کرتے ہین تاکہ انکو درجہ شیخیت و معتقدین کی کثرت حاصل ہو جاوے اور جب یہہ بات ہاتھہ آجاتی ہے - تو نماز و روزہ و پرہیزگاری وغیرہ اعمال صالحہ چھوڑ دیتے ہین اور لوگون کو کہتے ہین کہ ہمین ان امور کی کوئی ضرورت نہین - ہم اللہ تعالے سے ایک لحظہ بھی غافل نہین ہوتے - اعمال ظاہری تو مبتدیون کے لئے ہین پس وہ سارا دن لوگون کے درمیان بیٹھے رہتے ہین اور ہنستے ہین اور ان کے شاگرد سارا دن ذکر کرتے رہتے ہین اور پڑھتے رہتے ہین - اور لوگون سے اپنے کو بڑا نہ جاننے کی ایک علامت یہہ بھی ہے - کہ اگر اسکے تمام شاگرد و معتقدین اس سے روگردانی کر کے کسی دوسرے کے پاس چلے جائین تو اس کی حالت و جمعیت خاطر مین سرِ موئے فرق نہ آوے - اور اگر فرق آوے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ خدا کے ساتھہ ربوبیت مین شریک ہونا چاہتا ہے اور عبودیت سے نکلنا چاہتا ہے کیونکہ درجہ عبودیت مین اسکے ہاتھہ سے ہدایت ہونا یا کسی اور کے وسیلہ سے ہدایت ہونا مساوی ہے - اور حقیقت مین ہادی تو اللہ تعالے ہی ہے - پس وہ جس کے ہاتھہ سے چاہے لوگون کو ہدایت کا رستہ دکھائے - اور جس شخص کا ایسا حال ہو وہ شیخیت و سلوک کے رستہ کا رہبر نہین ہو سکتا بلکہ بیچارہ خود بیمار نادان است و اپنے ہی نفس کا علاج اسپر لازم ہے - سیدی ابوالحسن شاذلی کا قول ہے کہ جو شیخ اپنی بزرگی کا طالب ہے اور لوگون کی ادب و تعظیم کا خواہش مند ہے - اور ادب الٰہی کی حفاظت نہین کرتا - اس سے ابلیس ادب مین اعلے و برتر ہے - کیونکہ شیطان نے اپنے کو خدا کی کسی صفات مخصوصہ مین شریک نہین کیا بلکہ یہہ کہتا ہے (اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ) مین خدا سے ڈرتا ہون اگر نافرمانی کی تو یہہ کہ حکم نہ مانا نہ یہہ کہ اپنے کو اسکی صفات مین شریک گردانا نافرمانی بہ نسبت شراکت کے آسان ہے اور طلب شراکت نہایت بے ادبی و گستاخی ہے +

بندہ کو ان مصائب و گستاخیون مین مبتلا کرنے والی چیز ریاست و سرداری کی محبت اور اس درجہ تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی خواہش کرنا ہے - یہہ زمان حال کے فقراء کا حال ہے - لیکن زمانہ گزشتہ کے بزرگ اس درجہ کی تب خواہش کرتے تھے - جب کہ درجہ بقاء کو طے کر لیتے تھے اور صرف مرتبہ قطبیت باقی رہ جاتی ہے - اور

جبکہ وہ (بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ الحدیث) کا مصداق ہوجاتا ہو جیساکہ سیدی شیخ عبدالقادر گیلانی کا حال تھا اسوقت انسان دعوے سے بازآتا ہے اپنے اقوال وافعال کی حفاظت کرتا ہے مگرجو شخص اس درجہ کے حصول کا دعوےٰ کرے توانکار نہ کر بلکہ اسکا معاملہ خدا کے سپرد کر اگر جھوٹا ہے تو اسکا وبال اس پر ہے اور اگر سچا ہے تو اسکی پیروی وصحبت مین ہمارا فائدہ ہے - اور اللہ تعالےٰ کی رحمتین کسی خاص بندے پر ہی منحصر نہین ہین - ولایت مین ظہور کرامت شرط نہین ہے - صرف امتثال اوامر واجتناب نواہی شرط ہے اور کتاب وسنت کی طاعت واجب ہے - پس جو شخص ایسا ہو اسکی ولایت پر قرآن شاہد ہے اگرچہ اسکا کوئی معتقد ہو نہ کوئی مرید ہو - جب یہہ باتین معلوم ہوچکین تو اب شیخ کو چاہئے کہ وہ آپ کو مریدون سے عزت مین اعلےٰ و برتر خیال نہ کرے اور یہہ نہ سمجھے کہ وہ تو میرے محتاج ہین اور مین ان کا محتاج نہین ہون کیونکہ یہہ جہالت ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مقام فقر سے واقف نہین ہے - اور نہین سمجھتا کہ سوائے اللہ کے کسی پر من کل الوجوہ ترجیح نہین ہے - اور ایسا خیال کرنا شیطان کا کام ہے - ایسا آدمی دوسرے کی تلقین وتعلیم وتربیت کے لائق نہین - کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ مرید میرا محتاج ہے - اور اپنی احتیاج بھولا ہوا ہے - اور نہین جانتا کہ مین بھی خدا کے دروازے کا محتاج ہون گویا زبان حال سے وہ خدا سے بے پرواہ ہونیکا اقرار کرتا ہے - اور عزت وتکبر کا طالب ہے - لیکن محقق عارفون کا حال یہہ ہوتا ہے کہ جب وہ دیکھتے ہین کہ مریدان سے طریق معرفت کا استفادہ کرتے ہین اور اس اعتبار سے ان کے محتاج ہین تو وہ اللہ کا شکر بجالاتے ہین اور سمجھتے ہین کہ مرید اس سے اس نکتہ تک پہنچ جاتے ہینگے نہیں یہہ کہ وہ اللہ تعالےٰ کے نہایت ہی محتاج ہین کیونکہ اگر ان کو یہہ بات معلوم نہ ہوتی کہ ہم کسی کے محتاج ہین اور اپنی کمزوری کو معلوم نہ کرتے تو اللہ تعالےٰ سے بھی بے پرواہ ہوجاتے اور اپنی کمزوری واحتیاجی کو بھول جاتے پس محقق عارف جس قدر اپنا حق مریدون پر خیال کرتے ہین اس سے زیادہ مریدون کا حق اپنے پر سمجھتے ہین اور جانتے ہین کہ اگر ہم ان کے شیخ ہین از روے قول اور تربیت کے تو وہ ہمارے شیخ ہین از روے حال وحقیقت کے یہہ مقام ذرا غور وخوض کے قابل ہے اس کو بنظر امعان مطالعہ کرنا چاہیئے -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ دنیا کی کسی حالت سے متغیر ومتعفن نہین ہوتا - کیونکہ فقیر سے بباعث قرب الٰہی آثار نفسانیت زائل ہوجاتے ہین وہ تو ہر وقت مشاہدہ ومراقبۂ حق مین مستغرق رہتا ہے - اور غیر سے غافل ہوتا ہے - اسکی نظر مین کوئی جگہ خدا سے خالی نہین ہوتی اسواسطے وہ ہر چیز کا ادب کرتا ہے اور ہر چیز مین خدا کا جلوہ دیکھتا ہے - اور کوئی ذرہ اسکے حکم کے بغیر ہلتا نہین دیکھتا اور یہی اہل قرب کا درجہ اور علامت ہوتی ہے - جنید رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مین دنیا کی مصائب وتکالیف سے کبھی مکدر خاطر نہین ہوتا کیونکہ مین جانتا ہون کہ دنیا مصائب کا گھر ہے - اور یہی اسکی اصلیت وحقیقت ہے - پس جو مصیبت وتکلیف آتی ہے اسکو اصل خیال کرتا ہون اور جو کوئی راحت وآسائش حاصل ہوتی ہے - اسکو خلاف اصل وخدا کی نعمت سمجھتا ہون اور شکر بجالاتا ہون قطب ربانی سیدی شیخ ... ہون ... حقیقت ... کے ... پر

تو میرے دائین طرف خوشبوؤن کی دہونی سلگائے اور دوسرا میرے بائین طرف مقراض سے میرا گوشت کاٹے تو اس سے مجھو کچھہ تکلیف نہ ہوگی اور اس سے کچھہ آرام نہ ہوگا۔ یہہ نکتہ یادرکھہ اور ان کے طریق پر چل اگر ان سے ملنا چاہتا ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ راہ سلوک وطریق معرفت کی تلقین شاگردون کو اس حالت مین کرتا ہے کہ ان کو الست بربکم کی یوم میثاق سے جانتا ہو سہل بن عبداللہ تستری کا قول ہے۔ کہ مین اپنے شاگردون کو یوم میثاق سے جانتا ہون اور ان کو بھی پہچانتا ہون جو میرے ہاتہہ سے فائدہ اٹھائین گے اور جو نہین اٹھائین گے اور ان کو بھی جانتا ہون جو میرے دائین تھے اور جو میرے بائین تھے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی یہہ حالت ہو اور درجہ کشف مین اس اعلے درجہ تک پہنچا ہوا ہو اسکے واسطے جائز ہے کہ وہ اپنے شاگردون کو دوسرے شیخ کی زیارت سے منع کرے کیونکہ اہل کشف کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرون سے فائدہ نہ اٹھا سکین گے۔ لیکن جو اس درجہ کا نہین ہے۔ اس کو جائز نہین کہ اپنی ناموس وعزت کیواسطے شاگردون کو دوسرے شیخ کی زیارت سے منع کرے کیونکہ اللہ تعالے اپنے حکم پر غالب ہے۔ اور جو کچھہ اُسنے اندازہ لگا دیا ہے۔ کہ فلان فلان کے ہاتہہ سے فائدہ اٹھائیگا وہ ہو کر رہیگا اور کوئی نفس جب تک اپنا اندازہ پورا نہ کرے دنیا سے رخصت نہین ہوتا۔ اور قاصرون کو اس غلطی مین کمالیت کا دعوے ڈالتا ہے۔ کہ وہ آپ کو عارف کامل خیال کرتے ہین لیکن یہہ ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالے کو شناخت کر سکتا ہے۔ اسپر شاگردون کی حالت کی شناخت کیا مشکل ہے۔ پس ایسے لوگون کا شاگردون کو دوسرے شیخ کی زیارت سے منع کرنا جہالت ہے۔ اگرچہ حقیقت مین مانع خدا ہی ہے۔ کیونکہ اگر دوسرے کے پاس جانا شاگردون کے قسمت مین ہے تو ضرور ہو کر رہیگا۔ اگرچہ آنا وجانا تقدیر سے ہے لیکن وہ اپنے ارادہ سے ماخوذ ہوگا۔ پس ناقصون کو کاملون کے ساتھہ مشابہت نہین کرنی چاہیئے اور ان کی طرح شاگردون کو دوسرون کی زیارت سے منع نہین کرنا چاہیئے کہ ان کی کتابون مین منع کی اجازت ہے حالانکہ وہ یہہ نہین جانتے کہ وہ اجازت ان کاملون کے لیئے ہے جن کو کشف صحیح سے یہہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کے ہاتہہ سے فائدہ نہین اٹھا سکین گے نہ کہ ناقصون کے لیئے جنکو اپنی بھی خبر نہین۔

یاد رہے کہ سالک کا طریقہ یہہ ہونا چاہیئے کہ جب سلوک کے رستہ مین کوئی راز اسپر ظاہر ہو یا کوئی اسرار اسکے دل مین القا ہو تو اسکو اپنے ہمنشینون مین سے ایسے شخص کے پاس ظاہر کرے جو اسکے سمجھنے کی استعداد وقابلیت رکھتا ہو نہ کہ ہر قابل وناقابل کے سامنے کیونکہ جو شخص عارفون کی کلام کا مطالعہ کرکے ہر ایک جلیس کے سامنے ظاہر کرتا ہے وہ ابھی سالک نہین ہوا اور اسنے وہ ذوق نہین چکھا جو اس عارف نے چکھا تھا جسکی کلام کا یہہ مطالعہ کرتا ہے۔ بلکہ یہہ محض طوطا ہے اور الفاظ کا حافظ ہے حقیقت واصلیت ومنشاء کلام سے ناواقف ہے۔ اور ذوق کو وہی سمجھتا ہے جو صاحب ذوق ہو اور کلام کی حقیقت وہی جانتا ہے جو اس مین پڑا ہو اسیواسطے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج مین گئے اور امت کے واسطے پچاس نمازین لائے تو موسے علیہ السلام نے

انکو تخفیف کیواسطے واپس کیا کیونکہ وہ بنی اسرائیل مین نمازون کی کثرت کا مزا چکھ چکے تھے اور جانتے تھے کہ امت محمدیہ بھی اس بارگران کی تحمل نہ ہوسکیگی اور اس معاملہ مین باعث ذوق و تجربہ کے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ واقف تھے - پس اس سے معلوم ہوا کہ جنید وغیرہ کامل عارفون کی کلام ہرایک کے حال کے مناسب نہین ہے - اور قابل ونا مستعد برابر نہین ہین اور یہہ ضرور نہین کہ جو کامل اولیاؤن کے الفاظ کا حافظ ہو وہ ان کے منشاء و ذوق سے بھی واقف ہو کیونکہ کامل کی کلام کو کامل ہی سمجھتا ہے بلکہ ایک کامل بھی دوسرے کامل کی کلام کو ایک ہی درجہ و رتبہ مین برابر نہین سمجھتا کیونکہ کوئی دو شخص بھی ایک درجہ عقل و فہم مین مساوی نہین ہوسکتے - اور کوئی شخص محض صوفیون کے کلام کے مطالعہ اور ان کے الفاظ کے جاننے سے صوفی و سالک نہین ہوسکتا جب تک کہ اس درجہ کی فہم و فراست نہ رکھتا ہو - ہمارے شیخ کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص ہزار سال تک صوفیون کی بے شمار کتابون کا مطالعہ کرے تو محض مطالعہ سے صوفی نہین ہوسکتا جب تک اونٹ سوزن کے سوراخ مین داخل نہ ہو (یعنے محال ہے) اور جس کے دل مین وہ نور نہ ہو جس سے حق و باطل مین تمیز ہوتی ہے - وہ سلوک کے دروازے مین داخل ہونیکے قابل نہین ہے (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا)[1] وجہہ اس امر کی کہ ناقص آپ کو کامل خیال کرنے لگتے ہین یہہ ہے کہ جب قاصر کچھہ زمانہ اپنے مشائخ کی خدمت مین رہتے ہین اور بباعث عدم قابلیت کوئی حقیقت ان پر منکشف نہین ہوتی اور وہ اس انتظاری مین ہوتے ہین کہ ہمین خلافت کی اجازت ملے (مگر اجازت حاصل نہین ہوتی تو ڈرتے ہین کہ کہین ہم سے مشیخت دور نہ ہوجائے - خود ہی مشیخت کا علم کھڑا کر لیتے ہین اور مونڈنا شروع کر دیتے ہین حالانکہ خود درجہ ولایت سے قاصر ہوتے ہین اور دنیاوی آفات مین مبتلا ہوتے ہین پھر شاگردون کو راہ سلوک و معرفت تبلاتے ہین اور کہتے ہین کہ یہہ قواعد مشائخ متقدمین کی کتابون و رسائل مین درج ہین اور ان کو کہتے ہین کہ ان کو لکھہ لو اور ترجمہ کر لو اور اسی کو خیال کرتے ہین کہ وہ ان کی منشاء کلام کو سمجھتے ہین سبحان اللہ اگر صفوت و معرفت اسکی نام ہے - تو ہرایک نحوی و لغوی بھی صوفی ہے - پھر وہ دعوے کرتے ہین کہ ہم علم لدنی (جو ہمی ذاتی لیاقت و غور و خوض و تقوے و مشاہدہ قدرت و تحقیق و تدقیق سے حاصل ہوتا ہے نہ الفاظ و منقول سے) سے کلام کرتے ہین حالانکہ وہ الفاظ ہوتے ہین جو انہون نے رسالہ قشیری و عوارف المعارف وغیرہ رسائل سے یاد کئے ہوتے ہین اور وہ رسائل ان کے شاگردون کے پاس نہین ہوتے ہواسطے وہ نئے الفاظ سنکر ان کے معتقد ہوجاتے ہین اور ان کو شیخ تصور کرتے ہین - اگر وہ رسائل ان کے پاس ہوتے تو وہ شاگردون کو ان کے مطالعہ سے منع کرتے تاکہ ان کی قلعی نہ کھل جائے اور شاگردان کے حق مین بدظن نہ ہوجائین - واہ سبحان اللہ انسان تو وہ ہے جو اپنی قدر و منزلت پہچانے اور اپنے اندازہ و درجہ سے قدم باہر نہ رکھے اور ایسا شخص کبھی ذلیل نہین ہوتا عربی مین ایک مثل ہے (مَا هَلَكَ امْرُؤٌ عَرَفَ قَدْرَهُ)[2] اور سالک حقیقی وہ ہے کہ اگر وہ تمام کتب منقولہ مفقود ہوجاوین تو بھی وہ صرف کتاب و سنت سے تمام احکام و آداب کو مستنبط کر سکے اور جو ایسا نہین وہ عارف نہین پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ ہمنے ایک کتاب تالیف کی ہے جس مین اولیاو

[1] اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو تمہین حق و باطل مین امتیاز کرنے والا نور حاصل ہوگا [2] جو اپنی قدر پہچانے زیادہ یا دون نہیں پھیلاتا ہو رسوا و خوار نہین ہوتا

کے علوم درج ہین جس کو شوق ہو اسکا مطالعہ کرے اور اولیا رو سالکین کے مراتب کا اندازہ لگائے۔ سیدی ابو المسعود ابن ابی العشائر کا قول ہے۔ کہ جس شخص کا دل ہی کتاب نہین ہے وہ باب عرفان کے قابل نہین ہے۔ یہہ بھی یاد رہے کہ عارفون کے نزدیک حق (راستی) ہمیشہ شب و روز تغیر و تبدل مین ہے۔ ہر زمانہ مین نئی رنگ وجدید صورت مین ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اسکے وسائل و ذرائع ہر زمانہ کے موافق بدلتے رہتے ہین جیسا کہ آیت (کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ) اس پر شاہد ہے۔ اسیواسطے عارف کامل شاگردون کو کتابون پر ہی اعتماد کرنے اور انہین قواعد وقیقہ اور مسائل زمانیہ وجزئیات و تشیلات کو نیہ پر ہی عمل کرنیسے منع کرتے ہین کیونکہ ہر زمانہ اپنی گردش کے موافق رجال کو پیدا کرتا ہے۔ اور عاقلون کی کلام ہر زمانہ مین ان لوگون کی قابلیت واستعداد کے موافق ہوتی ہے۔ پس اس وقت مین اس زمانے کے لوگون کو جنید و ابو یزید و معروف وغیرہ عارفون کی اس کلام سے رجو وہ اپنے شاگردون کیواسطے ان کی استعداد و تقاضا وقت کے موافق کرتے تھے) کیا فائدہ ہے۔ کیونکہ علاج مرض کے مطابق ہونا چاہئے اور امراض روحانی و قلبی ہر زمانہ مین نئی ہوتی ہین پس اس وقت کا علاج جو کسی خاص مرض کے لئے تھا اسوقت ایسی مرض کو جو اس مرض کے بالکل مخالف ہے کیونکر فائدہ دے سکتا ہے۔ بلکہ ہر لحظہ مین انسان کی حالت بدلتی رہتی ہے اور اسکے مطابق امراض جدیدہ پیدا ہوتی رہتی ہین تو ایسے صورت مین تمام پچھلے وسائل جزئیہ ومسائل فرعیہ کیونکر مفید ہو سکتی ہین اہل اللہ صاحب عقل ان نکات کو خوب سمجھتے ہین اور یہہ درجہ کامل النفس اصحاب کا ہے۔ اور وہ ہر ایک کی قابلیت کو سمجھ لیتے ہین اور اسکے موافق اس سے سلوک کرتے ہین اور فائدہ اٹھانے والے دوسرے مین تمیز کر لیتے ہین بلکہ وہ مستفید ہونے والے مستعد شاگردون کو اسوقت ہی سمجھ لیتے ہین جبکہ وہ اپنے باپ کی صلب (پیٹھ) مین ہوتے ہین جیسا کہ میرے شیخ کو اسکے شیخ نے صلب مین ہی جان لیا تھا اور یہی واقعہ سیدی شیخ محمد بن ہارون کا سیدی شیخ ابراہیم دسوقی رضہ کے ساتھہ ہوا تھا۔ ایسے ہی سیدی ابو المسعود بن ابی العشائر کو اسکے شیخ سیدی حاتم نے جان لیا تھا۔ اور یہی حال سیدی شیخ محمد مغربی کا سیدی شیخ عبدالرحیم قناوے کے ساتھہ ہوا تھا۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے۔ کہ وہ ایسے الفاظ سے پرہیز کرتا ہے جن سے کوئی دعوٰے یا تزکیہ نفس ظاہر ہوتا ہو مثلاً ہم تو اسوقت سے انسان بنے ہین جب سے فلانے شیخ کو ملے ہین (۲) کشف وکرامت تو ناقصون سے صادر ہوتی ہے کاملون کو اس سے کیا واسطہ وغیرہ وغیرہ تاکہ حاضرین کو خیال گزرے کہ یہہ کامل ہے۔ کیونکہ اس سے کبھی کشف وکرامت ظاہر نہین ہوئی یا کبھی کشف کا اظہار کیا ہو اور وہ واقع کے مطابق نہ ہوئی ہو جیسا کہ اکثر ناقصون کا حال ہے۔ کیونکہ گاہے ان پر کوئی امر منکشف ہوتا ہے۔ اور وہ اسکو ظاہر کر دیتے ہین اور نتیجہ برخلاف بر آمد ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی خبر مین صادق ہوتے ہین لیکن محو و اثبات تو خدا کے ہاتھہ مین ہے اور یہیم ہر وقت ہوتا رہتا ہے اور خدا پر کسی کا حکم نہین وہ کسی کا مقید نہین جو چاہے کرتا ہے۔ اور وہ خیال کرتے ہین کہ جیسا ہمنے ﷲ نکو دیکھا ہے ویسا ہی ہوگا اور خدا تعالٰے کی شان کو نہین سمجھتے۔ اسواسطے ادب یہہ ہونا چاہئے کہ اپنے کشف کو ظاہر نہ کرے بلکہ خاموش رہے اگر ظاہر کرے تو اسکا نتیجہ خود نہ نکالے اور اسکی تعبیر مین جلدی نہ کرے جب تک کہ خود خدا کی طرف سے اسکا نتیجہ ظہور مین

نہ آوے - اگر موافق ہوا فبہا ورنہ ادب سے خارج نہ ہوگا - حاصل کلام تو یہہ ہے کہ اہل کشف صاحب کرامت عزیز الوجود نادر و کمیاب ہین - کیونکہ عارف کہتے ہین کہ جسکا کہانا حلال کا نہ ہو وہ وساوس نفسانی و خواطر شیطانی و خیالات رحمانی و کمالات ربانی مین فرق نہین کرسکتا اور یہہ عزیز الوجود ہے تو بہلا کشف و کرامت کہان -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ جو اس پر احسان کرتا ہے اسکے ساتہہ للہ و بغرضانہ محبت کرتا ہے نہ اسکے احسان کے واسطے اور یہہ بات ذوق و حالت سے معلوم ہوسکتی ہے کیونکہ اسکی تمیز بہت ہی مشکل ہے کیونکہ دلون مین طبعاً اپنے محسن کی محبت مرکوز ہے - اس کو ذرا غور سے سمجہنا چاہیئے -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے - کہ اگر وہ کسی اپنے شیخ یا دوسرے بزرگ کی زیارت کے لیے جاتا ہے - تو اس حالت سے زیادہ طمطراق و شان و شوکت ظاہر نہین کرتا جو ہمیشہ معمولی حالت مین ہوتی ہے - کیونکہ جس کی زیارت کے لئے جاتا ہے اگر وہ فقیر ہے تو اسکی نظر ظاہر پر نہین پڑتی وہ باطن کو دیکہتا ہے اور مومن اللہ کے نور سے دیکہتا ہے - اور اگر صاحب دولت ہے - تو زیارت کرنے والا کو اپنے ریا کے واسطے اللہ تعالےٰ کے غضب سے ڈرنا چاہیئے - اور ایسا ہی ہونا چاہیئے جب کہ اسکے پاس کوئی اسکا مرید و معتقد آوے اور وہ اس وقت اپنے حالت مین ہو جس سے مرید کے اعتقاد مین فرق آتا ہو مثلاً ہنسی و مذاق مین ہو تو چاہیے کہ اس حال سے نہ بدلے بلکہ ہنسی و مذاق مین مصروف رہے کیونکہ اس مین تو نفس کی مخالفت ہے - اور ہنسی و مذاق کے چہوڑنے مین نفاق و ریا کا خطرہ ہے - اور نفس کی مخالفت بہ نسبت نفاق و ریا کے بہتر ہے - فضل بن عیاض کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص میرے پاس آوے اور اسکے دخول کے وقت اپنی ڈاڑہی کو ہاتہہ سے برابر کرون تو مجہے ڈر ہے کہ کہین خدا تعالےٰ کے نزدیک منافقون کے گروہ مین نہ لکہا جاؤن

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ ایسی حالت کا طالب نہین ہوتا کہ جس سے لوگون کی آنکہون مین تو بزرگ معلوم ہو اور خدا تعالےٰ کی آنکہہ مین حقیر - مثلاً جبہ و قبا اور دستار و عمامہ - کیونکہ یہہ قلت معرفت کی علامت ہے اسیواسطے کاملون نے ہمیشہ خلقت سے اپنے مقام کو چہپایا ہے اور اپنے درجہ کے اظہار و طلب رفعت و عزت کو اپنے آقا (خدا تعالےٰ) کے ساتہہ الوہیت مین شریک ہونا خیال کیا ہے - اور ان کا پوشیدہ ہونا کمال تحقیق کی علامت ہے - کیونکہ ان کا آقا اسکی جگہ مین پوشیدہ ہے جہان وہ ہین اسیواسطے وہ عام لوگون کے ساتہہ عبادات ظاہریہ مین شریک نہین ہوتے اور کرامات و خوارق کو چہپاتے ہین پس ان کے مرتبے کو وہی جانتا ہے جو ان کے مرتبے مین ہوتا ہے - گریا وہ خدا کی بیویان ہین کہ اپنے خاوند کے سوا کسی غیر کی طرف آنکہہ اٹہا کر بہی نہین دیکہتین پس کہان یہہ اور کہان وہ لوگ جو خواہشات نفسانی کے لیے چلے کاٹتے اور خلوت مین رہتے اور ایسے وظائف پڑہتے کہ جن سے جن قابو ہو جاوین تاکہ لوگون کا رجوع ان کی طرف ہو جاوے مگر ان باتون سے خدا تعالےٰ کا قرب حاصل نہین ہوتا بلکہ مفارقت و جدائی ہوتی ہے -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ مومنون کے لیئے تواضع کرتا ہے محض اللہ تعالےٰ کے حکم کی فرمان برداری کے لئے نہ کسی اور غرض کے لیئے مثلاً اس خیال سے کہ لوگ کہین وہ بڑا نیک خلق ہے - بزرگ ہے - اخلاق

نبوت سے آراستہ ہے نفس کش ہے وغیرہ وغیرہ کیونکہ فقیر ان تمام باتون سے فارغ ہوتا ہے۔ پس وہ اپنے شاگردون سے انکی صلاحیت و بہتری کے لیے شیرین کلامی سے پیش آتا ہے۔ نہ اس خوف سے کہ وہ متنفر ہو جاوینگے خصوصاً یہہ کام اس وقت بہت ضروری ہے جبکہ اسکا لباس و طعام و نان و نفقہ مریدون و شاگردون پر موقوف ہو۔ اور آجکل کے فقیر اکثر ایسے ہی ہین کہ جو کچھہ انکے پاس ہے وہ لوگون کے صدقات اور انکے اوساخ (میل) وہدایا ہین۔ اور اپنے ہاتھہ سے کما کر کہانے والے شاذ و نادر ہین۔ پس فقیر پر واجب ہے کہ حق و ہدایت کی تابعداری کرے۔ نہ اپنے حظوظ نفس کی اور محض اللہ تعالٰے کے واسطے شاگردون کو صالحین کی رستہ کی ترغیب دے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ اگر اسکا کوئی مرید کسی دوسرے بزرگ سے کچھہ حاصل کرنا چاہے۔ تو اسے منع نہ کرے بلکہ ترغیب دے جیسا کہ اپنے واسطے اسکو ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ قاصرون و ناقصون کا قاعدہ ہے۔ کہ اگر کوئی انکا مریدان سے کسی دوسرے سے فائدہ اٹھانے کے واسطے کہے تو وہ کہتے ہین کہ تجھے کسی کی ضرورت نہین ہے تو نماز پڑھتا ہے۔ قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ علم مین مصروف ہے بس اور کیا چاہیے لیکن جب خود ان سے کچھہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو کہتے ہین میان یہہ راستہ بڑا کٹھن ہے۔ اسکے امراض بہت ہین اور سوائے شیخ کامل و رہبر صادق کے یہہ راستہ چلنا مشکل ہے اور ہزار عیب اس مین نکالتے ہین۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ بہت لوگون کے زیارت و تعظیم سے (جس سے نفس کی طاقت بڑھتی ہے) خوش نہین ہوتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ کسی کے دل مین اسکی تعظیم نہ ہو اور گمنامی و عدم شہرت کو نعمت و رحمت خیال کرتا ہے اور نہین چاہتا کہ لوگ اسکی زیارت کو آئین بلکہ وہ خود انکی زیارت کو جاتا ہے۔ میرے شیخ نے ایک رسالہ مین لکہا ہے کہ تو لوگون کے آنیسے پہلے انکی زیارت کے لیئے کوشش کر۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے۔ کہ وہ حرکات ظاہرہ مثل خشوع و نماز مین کانپنا اور کندہون کا ملانا و سرنگون ہونا وغیرہ سے پرہیز کرتا ہے اور اندرونی حالت کو چھپاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص ان حرکات کو ظاہر کرتا ہے۔ باوجودیکہ ان کے روکنے پر قادر ہے۔ اسکی مثال اس شخص کی سی ہے جو پاخانہ مین ننگا بیٹھ جاوے اور اسکا دروازہ بند نہ کرے حالانکہ بند کرنے پر قادر ہو۔ پس جو اسے دیکھیگا لعنت کریگا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز مین کاندہے لائے ہوئے دیکہا۔ اسکو درے مارا اور کہا کہ افسوس خشوع کا تعلق دل سے ہے نہ جوارح سے۔ اگرچہ اس قسم کی حالت اکثر ریا پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن یہہ بھی ضرور نہین کہ جہان یہہ حالت دیکھی جاوے اسکو ریا پر محمول کیا جاوے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے۔ کہ وہ لوگون کی بہتری و بہبودی چاہتا ہے۔ اور انکو صنعت و دستکاری وغیرہ ذرائع معاش سے روزی حاصل کرنیکی ترغیب دیتا ہے۔ اور وظیفہ و صدقہ و خیرات وغیرہ مین بیکار رہنے سے منع کرتا ہے اگرچہ لوگ اسی کی خواہش کرین۔ کیونکہ وہ اپنی بہتری کے سمجھنے سے قاصر ہین اور وہ بتلاتا ہے کہ جو ساعت انسان کی کسی حرکت مین صرف ہوتی ہے جس سے وہ آپکو اور اپنے عیال کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ ہزار ولیمون مین حاضر ہونیسے اچھی ہے۔ جن مین حاضر ہونا اس پر واجب نہ تھا۔ ایسا ہی جائز نہین کہ وہ ان سے اپنی مجلس مین

حاضر ہونیکا معاہدہ ہوئے کیونکہ یہہ جہالت کی علامت ہی - کیونکہ اجتماع وافتراق کے اوقات مقسوم ہین اسواسطے معاہدہ نہ لینا ہی ادب الٰہی ہے - اور ہر شخص کو اپنے کام مین لگے رہنا اور وقت کو ضایع نہ کرنا ہی بزرگی ہے - عارفون کا قول ہے - کہ جو شخص اپنے وقت سے فائدہ نہین اٹھاتا اسکی بات کسی کو نفع نہین پہنچاتی پس عارف وہی ہے جو لوگون کو ان کے کامون اور پیشون مین ہی سلوک کا راستہ بتائے - کیونکہ دنیا سے الگ ہونا ہرگز فقیری نہین ہے -

مین نے عالم خیال مین فقرا کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ اپنے اعمال صالحہ سے دور پڑے ہوئے تھے - اور برے اعمال ان کے ساتھ تھے - مین نے ان سے پوچھا کہ تمہارے اعمال صالحہ تم سے جدا پڑے ہوئے ہین - جواب دیا کہ ان کو وہ لوگ لے گئے ہین جن کی ہم روٹیان کہایا کرتے تھے - کیونکہ ہمین عبادت کی طاقت ان کے لقمون سے ہوتی تھی پس اس قوت کا ثواب وہی لے گئے ہین - اسواسطے شارع عم نے (عمل بالید) اپنے ہاتھہ کی کمائی) کی ترغیب دی ہے - اور عارف کامل بھی ہمیشہ اسی کی ترغیب دیتے ہین - اور جہان تک ہو سکے دوسرون کے ہاتھہ کی طرف دیکھنے سے منع کرتے ہین - میرا دادا علی الشعراوی ایسا پرہیز گار تھا - کہ بھینس کا دودھ بھی نہ پیتا تھا - اس خیال سے کہ حیوان ضرور غیرون کا مال کہا لیتے ہین ایسا ہی ان کبوترون کا گوشت نہین کہاتا تھا جو لوگون کی کہیتون سے دانہ چنتے ہین - اور چکی اپنے ہاتھہ سے پیستے تھے اور جب پیسنے لگتے تو پتھر کو اٹھاتے اور اس سے پہلا آٹا صاف کرتے پھر اس کو دہوتے اور پیستے اور آخر عمر مین شہد کہانا بھی چھوڑ دیا تھا - کیونکہ کبھی لوگون کے مملوکہ شگوفون کو کہاتی ہے -

حکایت ہی کہ ایک شخص حسن بصری کے پاس ورع (پرہیز گاری) سیکھنے کے واسطے آیا - آپنے کہا کہ مین پرہیز گاری کی تعلیم کے لائق نہین ہون - کیونکہ مین نے بادشاہون کا مال کہایا ہوا ہے - لیکن تو کوفہ مین جا وہان ایک شخص ہے - جس کا کہانا ہر طرح سے حلال ہے - اسنے ایک گائے پال رکھی ہے - وہ اسکے کہیت مین سدا چرتی رہتی ہی اور اسی کہیت مین اسکے لیئے کنوان ہے جس سے وہ پانی پیتی ہے - اور اسی کہیت کے چارہ کو کہاتی ہے - اور وہ ایسے گائی کی دودہ پر گزارہ کرتا ہے - وہ شخص اسکے پاس گیا اور اس کو اسی حالت مذکورہ پر پایا اور اس سے تعلیم ورع کی درخواست کی اسنے پوچھا تجھے کسنے بھیجا ہے - کہا حسن بصری نے کہا اللہ تعالٰے حسن کے حال پر مغفرت کرے بیشک اسکے ساتھہ میرا اقرار تھا لیکن اب میرا حال بدل گیا ہے - اور وجہہ یہہ کہ ایک دن مین نماز مین مصروف ہو سی گائے کے حال سے بے خبر ہو گیا وہ میرے کہیت سے نکل کر میرے ہمسائے کے کہیت مین چلی گئی - جب آئی تو اسکے پاؤن مین اُس کہیت کی مٹی تھی جو میرے کہیت کی مٹی سے مخلوط ہو گئی - اب مین اس قابل نہین رہا کہ مجھہ سی پرہیز گاری سیکھی جاوے - دیکھو فقیر یہہ ہوتے ہین - پس اللہ تعالٰے کا شکر کر اگر لوگون کی روٹی اور ان کا مال تیرے پاس نہ آوے اور اسکے فوت ہونے پر غم نہ کہا -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ پہلے اپنی اصلاح کرتا ہے - پھر اپنے بھائی مسلمانون کی خیرخواہی ونصیحت مین مصروف ہوتا ہے - اور اس سے کسی قسم کا دعوے اور تکبر اور ان سے عزت وتعظیم کا حاصل کرنا مقصود نہین

ہوتا تھا اور اول اپنے اخلاق کی درستی اسواسطے ہے۔ کہ مغلوب النفس کے لئے لوگون کو نصیحت کرنا تیمم ہے (آن خویشتن گم است کرا رہبری کند) لیکن یہہ ضرور نہین ہے۔ کہ ناصح تمام عیوب سے پاک ہو کیونکہ اس صورت مین امر معروف و نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جائیگا اور یہہ قباحت صرف زجراً و توبیخاً ہے۔ کیونکہ امر معروف ہر شخص پر واجب ہے۔ اگرچہ وہ خود ایسا کام کرتا ہو جس سے منع کر رہا ہے۔ کیونکہ اس مین کسی کا فائدہ متصور ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے۔ کہ جب وہ راہ سلوک کی تلقین و تعلیم کے واسطے مبتلا کیا جاوے جس کے لائق وہ ابھی نہین ہوا ہے۔ تو اسے چاہیئے کہ وہ اس کو کسی غیر کے حوالے کرے اور اپنے واسطے یہہ حالت بہتر نہ سمجھے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ نفس اسکی طرف مائل ہو جاوے اور وہ بباعث نہ جاننے ان علامات کے جو تمیز نفس کو واسطے لازمی ہین۔ ہلاک ہو جاوے اور گمراہی کے گڑھے مین گرے اگرچہ ہوتا وہی ہے جو تقدیر مین ہے۔ اور اگر کسی کی تلقین اسکے ہاتھ سے ہی ہے۔ مگر حالت کمال تک پہنچنے سے پہلے اس کام کو شروع کرنا بے فائدہ ہے اور بے باکی ہے۔ کیونکہ صوفیہ کے نزدیک تلقین ایسے مرید کو کرنی چاہیئے جس کے حظوظ نفسانی دنیاوی و اخروی مر چکے ہون اور آجکل عوام کالانعام کے نزدیک تلقین اس بات کی علامت ہے کہ تلقین کرنے والا ولی اللہ ہے۔ پس اس کو چاہیے کہ تلقین کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک قسم کا ابتلا و مصیبت سمجھے۔ اگر ضرورت پڑے تو تشبیہ کے طور پر سکہلا دے۔ حقیقی و ذاتی طور پر اور خدا سے اس سے بچنے کی دعا کرے اور لوگون کے دلون کی تسلے کیواسطے ان کے حق مین خدا سے دعا مانگے کہ ان کو خیال سے نجات دے اور اس سے یہہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ تم اس دروازہ کو کہولنا پسند نہین کرتے۔ اور خلوت و عزلت کو چھوڑ دے۔ اگرچہ خلوت و عزلت بھی صوفیہ کے نزدیک اچھی ہے۔ اور اسکی وجہہ ہے۔ کیونکہ وہ خلقت سے بھاگنے مین آرام پاتے ہین اور ان کے مشاہدہ و مراقبہ مین ہرج نہین آتا۔ اور اگر وہ ان مین خدا کی ذات دیکھتے تو ان سے نہ کھتے۔ بلکہ خلوت مین جلوت کرتے کیونکہ جو یہہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ساتھہ ہے۔ وہ اس سے کیونکر بھاگ سکتا ہے۔ اور عبد کامل بھی وہی ہے۔ جو ظاہر مین خلقت کے ساتھہ ہو اور باطن مین خدا کے ساتھہ اور خلوت کو اس دلیل سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا مین خلوت کرتے تھے۔ امر شروع نہین بنانا چاہیئے کیونکہ بے ادبی ہے۔ اسواسطے کہ ان رموز کا اسرار کو کامل اولیاء کے سوا کوئی نہین جان سکتا اور خلوت و ریاضت سے سلوک کے راستہ پر چلنا صوفیون اور مشائخ کا طریقہ ہے نہ اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کیونکہ وہ تو ہر حال مین اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی تھے اور ان کو کسی مقام اور رتبہ کی ضرورت نہ تھی نہ دنیا مین نہ آخرت مین تاکہ اسکے حصول کے انتظاری کرتے۔ اور یہہ بھی یاد رہے کہ اگر خلوت سے اس کا منشا یہہ ہوتا ہے کہ اغیار سے فارغ ہو جاوے تو اغیار تو خلوۃ مین بھی پیچھا نہین چھوڑتے کیونکہ اسکا نفس اور مکان کی دیوارین و چھت و فرش و لوٹا و تسبیح و مصلے دکہانا و پینا تو ساتھہ ہی ہے۔ علاوہ اس کے جو شیخ کامل ہوتا ہے۔ اس کو لوگون کا ہجوم اور ان کی مجلس خدا کی رویت سے باز نہین رکھہ سکتی۔ پھر اسکو کیا ضرورت ہے کہ خلوت کرے ورنہ اسکا دعوے خلاف ہوگا۔ اور محض ادعا ہوگا۔ ماسوا اسکے خدا تعالیٰ کے ساتھہ ہر وقت خلوت ہو نہین سکتی اور ہر وقت محو و مستغرق رہنا محال

لہ یعنی یون کہے کہ فلان بزرگ یون کیا کرتا تھا۔ نہ یہہ کہ مین خود تمہین سکھلاتا ہون۔

ہے۔ سوائے قطب غوث کے کیونکہ اس درجہ مین یہہ کمالیت پیدا ہوجاتی ہے۔ کہ خلقت کو چہوڑکر صرف خدا سے خلوت کر سکے پس جب وہ نور (خدا) سے ملنے کے لیے اپنے کثیف جسم کو چہوڑتا ہے۔ تو دوسرے جسم (لطیف) سے جاملتا ہے۔ اور ایک ہی وقت مین دو جسمون سے تعلق نہین رکہہ سکتا اور یہہ خلوت ان اسرار و رموز سے ہی جو ظاہر نہین کیے جاتے اور کتاب و سنت مین یہہ باتین وارد ہین مگر اہل اللہ کے سوا دوسرے کو واقفیت نہین ہوسکتی یہہ میرے شیخ کا مقولہ ہی۔ اس تقریر سے ہماری غرض یہہ نہین ہی۔ کہ ان لوگون پر جو خلوۃ کو امر شرعی سمجھتے ہین انکار کیا جاوے۔ بلکہ مراد یہہ ہی کہ خواہ کسی حال مین ہو مگر اللہ تعالی کے سوا کسی کی طرف رجوع نہ کرے کیونکہ لوگون کی طرف مائل ہونیسے خدا کی طرف سے حجاب و حرمان ہوجاتا ہے۔ اور لوگون کے مائل کرنیکے لئے خلوت کرنی نہایت قبیح امر ہے۔ اور زیارت کرنے والے مریدون وغیرہ کے دل مین اپنی تعظیم و بزرگی کا بٹہانا ہے۔ کہ جب کوئی مرید آوے اور وہ شیخ کو خلوت مین پاوے تو شیخ کے آگے جہکے اور زمین پر سر رکہو اور یہہ حالت اہل اللہ کے نزدیک معصیت ہی۔ برخلاف اس کے کہ جب مرید آوے اور شیخ کو ہنسی و مذاق مین پاوے کہ اس وقت نفس کی شرارت کا چندان اندیشہ نہین ہے۔ لیکن یہہ بھی جائز نہین ہے کہ خلوت نہ کرنے والا خلوت کرنے والے پر اعتراض کرے کیونکہ کسی کو کسی پر اعتراض کرنیکا حق نہین ہے (كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ) کیونکہ ہر شخص اپنے خیال کے پیچہے چلتا ہے۔ بلکہ اپنی نفس کی حفاظت کرنی چاہئے اور اسکے دغدغہ و وسوسے سے غافل نہ ہونا چاہئے اور اگر خود سوار ہوا اور لوگ اسکے اردگرد پیادہ چلتے ہون تو اسکو فخر نہ سمجھے بلکہ لوگون کو منع کرے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ابو ہریرہ رض کو اپنے پیچہے چلنے سے منع کیا تھا اسیطرح ہمیشہ اپنے نفس کا نگران رہے اور دوسرے کی حالت کو برے خیال پر محمول نہ کرے۔ کیونکہ ہر مسلمان پر واجب ہی کہ اپنے مسلمان بھائی کی حالت کو نیک محل پر محمول کرے اور جو ایسا نہین کرتا وہ قلیل التوفیق مسلمان ہی۔ نووی نے شرح مہذب مین ایسا ہی لکہا ہے۔ اور اگر لوگ اسکی تعظیم و تعریف کرین اور ہاتہہ پاؤن چومین تو سمجھے کہ یہہ اللہ تعالے کی طرف سے ابتلاء ہے۔ اور ایسے ہی تمام حالات ظاہریہ صالحہ مین بھی خیال کرے اور اپنے اعمال کو ریا و نفاق و مخالفت السنۃ سے بچائے رکہے اگرچہ فعل کی ظاہری صورت رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے فعل کے مشابہہ ہی ہو کیونکہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی حقیقی اقتداء سے قاصر ہین۔ کیونکہ ان کی ہر قسم کی عبادت خلل و نقصان سے خالی نہین ہوسکتی اور ان کی حسنات (نیکیان) مقربون کے سیئات (گناہ) کے برابر ہوتے ہین۔ (حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ) کے یہی معنے ہین۔ فضیل بن عیاض کہا کرتے تھے کہ جو شخص کسی ریاکار کو دیکہنا چاہئے مجہے دیکہہ لے۔ معروف کرخی کہا کرتے تھے کہ مین چاہتا ہون کہ بغداد مین نہ مرون کسی نے پوچہا حضرت کیون کہا اس خوف سے کہ میری قبر مجہے قبول نہ کرے اور مین ذلیل ہون اور لوگ میرے جیسون کے ساتہہ بدظن ہوجائین۔ سیدی شیخ عبد العزیز دریني رض سے سفر کی حالت مین فقراء کی جماعت نے کرامت طلب کی اور وہ اسوقت شہر کے نزدیک پہنچے ہوئے تھے۔ مگر نظر نہین آتا تہا۔ انہون نے کہا حضرت ہمین یہان سے شہر دکہلادو۔ آپنے کہا سر اٹھاؤ اور دیکہو جب دیکہا کچہہ نظر نہ آیا انہون نے پہر ضد کی اور دکہلانیکی درخواست کی۔ تو آپنے فرمایا کہ اس سے زیادہ کیا

کرامت ہوگی کہ اللہ تعالے نے زمین کو ہمارے لیئے پکڑ رکھا ہے کہ ہم اس پر چلتے ہین اور ہمکو اس ہین ہمارے گناہون کے باعث خسف نہین کردیا۔ دیکھو یہہ ہے حال عارفون کا۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ اعمال شاقہ (قیام اللیل وتحمل اذی وغیرہ) مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتا ہے۔ اور صرف بال بڑہانے وصوف پہننے وجبہ ودستار وغیرہ اعمال ظاہریہ خفیفہ کوہی باعث فخر نہین سمجھتا۔ جو شخص اعمال ظاہریہ خفیفہ پر اتراتا ہے اور باطن مین خراب ہے اسکی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو جمعہ کے دن اپنے بدن اور کپڑون کو کتے کے پاخانے سے آلودہ کرے اور پھر ان پر گلاب چھڑکے وعطر لگائے اور اگر اسے کوئی کہے کہ ایسی حالت مین عطر وخوشبوئی کو خراب نکر۔ اپنے بدن اور کپڑون کو صاف کر کہ پہلے یہی ضروری ہے تو وہ جواب دے کہ مین سنت ادا کرتا ہون اور بدن اور کپڑون کی نجاست کی پرواہ نہین کرتا۔ اب عقلمند تبلائے کہ اس کام مین کیا فائدہ ہے پس عارف طہارت باطن کو صفائی ظاہر پر مقدم سمجھتے ہین اور وہی عارفون کا طریقہ ہے جب اللہ تعالے جسکی آنکھین کھولدیتا ہے اور اس پر امور ظاہریہ کی خباثت منکشف ہوجاتی ہے تو وہ اپنی ساری عمر اپنے نفس کے علاج مین لگا دیتا ہے۔ فضل بن عیاض رویا کرتے اور کہتے کہ جو کوئی ریاکار کو دیکھنا چاہے مجھے دیکھ لے۔ دیکھو بزرگ یہہ مین کہان یہہ اور کہان وہ جو ظاہر مین صلاحیت کے زیور سے آراستہ ہے اور باطن مین نجاست وخباثت سے آلودہ۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ سب سے ضروری اور اولے بات باطن کی صفائی ہے۔ اس کے بعد دنیا کی محبت ودرہم ودینار کی خواہش وغیرہ امور خفیفہ کا ترک کرنا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر مین رات کو کچھ نہین ہوتا تھا اور رسول اللہ صلعم خود اپنے ہاتھہ سے نمک وگوشت وغیرہ اشیاء خوردنی اٹھا لاتے تھے اور کسی کو اٹھانے نہین دیتے تھے اس کے علاوہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے بیشمار اخلاق تھے جن سے ان کے باطن کی صفائی کا ثبوت ملتا ہے۔ اور بازار جانے کو ہتک عزت وسبکی خیال نہ کرے اور بازاریون کے ساتھہ ملنے سے نفرت نہ کرے کیونکہ اس مین رعونت ونخوت پائی جاتی ہے۔ اور یہہ پایا جاتا ہے کہ وہ بازاریون کو اپنے سے حقیر سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس سے بہتر ہین اور ان سے لوگون کو بڑا فائدہ ہے۔ دیکھو کہ نانوائی وحلوائی ودرزی وموچی وبساطی وبقال وددیگر دکاندار کس گرمجوشی سے خلق خدا کی خدمت مین لگے ہوئے ہین اور اکثر اوقات فارغ رہتا ہے اپنے ہاتھہ سے کوئی کام نہین کرتا جس کا نفع لوگون کو پہنچ سکے اس سے معلوم ہوا کہ فقیر کو ایک حالت مین مقید نہین ہونا چاہیے اور دنیاوی عزت وناموس کا گرویدہ نہین ہونا چاہیئے مثلاً یہہ کہ کسی وقت مین بڑے عمامے اور وسیع چوغے کے سوا گزارہ ہی نہین ہوسکتا۔ بلکہ ہرحال مین پہرتا رہے جو مل جاوے پہین لے جو ہاتھہ آجاوے کہا لیوے خود روٹی پکا لے۔ گھر مین جہاڑو دے لے۔ یتیم وبیوون کی خدمت کرے پانی ان کے لیے بہر لادے۔ عوام سے ایسی گفتگو کرے کہ گویا انہین مین سے ہے اور اپنے کو ان سے ممتاز واعلے خیال نہ کرے اگر یہہ صفات اس مین نہ ہون تو جاننا چاہیے کہ وہ ننگ وناموس وعزت وحشمت طالب ہے۔ اور لوگون کا اس سے نفرت

نہ لینا بھی اس امر کی دلیل ہے۔ اگر لوگون سے کہا جاوے کہ تم شیخ سے خدمت لیا کرو تو وہ کہتے ہین کہ ہم شیخ سے کیونکر کام لین اور نہیں جانتے کہ بہ نسبت غیرون کے شیخ ہی خدمت کرنیکے قابل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اسکا نفس شائستہ و مغلوب ہوتا ہے وہ بہ نسبت دوسرون کے خدمت و کام کرنے کے واسطے جلدی منقاد و مطیع ہو سکتا ہے۔ لیکن جب وہ دیکھتے ہین کہ ان کا شیخ عزت و وجاہت و ریاست و شوکت کو چاہتا ہے انہون نے اس سے خدمت لینی ترک کر دی ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہین کہ شیخ اسکو باطن مین پسند نہین کرتا۔ شیخ جلال الدین المحلی عمدۃ المحققین مصری کا یہ حال تہا کہ بوڑہی عورتین اور محلے والے ان سے کام لیتے وہ ان کے لئے روٹیان پکاتے تیل نکالتے اور ہر قسم کی چیز بازار سے لا دیتے کیونکہ وہ جانتے تہے کہ انکے شیخ کا نفس مطیع و منقاد ہے۔ شیخ کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بہت لوگون مین بیٹھنے یا بازار وغیرہ مین جانے سے اسکی عزت کم ہو جاویگی اور لوگ اس سے نفع نہ اٹھاوین گے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار مین چلتے اور لوگون کے ساتہہ کہاتے پیتے تہے۔ ان کا کام صرف ابلاغ تھا۔ (مَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلَاغُ) اور اصل ہدایت اللہ کے ہاتہہ مین ہے۔ (لَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى) اور اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی مصلحت عام کیواسطے امر مذکورہ کا خلاف ہوتا تھا۔ تو شیخ کو ان پر اپنے حال کو قیاس نہین کرنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وساوس نفسانی و خواطر شیطانی سے معصوم ہین جب کوئی جماعت آپ کے پاس آتی تو آپ بلاشک ان کے صلاحیت کے واسطے اپنے ظاہری لباس کو درست کرتے۔ پانی کے گھڑے مین اپنے عمامے کو بیچ دیکھتے۔ عمدہ لباس پہنتے اور مٹی کے چبوترے پر بیٹھ جاتے تاکہ امتیاز ہو جاوے لیکن یہہ تمام امور اہل اسلام کی مصلحت عامہ کے لیئے تہے پس جو شخص اسی قسم کی غرض و نیت صادق سے ایسے کام کرے اسکے واسطے جواز کی صورت ہو سکتی ہے۔ مگر ناقص فقیر ضعیف العقل شیخ کو ایسے کامون مین بزرگون کاملون کی مشابہت سے بچنا چاہیئے کیونکہ اس کے واسطے مدارج و معارف کی بخوبی نہ جاننے اور شیطان و نفس ہتھکنڈو نسے پورے طور پر واقف نہ ہونیسے تباہی مین پڑنیکا اندیشہ ہے جیسا کوئی ناقص۔ سیدی علی بن وفا و سیدی شیخ مدین وغیرہ کامل عارفون کی طرح نفیس لباس و قیمتی پوشاک پہنے اور کہے کہ میرے لیئے بھی جائز ہے کیونکہ فلان فلان بزرگ پہنا کرتے تھے اور یہ نہ جانے کہ کہان رام رام کہان ٹین ٹین کجا ان کا مرتبہ کجا اسکا رتبہ ان سے تو کشف و کرامات کا ظہور صاف بتلاتا ہے کہ ان کا نفس مرچکا ہے اور وہ حظوظ نفسانی و لذات جسمانی کی قید سے آزاد ہو گئے ہین۔ کیونکہ خواہشات نفسانی کے ہوتے ہوئے کشف و کرامت کا صادر ہونا محال ہے۔ سیدی شیخ مدین کی کرامتون سے یہ ہے کہ ایک دفعہ آپنے مکان بنوایا۔ ختم ہونے کے بعد مکان کا ایک گوشہ کسی طرف جھک گیا۔ حاکم وقت نے اس کے بنانے والے کو سیاست کا ارادہ کیا یہہ حال سنکر شیخ مذکور نے اپنی پیٹھ اس گوشے کو اٹھایا اور سیدھا کر دیا۔ نیز ایکدفعہ ان کے کسی مرید کے درہمون کی تھیلی دریا مین گر پڑی اسنے شیخ کے پاس آکر خبر دی شیخ نے مصلے کے نیچے ہاتہہ ڈالا اور وہے تھیلی پانی سے بھیگی

ہوئی نکالکر اس کے حوالے کی۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ ان کے مرید کی بیٹی سے جنگل مین کسی نے بدفعلی کا ارادہ کیا شیخ اسوقت مصر مین بیت الخلا مین تھے۔ وہ لڑکی اس کے مقابلہ سے عاجز آچکی تھی شیخ نے وہان سے اس بدمعاش کی طرف تیر چلایا وہ اس کی گردن مین لگا اور لڑکی بُرے کام سے بچ گئی اور وہ تیر لیکر چلی آئی اور اپنے باپ کے پاس لائی اسنے پہچان لیا کہ شیخ کا تیر ہے پہر جب وہ مرید مصر مین شیخ کی زیارت کو آیا تیر اپنے ساتھہ لایا اور سارا قصہ سنایا۔ اسکے علاوہ کئی اور کرامتین اس شیخ کی نسبت مشہور ہین۔ بس اس قسم کے لوگ جیسا لباس چاہین پہنین۔ انہین ضرر نہین پہنچاتا۔ مگر ناقصون کے لیے جن کے اندر ابھی روشنی کی کرن پڑنی شروع ہوئی ہے۔ اور کمزور سی بتی جلنے لگی ہے۔ ان کے اس نور کو خواہشات کی ہوا فوراً بجھا دیتی ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ جو شخص یہ دعوے کرے کہ اس قسم کی چیزون سے اسے نقصان نہین پہنچتا اور وہ نفس پر قادر ہے اس پر ہم کو اعتراض نہین کرنا چاہئے بلکہ اس کے کام کو خدا کے حوالے کرنا چاہئے علاوہ اس کے لباس فاخرہ پہننا حرام نہین ہے۔ بلکہ ہر حالت مین مباح ہے۔ اور اعتراض اگر ہو سکتا ہے۔ تو محرمات کے مرتکب پر ہو سکتا ہے نہ کہ مباح کے فاعل پر۔ لیکن اس کے دعوے کی صداقت کی دلیل یہہ ہے کہ وہ پھٹے پرانے کپڑون سے ایک غیر معتقد کے پاس جانیسے شرم و عار نہ کرے تاکہ معلوم ہو کہ وہ نفس پر قادر ہے۔ ورنہ ثابت ہوگا کہ نفس کا غلام ہے اور اس کا دعوے باطل ہے۔ اور لباس فاخرہ پہننا کسی اور غرض کیواسطے ہے۔ اور کہنہ حالت مین معتقد کے پاس جانا لائق اعتبار نہین بلکہ اس حالت کے دیکھنے سے اسکا اعتقاد زیادہ ہوگا کیونکہ مرید اس کو ایک خاص حال پر محمول کرے گا۔ لیکن اس شخص کیواسطے جس کی حالت ایسی نہین جس سے اسکی تعظیم لوگون کے پیس ہوتی ہے۔ لباس فاخرہ کا کوئی خوف نہین۔ مگر یہ بلا اس زمانہ کے فقرا مین عام ہے۔ کیونکہ اکثرون کے باطن مین نور نہین ہے۔ اور لوگون کا تحال ہے کہ اچھے کپڑے والوں کی عزت کرتے ہین اور دوسرکی پروا نہین کرتے وہ اگرچہ اولیا ہی ہو جب فقرا کا یہ حال ہے۔ تو دنیا دارون کا کیا کہنا۔ (فافہم وتامل)

دیگر علامت اسکی یہ ہے کہ اگر کوئی اس کو نیکوکارون کے رتبہ سے خارج کرے اور ان کو نہ مانے تو اس سے خفا نہ ہووے۔ کیونکہ اگر وہ خدا کے نزدیک نیک ہے تو مخالف کے انکار اور مخالفت سے اس کی نیکی مین کچھہ نقصان نہین آتا۔ اور اگر نیک نہین ہے تو وہ سچ کہتا ہے اس کے کہنے کو کیون بُرا مانتا ہے۔ بس اس پر کسی وجہ سے خفا ہونا جائز نہین اور یہہ بھی نہین چاہیے کہ منکر کو معتقد بنانیکے لئے اسکے سخت کلام کے مقابلہ مین شیرین کلامی و نرم زبانی سے سلوک کرے کیونکہ جہان مین ہزارون مخالف و منکر ہوتے ہین اگر ایک خوش کرے گا تو دس پھر بھی مخالف و منکر ہی رہین گے اسیواسطے اسکی کوشش ہی لاحاصل ہے۔ اور فقیر کو ان باتون کی پروا نہین کرنی چاہئے اور اسکی نظر مین خدا کے سوا کسی کی محبت نہین ہونی چاہئے اگرچہ اس سے منزل مین تکالیف ہی برداشت کرنی پڑین۔ جو شخص لوگون کی تعریف سے خوش ہوتا ہے حالانکہ صلاحیت و تقوے سے عاری ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جسکا مرید کہتا پھرتا ہے کہ میرے شیخ سے پاخانہ کے وقت کستوری جیسے ہوا

بکلتی ہے اور وہ اس سے خوش ہوتا ہے - حالانکہ خود اس کو اسکی بدبوئی معلوم ہے پس اس سے زیادہ غرور کیا ہوگا
اور وہ کیونکر سالک و عارف کامل ہوسکتا ہے - حالانکہ لوگون کی تکلیف برداشت کرنے پر قادر نہین ہے
دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ ادب کی رعایت کرتا ہے - اور آپ کو اضعف ترین خلق اللہ خیال کرتا ہے
اور مرید کو یہہ نہین کہتا کہ جب شیطان تیرے خلوت کے وقت ذکر و فکر مین خلل ڈالے تو میرا نام پکارلو اس سے
شیطان بہاگ جائیگا کیونکہ اس سے معلوم ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو کامل عارفون سے خیال کرتا ہے - نیز جب کہ
شیطان خود اس کو پچہاڑ سکتا ہے - تو اس کے نام سے کیونکر بہاگیگا - عربی مثل ہے (اِذَا کَانَ الْغُرَابُ
مَقَارِعُ فَکَیْفَ بِالْحَامِضِ) مناسب یہہ ہے کہ اگر کچہہ مرید سے کہے تو یون کہے کہ جب شیطان آوے تو
اللہ کا نام یا نبی کا نام یا عمر بن الخطاب کا نام لے - کیونکہ شیطان ان کے سایہ سے بہاگتا تھا - اور جب
شیطان خدا کے نام سے نہ بہاگے تو کسی غیر کے نام سے کیونکر بہاگے گا - امام احمد بن حنبل کی روایت ہے - کہ
ایک رات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جن آئے پس شیطان بہی آیا اور اسکے ہاتہہ مین آگ کا شعلہ
تہا جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ جلانا چاہتا تہا پس جبرئیل ع آیا اور نبی صلعم کو چند کلمات
سکہلائے جن کے پڑہنے سے وہ آگ بجہہ گئی - بخاری رحمہ اللہ نے شیطان اور اسکے لشکر کی صفت مین ابو ہریرہ
سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صہ نے نماز پڑہی اور کہا کہ شیطان حاضر ہوا تھا جس سے مجہہ پر نماز کا ختم کرنا مشکل
ہوگیا لیکن اللہ تعالےٰ نے مجہہ کو اس سے نجات دی اور غلبہ دیا - پس شیخ کو ان احادیث مین غور کرنا چاہیئے
اگر کوئی شیخ کہے کہ مین اپنے نام سے استعاذہ اس لیے سکہاتا ہون کہ مرید دوسرے کے مرتبہ سے واقف نہین
ہوتا - اور جب تک کسی چیز کی حقیقت واقعی و اعتقاد صحیح معلوم نہ ہو انسان اس سے فائدہ نہین اٹہا سکتا -
تو ہم کہتے ہین کہ ادب یہ ہے کہ اپنے سے اعلےٰ کا ادب سکہلاوے - کیونکہ مقصود اس سے صرف مرید کی اصلاح
ہے - اور کسی کے ہاتہہ سے ہدایت ہونا صرف ایک واسطہ و ذریعہ ہے - اور حقیقی فاعل و ہادی اللہ ہے - پس
اس صورت مین خواہ کسی واسطہ سے کام چل جاوے برابر ہے تو بہتر یہہ ہے - کہ مرید کو دوسرے کا نام سکہلائے
تاکہ آپ غرور سے بچے اور اسکا مقصود بہی حاصل ہوجاوے اب مین شیطان کی طاقت کا حال سناتا ہون تاکہ
خلقت پر اس کا غلبہ معلوم ہوجاوے - سہل بن عبداللہ تستری کا قول ہے کہ مین شیطان سے ملا مین اس کو
پہچان گیا اور وہ بہی یہ بات سمجہہ گیا ہمارے مابین مباحثہ شروع ہوا - ہر طرف سے بڑے بڑے مسائل متعلق
پیش ہوئے - دونو طرف سے براہین قاطعہ کی بہرمار ہوئی یہانتک کہ وہ میرے علم سے اور مین اسکے علم
سے حیران ہوگیا - آخر شیطان نے اپنی نجات کے بارے مین آیت (وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ کُلَّ شَیْءٍ)[۲] پڑہی اور کہا کہ
یہہ آیت عموم پر دلالت کرتی ہے اور بتلاتی ہے کہ ہر شے پر رحمت ہوگی اور یہہ ظاہر ہے کہ مین بہی ایک
شے ہون جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مین بہی بخشا جاؤن گا - سہل نے کہا کہ بخدا مجکو اسنے ساکت کردیا اور

[۱] جب منہائی کو ڑے کی چوٹ لگتا ہے تو کہٹے کا کیا کہنا ہے - [۲] میری رحمت ہر ایک چیز کو شامل ہے -

مین حیران ہوگیا کہ اس کے ذہن مین وہ بات آئی ہے جو میرے ذہن مین گذری پہر مین جواب کیواسطے اسکے مابعد کے آیات دل مین پڑہنے لگا جب اس آیت پر پہنچا - (فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ)[1] تو مین خوش ہوا - اور خیال کیا کہ اب مین غالب آجاؤن گا - پہر مینے اس سے کہا کہ اے ملعون خدانے تو اس رحمت کو صفات مخصوصہ سے خاص کر دیا ہے جس سے وہ آیت درجہ عموم سے نکل جاتی ہے - اور اس کو وہ آیت سنائی شیطان فی الفور قہقہہ سے ہنسا اور کہا کہ اے سہل مجہے خیال نہین تہا کہ تو اس قدر جاہل ہے - اے سہل تیری ہوش کہان ہے - وہ تقیید جس سے تو اس آیت عام کو خاص کرنا چاہتا ہے تیری صفت ہے نہ خدا کی اور وہ تقیید تیرے لیے ہے - نہ خدا کے لیے سہل نے کہا اب تو مین نہایت شرمندہ ہوا - اور نہایت پشیمان ہوا اور اس کی اس تقریر کا کوئی جواب نہ بن آیا - پہر سہل نے کہا کہ مینے ارادہ کیا کہ اس سے معرفت کا طریق حاصل کرون اگرچہ خود اس نے اس سے فائدہ نہین اٹہایا ہے - کیونکہ کسی سے فائدہ اٹہانے مین کفر و اسلام کا خیال نہین ہوتا جیسا کسی نے کہا ہے - (اُنْظُرْ إِلَىٰ مَا قَالَ وَلَا تَنْظُرْ إِلَىٰ مَنْ قَالَ)[2] اس مناظرہ کو غور سے مطالعہ کرکے نتیجہ نکالنا چاہیئے -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ جب تک مرید کی حالت مین رہے شیخ کے حق مین حتی الامکان نیک اعتقاد رکہے اور ادب کو دل مین جگہ دے اور یہہ خیال نکرے کہ وہی اس زمانے کے تمام مشائخ سے کامل و افضل ہے کیونکہ اس مین اقطاب و ابدال وغیرہ کامل اولیاؤن کی بے ادبی ہے - اور ممکن ہے کہ اسکا خیال ظن پر مبنی ہو اور ظن جہوٹ ہوتا ہے - البتہ فضیلت وہ شخص دے سکتا ہے - جس کو الہام الٰہی و اعلام خدائی سے اسکی افضلیت یقینی معلوم ہوگئی ہو - قدوۃ المحققین زبدۃ العارفین شیخ محی الدین رض کا قول ہے - کہ ہر ایک نبی کے قدم پر ایک ولی ہوتا ہے جو اسکا وارث ہوتا ہے - یعنی ہر ایک زمانہ مین ایک لاکہہ چوبیس ہزار ولی ہوتا ہے - اور ان کے درمیان علم و معرفت مین وہی نسبت ہوتی ہے جو انبیا کے درمیان ہوتی ہے - یعنی جسطرح انبیا ایک دوسرے پر فضیلت رکہتے ہین اسیطرح اولیاؤن مین بہی بعض بعض پر فوقیت رکہتے ہین کبہی اولیاؤن کی تعداد عدد مذکور سے زیادہ بہی ہوجاتی ہے - جب یہ حال ہے تو کوئی مرید اپنے شیخ کو بغیر باقی عارفون سے ملنے اور ان کا رتبہ معلوم کرنے کے کیون کر سب پر ترجیح دے سکتا ہے امام ابوحنیفہ رح سے کسی نے پوچہا کہ اسود و علقمہ مین سے کس کو فضیلت ہے - آپ نے فرمایا کہ جب ہم ان کے حالات سے واقف نہین تو کسی کی نسبت کیا رائے قائم کرسکتے ہین دیکہو اس سے معلوم ہوا کہ بغیر علم کامل و شناخت وافر کے کسی کے حق مین کوئی رائے قائم کرنا حماقت و جہالت ہے -

دیگر علامت اسکی یہ ہے کہ وہ شیخی نہین بگہارتا اور یہہ نہین کہتا کہ ہمارا درجہ قطب کے رتبہ سے بڑہکر ہے

[1] میری رحمت متقیون کے لیے ہے اور جو زکوٰۃ دیتے ہین اور ہماری آیتون پر ایمان لاتے ہین +

[2] قول کی صداقت کو دیکہنا چاہئے نہ کہ قائل کی ذات کو +

کیونکہ اس مین بے ادبی ہے - اور اس کو کیونکر معلوم ہے حالانکہ وہ کبھی قطب سے نہین ملا - اگر اس کو کشف سے معلوم ہوا ہو تو اس کے لیئے جائز ہے لیکن خلاف ادب ہے - اور تقلیداً اس طرح کی کلام کرنا جائز نہین ہے - مثلاً مرید نے اپنے شیخ سے اس طرح کہتے ہوئے سن لیا اور وہ بہی کہنے لگا - غرض یہہ ہے کہ جو شخص اولیاء و اقطاب و ابدال کے مدارج سے ناواقف ہے - وہ تو ایسی کلام مین معذور ہے - لیکن جو شخص اس گروہ کا ہو اور مدارج و مراتب کی کیفیت سے واقف ہو اس کے لیے اس قسم کا دعوے نازیبا ہے - کیونکہ پیشہ در پیشہ در کو جانتا ہے - اور اپنے اور دوسرے کی حیثیت کو پہچانتا ہے -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ خود کسی سے سوال نہین کرتا اور نہ کسی سائل کو رد کرتا ہے - اور نہ ذخیرہ کرتا ہے اصحاب شاذلیہ کا یہی طریقہ ہے اور ہمارا بہی اسیوقت یہی قاعدہ ہے - اور یہی حلال ہے - اور اللہ سے دعا ہے کہ اسی طریقہ مین ترقی کے مدارج تک پہنچاوے -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے - کہ جو اسے شیخ و بزرگ بنا دے وہ اسکا شاگرد و مرید بنتا ہے - اور جو اسکا ہاتہہ چومے وہ اس کا پاؤن چومتا ہے اور وہ دُم کا بال بنتا ہے نہ سر کا - (یعنی تواضع کرتا ہے نہ تکبر) کیونکہ چوٹ سب سے پہلے سر مین لگتی ہے - اور لوگون کے عیوب سے چشم پوشی کرتا ہے - کیونکہ لوگون کے عیوب پر نظر ڈالنے سے اپنے عیوب بڑہتے ہین اور لوگ حقیر معلوم ہوتے ہین -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے - کہ اگر کوئی دوسرا بزرگ شہر مین آجاوے اور اسکے مرید اس کی طرف مائل ہو جاوین اور اس کی بیعت فسخ کر دین تو وہ اس سے رنجیدہ نہ ہو بلکہ خوش ہو اور کہے کہ اچھا ہوا کہ بلا ٹلی اور سر دردی گئی اب مزے سے خدا کی عبادت کرین گے - اور کوئی چیز مخل نہ ہوگی - اور اگر کبیدہ خاطر ہو جاوے تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ طالب شہرت و ریاست ہے - اور اسکی علامت یہہ ہے کہ جب اسکے سامنے اسکے کسی ہمسر و ہم عصر بزرگ کی تعریف کی جاوے تو رنجیدہ و تنگدل ہو جاوے خصوصاً جبکہ اس کے کسی معتقد کے سامنے دوسرے کا رتبہ بڑہایا جاوے اور اس سے معلوم ہوگا کہ وہ مشیخت و پیری کو ایک پیشہ و دوکانداری سمجھتا ہے اور یہہ خدا کے نزدیک نہایت مذموم امر ہے اور اس حالت مین اس کا کہانا پینا نان و نفقہ پاک حالت مین نہین ہے - اور ایسا شخص مالدارون و دولتمندون کے سامنے خضوع و فروتنی کرتا ہے - اور جب اس کے پاس آتے ہین تو ان کی بہ نسبت فقراء کے زیادہ تعظیم و تکریم کرتا ہے - اور ان کا آنا فخر سمجھتا ہے خصوصاً جب کہ عام مجلس و محفل کے وقت آوین - اور ان کے جدائی سے ڈرتا ہے - اس خیال سے کہ اگر وہ چھوڑ جائین گے تو ان کی طرف سے گندم و دودہ و شہد وغیرہ اشیاء کی مدد منقطع ہو جائیگی اور جو فقیر روٹی کی خاطر اس کے پاس پڑے ہوئے تہے متفرق ہو جائین گے - اور اسکی عزت و شہرت مین فرق آئیگا پس ایسا شخص اگرچہ دینداری و حسن سیرت کے زیور سے آراستہ ہو تاہم اسکا کہانا پینا کراہت سے خالی نہین ہے - اور وہ دنیا کو دین کے بدلے کہاتا ہے - اور نہین سمجھتا اور خیال کرتا ہے کہ وہ اس آفت سے بچا ہوا ہے - فضیل بن عیاض رحمۃ

کا قول ہے کہ میرے نزدیک طبل (ڈہول) و مزمار (بانسری وغیرہ) سے کماکر کہانا دین کے بدلے دنیا کماکر کہانیسے بہتر ہے - یہہ تو اس شخص کا حال ہے - جو دیندار و صالح ہے - لیکن جو بزرگ صلاحیت کے زیور سے عاری ہے اور لوگ صلاحیت و پرہیزگاری کے خیال سے اسکی خدمت کرتے ہین تو اس کا کہانا پینا سخت حرام ہے - یہہ بات سمجہنے کے قابل ہے -

دیگر علامت اسکی یہ ہے - کہ وہ دنیاداروں سے اپنی حاجت پوشیدہ رکہتا ہے اور اپنی بہوک و پیاس کو ظاہر نہین کرتا - کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بہوک سے پیٹ پر پتہر باندہ رکہتے ہے اور ظاہر نہین ہونے دیتے تھے اور صحابہ رضہ صرف چہرے کی زردی سے پہچان لیتے تھے - اور اپنی ضرورتون کو معتقدین اغنیاء کے سامنے کسی تعریض و اشارے سے بہی ظاہر نہ کرے مثلاً ان سے یون نہ پوچھے کہ بازار مین عمامہ وجبہ و دستار - جوتی و چپلی و رومال تہ بند و کوٹ وغیرہ کا کیا بہاؤ ہے - تاکہ وہ سمجہ جائین کہ فقیرون کو ان کی ضرورت ہوتی ہے - اور وہ جانین کہ یہ چیزین اس کے پاس نہین ہین تاکہ اس کے واسطے خرید لاوین اور یہ تعریض گویا تصریح ہے - لیکن یہہ بات یاد رہے کہ فقراء و غرباء کی مصلحت و فائدہ کیواسطے تعریض کرنا بنسبت اپنے نفس کے بہتر ہے اور اس مین عزت و صلاحیت ہے - اس پر ایک نقل یاد آئی بازاری کتے و شکاری کتے کا مباحثہ ہوا - بازاری کتے نے شکاری کتے کو کہا کہ کیا وجہ ہے کہ مین قانع ہون گری پڑی چیز پر گزارہ کرتا ہون بادشاہون اور امراء کی صحبت سے کنارہ کش ہون پہر بہی میری عزت نہین ہوتی مجھے ہانک دیتے ہین در پاس پہٹکنے نہین دیتے اور تو باوجودیکہ حریص ہے عمدہ عمدہ کہانے کہاتا ہے - امراء و وزراء کی صحبت مین رہتا ہے - تیری تعظیم کرتے ہین - پاس بٹہلاتے ہین گودیون مین اٹہاتے ہین شکاری کتے نے جواب دیا کہ تو جو کام کرتا ہے اپنے نفس کے واسطے کرتا ہے اور مین غیرون کے فائدے کے لیے - اسیواسطے تو ذلیل کیا جاتا ہے پہٹکارا جاتا ہے - اور میری عزت و توقیر ہوتی ہے - نیز شیخ کو ان باتون سے پرہیز کرنا چاہئے کہ مین غیب سے روزی کہا سکتا ہون اور ماہیت اشیاء کو بدل سکتا ہون لیکن ادب الٰہی کی خاطر نہین کرتا - کیونکہ ایسی باتون کا نقصان بنسبت نفع کے زیادہ ہے - اور قلب ماہیت کرنے والے اولیاؤن کی حکایتین ذکر کرنا اور پہر یہہ کہنا کہ یہ باتین کاملون کے شان کے لائق نہین ہوتین اس کے آپکو کامل ظاہر کرنا ہے - جو اور کاملون کے لائق نہین ہوتین -

دیگر علامت اسکی یہ ہے کہ وہ گدڑی پوشون مفلسون کی صحبت سے (جن کے کپڑون مین جوئین تک پڑی ہوئی ہون) نفرت نہین کرتا اور نہ اندہون وغیرہ بیکسون کو حقیر سمجہتا ہے - کیونکہ اللہ تعالے نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک اندہے کے حق مین عتاب کیا تہا - اور سورہ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی الخ نازل ہوئی تہی -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ وہ دوسرون کی شہرت و ناموری پر حسد نہین کہاتا - اور یہ نہین چاہتا کہ مین ہی زمانہ مین ممتاز و سرفراز ہون اور کوئی دوسرا میرا ہمسر نہ ہو کیونکہ ایسا کرنے والا شیطان کا

بھائی ہے۔ بلکہ شیطان سے معرفت مین کم۔ کیونکہ شیطان معرفت مین کامل ہے اگرچہ اس راستے پر نہین چلا ہے مین ناظرین کو شیطان کی کہانی سناتا ہون۔ مین ایک دفعہ عالم خواب مین شیطان سے ملا۔ اور باہم مذاکرہ شروع ہوا۔ ابلیس نے کہا کہ تمام اقسام کے طاعات و معاصی اللہ کے کمالات ہین کیونکہ اللہ کے اسمار متضادہ اپنی اپنی محل ظہور کے متقاضی ہین مثلاً اسم منتقم (انتقام و بدلہ لینے والا) ایسے وجود کا متقاضی ہے جس سے انتقام لیا جاوے اور ایسے وجود گناہگارون کے ہوتے ہین جس سے معلوم ہوا کہ اسکے منتقم و اس صفت سے موصوف ہونیکے لیے گناہگارون کا ہونا لازمی ہے۔ ایسا ہی اسم رحیم ایسے وجود کو چاہتا ہے جس پر رحمت کی جاوے تاکہ خدا کی صفت رحیمیت کا محل بنے اور یہ وجود فرمانبردارون کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رحیم وغیرہ اوصاف جمالیہ سے موصوف ہونیکے واسطے نیکوکارون کا ہونا بھی ضروری ہے پس کوئی وجود طاعت و معصیت سے خالی نہین تاکہ وہ اپنے اپنے وقت پر اللہ تعالےٰ کی صفات جمالیہ و جلالیہ کے ظہور کا محل ہوسکے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ہر ایک اسم اپنے محل وقوع کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اوامر و نواہی کا خطاب ہر مومن و کافر و طائع و عاصی وغیرہ ارواح کو شامل ہے۔ اور حقیقت مین ہر چیز اسکے امر کے تابع ہے اور نہی کا اطلاق اس اعتبار سے ہوتا ہے جب انسان انکار کو اپنی طرف منسوب کرلیتا ہے۔ اور ہر وقت زمانہ مین ہر شخص پر اسمار الٰہی کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص صفت انتقام کا محل ہوتا ہے۔ جب وہ مدت گزرجاتی ہے تو اس پر رحمت و لطف کے احکام جاری ہوتے ہین اور اسم رحیم کا مورد ہوجاتا ہے۔ گویا تمام مخلوق اس کے ارادہ کو پورا کر رہی ہے اور اس کے منشا کا محل بنی ہوئی ہے۔ اور تمام امر کے ساتھہ مخاطب ہین پس جو امر کو تسلیم کرلیتا ہے مطیع کہلاتا ہے اور جو انکار کرتا ہے عاصی و شقی پکارا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت مین یہہ بھی اسکے ارادہ کو پورا کر رہا ہے۔ کیونکہ یہہ اسم قہار کا محل ہوکر اسکی صفات کو ظاہر کر رہا ہے۔ ورنہ انسان ضعیف البنیان کی کیا ہستی ہے کہ اسکے امر سے سر پھیرے اور اپنے ارادہ کو اسکے ارادے پر غالب کرلے۔ پس انسان ہر وقت اسمار الٰہی کے ہاتھہ مین اسیر ہے۔ ایک اسم کو چھوڑتا ہے تو دوسرے کو قبول کرتا ہے۔ اگر ایک صفت کے مورد ہونے سے نکلتا ہے تو دوسری صفت کا محل ہوجاتا ہے۔ اور انسان کا انکار و مخالفت کی حالت مین معاتب و مواخذ ہونا اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرنے اور اسم الٰہی کی طرف مضاف نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ یہان تک ابلیس کی کلام کا مضمون ہے۔ دیکھو یہہ لعین اسمار الٰہی کے مفہوم سے کیسا واقف ہے۔ اور کیسا بڑا عارف ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ اپنے (ہمعصر) کے حق مین مذمت سے زبان نہین کھولتا نہ تصریحاً نہ تعریضاً کیونکہ تعریض بھی تصریح کے حکم مین ہوتی ہے۔ لیکن اس عادت کی مشق کم فقرا مین پائی جاتی ہے۔ اور اس سے بچنا بہت مشکل ہے البتہ مدعیون (جھوٹے دعویدار) کے بعض عیوب ظاہر کرنے مین چندان مضائقہ نہین ہے۔ بشرطیکہ نیت یہہ ہو کہ لوگ اسکی تابعداری سے بچین اور اسکے دام تزویر مین نہ پھنسین جیسا

کہ آج کل اکثر قاصرون کا حال ہے - اور جو صرف جبہ و دستار و ٹوپی و رومال کے شیخ ہوتے ہین نہ کسی کمال وفضل وکشف وکرامت کے لیکن مذمت کے دروازے کو عام طور پر بھی نہین کہولنا چاہیئے اور اس فعل کو نصیحت وخیرخواہی کی آڑ مین اپنے ہمسرون کی ہتک عزت کا ذریعہ نہین بنانا چاہئے اور اپنے ہمعصرون کے حق مین یون نہین کہنا چاہیے کہ فلانے سے کوئی تجلی وتعلی واقع نہین ہوئی حالانکہ قوم (صوفیہ) کے نزدیک سلوک معرفت کی یہی علامت ہے - اور اسنے اس طریق کا ذائقہ نہین چکہا - اور اگر اسنے کچھہ چکہا ہوتا تو البتہ ہم کو اسکی مذمت وحقارت کی توفیق نہ دیتا وغیرہ وغیرہ) کیونکہ یہ غیبت ہے اور غیبت حرام ہے - علاوہ اس کے یہہ وساوس نفسانی ہین اسیواسطے ایسے دو فقیرون کا ملنا مشکل ہے - جن کے درمیان صفائی وہمت واتفاق ویگانگت ہو بلکہ برخلاف اسکے ان کا یہہ حال ہوتا ہے کہ اگر ان مین سے ایک کسی ولیمہ یا عرس وغیرہ موقع پر بلایا جاوے اور اس کو معلوم ہو جاوے کہ کوئی دوسرا اسکا بہائی (فقیر) بہی وہان موجود ہے تو وہ اسے منظور نہین کرتا کیونکہ وہ اس سے ملنا نہین چاہتا - واقع مین ایسے لوگ بہائم سے بدترین اور لوگ ان کی شامت اعمال سے مصیبت وبلائین ہین اور انہین لوگون کے وجود سے قحط ووبا نازل ہوتی ہین - اور اگر دنیا مین بہائم ودیگر بے زبان حیوان نہ ہوتے - جنکے خاطر اللہ تعالی باران رحمت برساتا ہے - تو انسانون پر بارش نہ ہوتی اور بہلے وبرُے سب ہلاک ہو جاتے - یہہ اس حدیث کا مضمون ہے جو حضرت عائشہ رضہ صدیقہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی - اور عائشہ رضہ نے پوچہا تہا - کہ کیا ہم ہلاک ہو سکتے ہین حالانکہ ہم مین نیکوکار بہی ہوتے ہین - آپنے فرمایا تہا کہ ہان اے عائشہ رضہ جب خباثت کثرت سے پہیلتی ہے - تو نیکوکار وبدکار ہر دو عذاب کے شکنجہ مین کہینچے جاتے ہین - پس ایسے مدعیون لوگون کے ساتھ استسقا وغیرہ اوقات حاجت ودعا مین باہر نہین نکلنا چاہیئے - کیونکہ اکثر ان کی وجہ سے اجابت نہین ہوتی کیونکہ ان کے باطن دعوے سے بہرے ہوتے ہین اور وہ آپ کو مقرب بارگاہ الٰہی سمجہتے ہین اور دعا کے لئے لوگون کے آگے کہڑے ہوتے ہین اور اپنے کو لوگون سے بڑا خیال کرتے ہین اور سمجہتے ہین کہ ہمارے سبب سے لوگون پر بارش ہوتی ہے - اور یہہ تمام خیالات خلاف ادب وعبودیت ہین ان سے تو منکر وملحد اچہے ہین اور ان کے دل تو پتہر سے بہی زیادہ سخت ہین -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ جب اسکو اپنے شیخ یا کسی دیگر کامل سے تلقین کی اجازت مل جاوے تو اپنے پیر بہائیون ومریدون وشاگردون کی نصیحت سے بے پرواہ نہ سمجہے بلکہ ان کو صراحتًا اجازت دے کہ اگر کوئی عیب مجھہ مین دیکہین تو مجہے نصیحت کرین اور اس سے مطلع کرین خصوصًا ایسی حالت مین تو یہ کام بہت ہی ضروری ہے جبکہ معتقدین کے دل مین اسکی بہت عزت وتعظیم ہو اور اسکے آگے سر نگون بیٹھتے ہون اور نہایت ادب وتعظیم بجالاتے ہون - عمر بن الخطاب رضہ نے ایکدفعہ اپنے اصحاب کی آزمایش کا ارادہ کیا اور کہا کہ اگر مین حق کے طریق سے منحرف ہو جاؤن تو تم میرے ساتھہ کیا کروگے انہون نے کہا کہ ہم تیرے

سر کو تلوار سے اڑا دین گے - حضرت عمر رضہ خوش ہوئے اور کہا کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے - پس جو شیخ فاضر ایسا نہ ہو اور اس سے ایسے افعال صادر ہوتے ہون جو ظاہراً خلاف شرع ہون تو اسکو اپنے مریدون سے یہہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اس کے افعال خلاف شرع کو تاویل سے شرع کے مطابق کر لیا کرین ہان البتہ اگر کاملون سے ایسے افعال صادر ہون اور وہ لوگون کو ان کی تطبیق و تاویل کے لیئے حکم دین تو جائز ہے - کیونکہ ان کے نفوس وساوس شیطانی و خواطر نفسانی سے پاک ہوتے ہین اور وہ اپنے طرف سو سیدھے راستہ پر ہوتے ہین اور ان کی قوت ضمیر (کانشنس) ہر حال مین تربیت یافتہ ہوتی ہے - اور ان کا حکم دینا مریدون کی مصلحت کیواسطے ہوتا ہے - لیکن جس کا ایسا حال نہ ہو وہ کیونکر اپنے مریدون کو کہہ سکتا ہے کہ اسکے سارے افعال کو شرع پر محمول کیا کرو حالانکہ اس کا نفس ابھی کدورتون سے صاف نہین ہوا پس کہان یہہ اور کہان وہ عارف حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو میرے پاس میرے عیوب کا تحفہ لاوے اور حذیفہ بن یمان کے گھر جاتے اور کہتے کہ اے حذیفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر وقت ندیم تھا اور منافقون کو پہنچانتا تھا - مجھے تو دیکھہ اور بتلا کہ مجھہ مین کتنا نفاق ہے - حذیفہ رضہ فرماتے یا امیر المومنین بخدا آپ مین کوئی نفاق کی علامت نہین ہے - حضرت رضہ فرماتے کہ اچھی طرح دیکھہ پس حذیفہ رو پڑتے اور حضرت عمر رضہ بھی رونے لگتے اور دونو روتے رہتے یہان تک کہ ہر دو بے ہوش ہو جاتے حذیفہ رضہ تو حضرت عمر رضہ کی بے نفس کلام سننے سے روتے اور حضرت عمر رضہ نامعلوم نفاق کے خوف سے روتا - دیکھو کمال یہہ ہے کہ حضرت عمر رضہ اپنے نفس کو نفاق سے متہم کرتے ہین باوجودیکہ (لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ) سے ان کے جنتی ہونے کی شہادت اور خدا کی رضامندی کی خوشخبری مل چکی ہے اور وہ بلاشک بیعت الرضوان والون سے ہین پس جب حضرت عمر رضہ کا یہہ حال ہے - تو ہمارا کیا حال ہوگا اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے اور دوزخ کے عذاب سے بچاوے - سیدی قطب ربانی احمد عارف کا قول ہے - کہ جو شخص ہمیشہ اپنے نفس کو متہم نہین کرتا وہ کاملون کے دفتر مین نہین لکھا جاتا -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے - اگر کوئی شخص اس کا نام بغیر ملانے لفظ سیدی یا شیخی کے پکارے تو وہ برا نہین مانتا - کیونکہ یہہ صحیح کلام ہے بخلاف اس حالت کے کہ اگر وہ خدا کے نزدیک شیخ یا سید نہ ہو اور لفظ شیخ یا سید سے پکارا جاوے تو پکارنیوالا جھوٹ مین پڑے گا - پس شیخ کو چاہیے کہ جو شخص اسکے سادہ نام کو پکارے اسکو گستاخی و بے ادبی پر محمول نہ کرے - لیکن شاگردون کو شیخ کا نام لیکر نہین پکارنا چاہیئے کیونکہ وہ ادب کے واسطے مامور ہین پس ان کو چاہیے کہ شیخ کے نام کے ساتھہ لفظ یا شیخ یا سیدی مولانا وغیرہ لگا کر پکارین -

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ اگر اسے رونا نہ آوے یا خوف و خشیت کی حالت طاری نہ ہو تو اپنے نفس کی مدد کے لیے ایسی باتین نہین بناتا - کہ رونا اور رقت و خوف و خشیت ناقصون کا کام ہے - کامل ایسی چیز دل

سے متاثر نہین ہوتے کاملون کو ایسے کامون سے کیا واسطہ اور اپنی تائید مین ابوبکر صدیق رضہ کے اُس قول کو (جو انہون نے ایک شخص کو قرآن سننے سے روتا دیکھہ کر کہا تھا کہ ہم بھی ایسے تھے یہانتک کہ ہمارے دل سخت ہو گیئے) پیش نہین کرتا اور یہہ بھی نہین کہتا کہ ایک دفعہ لوگون مین سماع کے سننے سے حرکت پیدا ہوئی اور حضرت جنید وجد مین نہ آئے لوگون نے اعتراض کیا تو آپنے کہا (تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ) یعنے ہم پہاڑ ہیں تم لوگ ہماری حرکت کو محسوس نہیں کر سکتے۔ وغیرہ وغیرہ حکائتیں بالکل بیان نہیں کرتا کیونکہ اول تو وہ اُنکے درجہ کا نہیں ہے جنکی وہ حکایات پیش کرتا ہے۔ دیگر بتقدیر تسلیم کیا وہ ہر حال میں اُن کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن اصلیت تو یہ ہے کہ عارفوں پر ہمیشہ رونا و خوف غالب رہا ہے۔ یہانتک کہ ابوبکر صدیق کہا کرتے تھے کہ کاشکے میں پرند ہوتا یا گھاس کا تنکا ہوتا۔ اور حضرت عمر رضہ کا قول تھا کہ کاشکے مجھے ماں نہ جنتی۔ حضرت عائشہ رضہ کا مقولہ تھا کہ کاشکے میں کچھہ نہ ہوتی۔ فضل بن عباس رضہ کا قول ہے کہ مجھے نہ کسی رسول پر رشک آتا ہے نہ کسی ملک مقرب پر نہ کسی نبی و ولی پر۔ مجھے تو اُن پر رشک آتا ہے جو پیدا نہیں ہوئے یعنے میں افسوس کرتا ہوں کہ میں پیدا ہی کیوں کیا گیا۔ سید عمر بن عبد العزیز کا ذکر ہے کہ ایک شخص کو اُنکے محل کے نیچے رات کاٹنے کا اتفاق ہوا۔ اُسپر پانی گرا۔ حالانکہ آسمان بالکل صاف تھا وہ حیران ہوا اور سبب دریافت کرنے کے واسطے چُبارے پر چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ عمر بن عبد العزیز سجدہ میں سر رکھے ہوئے رو رہے ہیں آنسو پرنالے سے بہہ رہے ہیں۔ اب اس بھلے مانس سے پوچھنا چاہئے کہ کیا وہ ناقص تھا اور تو کامل ہے۔ پس انسان کو سمجھنا چاہیئے اور ادب اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ادب میں ہی بڑی برکت ہے۔ اور گذشتہ اولیاؤں کو اُن کی کلام میں تلوین (ایک حالت پر رہنا بلکہ ہر ایک درجہ میں رنگ بدلنا۔) ہونے سے بُرا نہیں ماننا چاہیئے۔ کیونکہ جو اُنھوں نے کرنا تھا کر چکے اُن کے اعمال اُنکے ساتھہ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھہ۔ تو پھر کسی کو بُرا کہنے سے کیا فائدہ۔ علاوہ اسکے جو شخص مثلاً یہ کہتا ہے کہ شیخ عمر بن الفارض و شیخ محی الدین وغیرہ ارباب تلوین ہیں۔ اُسنے ابھی تلوین کا مزہ بھی نہیں چکھا چہ جائیکہ درجہ تمکین تک پہونچا ہو۔ پس جو شخص ایسا کہتا ہے وہ غالباً تقلید سے کہتا ہے۔ اور یہ تقلید رسالہ قشیری وغیرہ فقہائے صوفیہ کی رسالوں کی بناء پر ہوتی ہے۔ اور لطف یہ کہ لیا تعلداً اُنکی مُراد نہیں سمجھتا۔ کیونکہ تلوین کو بُرا ماننے والوں کی مراد وہ تلوین ہوتی ہے جو بلا تمکین ہو۔ کیونکہ اُن کے نزدیک کامل وہی ہے جو تلوین میں تمکین (پورا و مستقل) رکھتا ہو۔ اگر یہ مراد نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے حق میں (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) موزون نہ ہوتا۔ پس کامل وہی ہے۔ جو ہر لحظہ بیٹھے کہتا ہے۔ اور ہر سانس کے تغیر و تبدل کو جانتا ہے۔ اور ہر لمحہ ترقی کے زینے پر چڑھتا ہے۔ اور ہر نفس کا حساب لیتا ہے۔ اور جو شخص نہیں جانتا کہ ہر لحظہ اُسکے اندر کیا کیا آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ وہ خدا کی معرفت سے ناواقف ہے۔

ؔ تم پہاڑوں کو تھمے ہوئے خیال کرتے ہو حالانکہ وہ بادلوں کی طرح دوڑ رہے ہیں۔

اور اپنے نفس اور جہان کی حقیقت سے جاہل ہے۔ پس تجھے اولیاؤں کے حالات پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے کہ تیرا اعتراض تیری حماقت و عدم واقفیت کی دلیل ہوگا۔ اور اس پر کوئی ثمرہ مترتب نہیں ہوگا کیونکہ جو عالم آخرت میں چلے گئے ہیں تو اُن سے مؤاخذہ نہیں کر سکتا۔ نیز اس کلام سے کہ فلاں ناقص تھا۔ تجھے کیا فائدہ ہے۔ اس تقریر مزبور سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ خدا کی بارگاہ میں گریہ وزاری نہ کرنا نقصان مرتبہ و قساوت قلب کی علامت ہے۔

سلف سے جو اسکے برخلاف منقول ہے کہ وہ نہیں رویا کرتے تھے۔ یہ کسی نادر وقت میں ہوتا تھا اور نادر پر حکم نہیں ہوتا۔ لیکن کمزوروں ناقصوں کا قاعدہ ہے کہ جب اپنے سے کچھ ہو نہیں سکتا تو اپنے مناسب حال حکایتوں سے استدلال لاتے ہیں۔ اگرچہ وہ بات کسی کامل سے ساری عمر میں ایک ہی دفعہ ہوئی ہو۔ مگر وہ ناقص اپنی مطلب برآری کے واسطے اُس نادر موقعہ کو پیش کرتا ہے۔ اور اُسکے اکثر حالات کو جو اُسکے مخالف پڑتے ہیں چھوڑ دیتا ہے۔

دیگر اسکی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال صالحہ پر بھی اعتماد نہیں کرتا تو پھر ایسے اعمال کا جن میں نفس کی مداخلت ہی ہو کیا کہنا ہے۔ میں نے ایک یہودی کو سُنا کہ وہ دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ کہ اپنے نفس کو ہرگز نیک خیال نہ کرنا اور اسکے ہتھکنڈوں سے غافل نہ ہونا اور اعمال کو نفس کی مداخلت سے بچانا کہ ایسے اعمال بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہوتے۔ پس جب یہود کا یہ حال ہے تو ہم مسلمانوں کو اپنے حال پر رونا چاہیئے۔ اور اپنی حالت کا ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ افسوس کہ اس زمانے میں مشایخ کا ایک دوسرے کو نصیحت کرنے کا دروازہ بند ہو گیا ہے کوئی کسی کو نصیحت نہیں کرتا اگرچہ ایک کو دوسرے کے عیوب معلوم ہی ہوں۔ قاصرین کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر کوئی اِن کو نصیحت کریگا اور ان کے عیوب کا اظہار کرے گا تو اُسکے معتقد خیال کرینگے کہ یہ ناقص ہے۔ ورنہ دوسرا اُس کو کیوں نصیحت کرتا۔ اور اُسکے عیوب کیوں ظاہر کرتا۔ حالانکہ سلف صالحین کے درمیان نصیحت و خیر خواہی و اظہار سہو و خطا و بیان عیب و گناہ کا دروازہ کھُلا تھا۔ اگر کسی سے کوئی خطا و متابعت ہوا سرزد ہوتی تھی تو اُس کو توبیخ و سرزنش کرتے تھے اور وہ اُس سے خوش ہوتا تھا۔ جب یہ معلوم ہوا تو تجھکو چاہیئے کہ کسی کی نصیحت و خیر خواہی و اظہار عیب و بدراہی کو بُرا نہ مانے اگرچہ اُس سے تیرے معتقدین کے دل میں تیری عزت نہ رہے۔ اور خلقت تیری مذمت کرے۔ بلکہ تجھے اپنے دل میں ٹھان لینا چاہیئے۔ کہ تو حقیقت میں فقیر نہیں ہے مگر عوام کے نزدیک۔ اور تو کامل فقراء کے درجے میں نہیں ہے نیک آدمی وہ ہے جو لوگوں میں مستور ہے۔ اور مشیخت و بزرگی کی لاف نہ مار۔ کیونکہ فقر نور ہے۔ جبتک فقیر اُسے چھپائے رکھے۔ یاد رہے کہ جب تجھے کسی ناقص و قاصر کی ملاقات کا اتفاق پڑے تو اُسکے سامنے کسی خواب و القاء و کشف و کرامت کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیئے اور نہ اُس پر اپنی فضیلت ظاہر کرنی چاہیئے کہ اس سے اُسکی طبیعت مکدر ہو جائیگی۔ بلکہ اس سے دعا کی درخواست کرنی چاہیئے اور متعلموں کی سی ہیئت بنا کر اُس سے نصیحت و اظہار عیوب کا طالب ہونا چاہیئے۔ تجھ سے کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جس سے وہ معلوم کرے کہ تو مشیخت و بزرگی کا طالب ہے۔ کیونکہ اُسی وقت اُسکا نفس سر اُٹھائے گا اور تیری کلام سے فائدہ نہیں پائیگا۔

یہ بھی یاد رکھ کہ اگر کوئی تجھے نصیحت کرے تو تو اُسکے حق میں یوں نہ کہیو کہ واہ سبحان اللہ دیکھیئے فلانا ہمیں نصیحت کرتا ہے۔ مگر کیا کرے بیچارہ معذور ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ فقراء کو بھی ایسی نصیحتوں کی ضرورت ہوتی ہے حالانکہ نہیں جانتا کہ فقراء کدورات بشریہ سے صاف ہوتے ہیں اور ایسی نصیحتوں کی ضرورت فقہا اور عوام کو ہوتی ہے۔ نہ فقراء کو جن سے شیطان کا لشکر بھی بھاگ جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ اُس سے لوگوں کو یہ جتلانا ہے کہ تو عیوب و گناہوں سے پاک ہے اور اپنے آپ کو فقراء کاملین کے زمرہ سے شمار کرتا ہے۔ نیز اُسکی نصیحت سے تیرا نفس برانگیختہ نہوا اور ایسا نہو کہ تو اُسکی تردید میں کوئی رسالہ لکھ مارے۔ اور ناقصوں کی کلام کو اپنی تائید کے لیئے آڑ بناوے۔ کیونکہ اس میں نفس کی اعانت ہے۔ اور اُسکا وبال و نقصان تیری طرف عائد ہوگا۔ نیز جب کوئی تیرا ہم عصر تجھے نصیحت کرے تو اُسکے حق میں یہ نہ کہو کہ وہ غیرت و رشک سے نصیحت کرتا ہے۔ اور جلتا ہے کہ لوگ اسپر کیوں جمع ہوتے ہیں اور چاہتا ہے کہ لوگ میرے پاس آویں اور مجھ سے استفادہ کریں" وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی نہیں کہنا چاہئے کہ یہ کام میرے اختیار میں ہے اگرچہ حق ہی ہو۔ کیونکہ اس شکل میں یہ حق بھی باطل ہوتا ہے نیز ایسی باتوں سے بھی پرہیز کرے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو لوگوں کی مصلحت کیواسطے مقرر کرتا ہے تو چار و ناچار اُس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالدیتا ہے کیونکہ نفس ایسی باتوں سے خوش ہوگا۔ جو اسکے حق میں سم قاتل ہے علاوہ اسکے ایسی باتوں سے پایا جاتا ہے کہ تو اپنے نفس کو عیبوں سے پاک سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اُن لوگوں کے گروہ سے خیال کرتا ہے جو خلقت کی صلاحیت و بندوں کی ارشاد و ہدایت کے واسطے مبعوث ہوتے ہیں گویا تو رسول اللہ صلعم کا نائب ہے۔ لیکن غور و فکر کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تیرے وجود سے تو باورچیوں۔ گرما گرم چنے بیچنے والوں۔ تیل فروشوں زمینداروں وغیرہ دوکانداروں کا وجود زیادہ مفید ہے۔ اور اسمیں اندھا بھی شک نہیں کرسکتا۔ کیونکہ انسانی ضروریات اور اُسکی زندگی تمام قسم کی دستکاریوں اور حرفتوں سے وابستہ ہے۔ نانبائی و روٹی مہیا کرنے والی کی قدر بھوکا جانتا ہے اور موچی کی قیمت ننگے پاؤں والا پہچانتا ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اصحاب پیشہ بہت نیک ہیں اور اُن کا نفع عام ہے باوجود اسکے وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں اور عالموں و فقیہوں کے جور و جفا کو برداشت کرتے ہیں اور اُنکی سب و شتم (مثلاً اے جاہل اے گدھو وغیرہ) کے متحمل ہوتے ہیں بلکہ اُن سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ شیخ کو مریدوں کی کثرت سے شیخی نہیں بگھارنی چاہیئے اور اسکو ذریعہ بزرگی و یا رسائی نہیں جاننا چاہیئے۔ کیونکہ اگر کثرت معتقدین سے کوئی شیخ ہو جاتا ہے۔ تو اشعث اغبر (جنکے بال بکھرے ہوئے ہوں کپڑے میلے کچیلے پاگل دیوانے) زیادہ مشیخت و بزرگی کے لائق ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں پر لوگ کثرت سے جمع رہتے ہیں۔ اور ہر ایک وقت اُن پر لوگوں کا اتنا جمگھٹا ہوتا ہے کہ کسی شیخ کے حلقہ میں اتنی مقدار کا ہونا معلوم۔ خبردار اس خیال کو دل سے دور کردے کہ تو لوگوں کا ہادی ہے۔ اور لوگ تیرے ہاتھ سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اگرچہ ہدایت کے واسطے واسطہ شرط ہے لیکن اس قسم کا خیال غرور کا باعث و ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اور ایسے خیال سے عقل و رشد کو نقصان پہنچتا ہے۔

دیگر علامت اسکی یہ ہے کہ وہ لباس مشیخت اور ہیئت بزرگی وجبہ ودستار وضیافتوں کی بھرمار سے مغرور نہیں ہوتا۔ اور تلامذہ ومعتقدین کی کثرت اور ارادت سے اپنے آپ کو بہت نیک خیال نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کی طرح نہیں ہوتا کہ جب اُن کے متبعین بڑھ جاتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور شکر بجالاتے ہیں۔ اور جب وہ کم ہوجاتے ہیں تو منقبض ہوجاتے ہیں اور غمناک ہوتے ہیں اور باطن میں اللہ پر خفا ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ اُن امور کی طرف کسی حیثیت سے متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ فقر کا کام یہہ ہے کہ وہ انواع واقسام کی عبادات وقربات سے ظاہر وباطن میں خدا کی طرف متوجہ رہے۔ اسی واسطے اہل اللہ اپنی مجالس میں اپنے ہمصحبتوں کے ظاہری حالات پر متوجہ نہیں ہوتے۔ اور اُن کے عماموں ومیلے کپڑوں ومصلوں کی اصلاح نہیں کرتے بلکہ انکی ساری توجہ ان کے اصلاح قلوب میں لگی رہتی ہے۔ اور امور ظاہریہ سے بالکل غافل ہوتے ہیں اور ہر وقت یاد خدا میں مصروف رہتے ہیں۔ لیکن اپنے اہل وعیال واطفال کے حقوق میں مصروف رہنا غفلت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اُس پر اُن کے حقوق مقرر کئے ہیں اور حق کا بجالانا فرض ہے۔ حدیث (لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی) میں اُسی مضمون مذکور کی طرف اشارہ ہے۔ اور واقع میں یہ ایسا مقام ہے جہاں نہ اپنے نفس کا ہوش رہتا ہے نہ غیروں کی خبر ہوتی ہے۔ اگر تامل کیا جائے تو آیت ذیل (یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا) سے اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا سے بے تعلق وامور ظاہریہ سے غافل اور ان سے بچنے والے ہی خدا کی طرف جائینگے۔

دیگر علامت اسکی یہ ہے کہ وہ اپنے ملنے والوں سے شفقت ومہربانی سے پیش آتا ہے اور اُنکی دل آزاری ورنجیدگی کا باعث نہیں ہوتا ہے اور اگر کسی دعوت وضیافت میں جاتا ہے تو صاحب دعوت کی اجازت وطلب صادق اور رغبت کامل کے بغیر اپنے شاگردوں کو اُسمیں شامل نہیں کرتا۔ کیونکہ شاگردوں کے حق میں لوگوں کی میل کچیل (صدقہ وخیرات) کا برداشت کرنا نقصان دہ ہے۔ سیدی شیخ ابراہیم جب کسی دعوت پر جاتے اور مرید بھی اُن کے ساتھ جانیکا ارادہ کرتے تو آپ فرماتے کہ اگر تم میرے فرمانبردار ہو تو واپس چلے جاؤ اور زہر نہ کھاؤ میں تو زہر کھانے جاتا ہوں۔ کیا تم بھی زہر کھانا چاہتے ہو۔ میں دریا ہوں مجھ میں زہر اثر نہیں کرتا اور مریدوں کی یہ حالت نہیں ہوتی کہ وہ نفس امارہ کی قید سے آزاد ہوں۔ بلکہ اگر انھیں لیجایا جائے تو آپس میں کہتے ہیں کہ یارو زندگی کا لطف تو یہی ہے کہ شیخ کی خدمت میں بسر ہوتی ہے۔ اور جو حاضر نہو اسے عتاب کرتے ہیں۔ اور اُسکی حرفت وصنعت کو (جس سے وہ اپنی اور اپنے عیال واطفال کی مدد کرتا ہے) حقیر ومعیوب سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر اُن کے شیخ کو ضیافت کیلئے کوئی نہ بلائے اور صدقہ وخیرات نہ کرے اور وہ موٹے جھوٹے کپڑے پہنتا ہو اور جو وجوار کی روٹی کھاتا ہو اور اُن کو بھی سالم خشک ونمکین روٹی کھانی پڑے اور ننگے پاؤں رہنا پڑے تو اُن ایام کو متبرک وغنیمت نہیں سمجھتے اور اسحالت میں شیخ کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اُسکا مصیبت کا سامنا وقیامت کا مقابلہ

لہ ایک وقت مجھپر ایسا آتا ہے جسمیں خدا کے سوا کسی کی گنجایش نہیں ہوتی۔ یعنے کمال محویت ہوتی ہے۔ متقیوں ہی کو خدا کی طرف جانا نصیب ہونگے یعنے کامل کمسوئی واسے کی لذت دیدار انہیں سے ہے

خیال کرتے ہیں۔ اور ایسی حالت میں شیخ کو چھوڑ جاتے ہیں اور اُس سے نفرت کرتے ہیں۔ پس اس سے نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ مریدوں کے دل کی حالت کیا ہو گی۔

دیگر علامت اُنکی یہ ہے کہ وہ اپنے ہمعصروں (مشائخ) کے عیوب کو چھپاتا ہے۔ اور اُنکی خوبیوں ونیکیوں کو ظاہر کرتا ہے اور اُن کی تعریف کرتا ہے۔ اور بلا خیال مکافات اُن کے ذکرِ خیر کو پھیلاتا ہے۔ کیونکہ کسی کی تعریف کے بدلے تعریف کرنا اور معاوضۂ ومکافات میں اپنے بھائی کا ذکرِ خیر کرنا اور اس خیال سے کسی کی تعریف کہ اُسکے دل میں اسکا حسن خلق مرکوز ہو جائے۔ اور اُسکے حق میں نیک اعتقاد رکھے۔ بزرگی وعلو ہمتی کی بات نہیں ہے۔ علو ہمتی و فراخدلی تو یہ ہے کہ کسی کی خوبیوں کا اظہار بلا غرض وغایت کیا جائے۔

دیگر علامت اُنکی یہ ہے کہ غیبت میں جہاں تک ہو سکے اپنے ناقص ہمعصروں کے حالات کی تاویل کر کے اُن کے عیوب کو خوبیوں کا لباس پہنا دے۔ اور جب حاضر ہوں تو اُن کے عیوب کی اُن کے سامنے تشریح کر دے اور اسکی پروانہ کرے کہ اسکی نصیحت و خیر خواہی سے متغیر ہو جائینگے۔ کیونکہ اسصورت میں اُن کے عیوب کا اظہار اُن کے حق میں مفید ہے۔ اگرچہ وہ نہ سمجھیں۔ کم ازکم یہ تو ہو گا کہ نصیحت کے زمانے تک تو اپنے نفوس کو حقیر ومعیوب خیال کرینگے۔

دیگر علامت اُسکی یہ ہے کہ اگر اُس سے کوئی دعوےٰ ہو گیا ہے اور مریدوں کی تصدیق و اعتقاد سے اُسکا دل خوش ہو چکا ہے تو پھر ایسی باتیں نہیں بناتا جس سے سامعین کو وہم گذرے کہ وہ اس دعویٰ سے خوش نہیں ہیں۔ اور ایسی باتیں اُسکو تسکین وطمانیت کے مقام سے نہیں ہلاتیں۔

نیز کسی کی حقارت نہیں کرتا کیونکہ حقارت سے اُسکے اصحاب و احباب کے دل میں اُسکی بے وقعتی و رسوائی بیٹھ جاتی ہے اور وہ اُس کو ممقوت خیال کرتے ہیں کیونکہ (الارواح جنود مجندۃ)[1] یعنی محبوب کو محبوب خیال کرتے ہیں اور ممقوت کو ممقوت ومبغوض۔ اور ہر خیال کے اثر سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ جو شخص تجھے بدکاروں کی صحبت سے منع کرے۔ اُسکے حق میں یہ خیال نہ کرنا کہ وہ اپنے آپ کو پرہیزگار اور متقی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ یہ لازمی نتیجہ نہیں ہے۔ نیز جہانتک ہو سکے اپنے مرید کی تعریف نہ کرے کہ ہمارا فلاں مرید خلوت میں چاند اور ستارے دیکھتا ہے۔ کیونکہ شاگرد کی تعریف گویا اپنی تعریف ہے۔ کامل اولیاء کبھی ایسے حالات کا افشا نہیں کرتے۔ اور کسی حالت میں اُن کو مریدوں و شاگردوں کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اگرچہ اُن شاگردوں سے مدۃ العمر ہی خوارق وکرامات ظاہر ہوتی رہیں۔ بلکہ وہ ایسے امور سے بیزار ہوتے ہیں اور جس میں شائبۂ اُلوہیت پایا جاوے اُس سے کنارہ کش ہوتے ہیں اور خلقت کو محض عبودیت کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور کسی کے رد و قبول و تردید وتائید

---

[1] ارواح ہر وقت مسلوب یا ہی ہیں جس طرف لگاؤ لگ جاتے ہیں ہر قسم کی صحبت کے اثر سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ گویا قابل محض ہیں۔

کی طرف متوجہ نہیں ہوتے - اسی واسطے رسولوں کو جب قیامت کے روز پوچھا جائیگا کہ لوگوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا اور تمہاری دعوت کی اجابت کا کیا حال رہا - تو وہ کہینگے ہمیں اجابت کا کوئی علم نہیں ہے ہمیں اپنے کام سے کام تھا - ان مزید حالات کو تو تو ہی جانتا ہے - حقیقت میں واقع بھی یہی ہے - واہ سبحان اللہ کیا عالی مقام ہے - اس میں شک نہیں کہ سلوک کا راستہ بڑا کٹھن ہے اور یہ منزل بڑی کڑی ہے - اسکے اندر بیشمار ہلاکتوں کا سامنا ہے جس سے تھوڑے ہی نجات پاتے ہیں - اسی واسطے قطب ربانی ابو الحسن شاذلی کا قول ہے کہ اس گروہ میں بھی ناجی (نجات پانے والے) کم ہیں اور ہالک (ہلاک ہونیوالے) زیادہ - خصوصاً وہ زیادہ ہلاکت کے منہ میں ہے جو صوفی مشہور ہے اور خلقت اسپر متوجہ ہے اور اسکے حق میں اعتقاد و ارادت رکھتی ہے اور تعریف و توصیف کرتی ہے سیدی شیخ احمد بن رفاعی اپنے شاگردوں کو کہا کرتے کہ "دُم بنو نہ سر بنو" کیونکہ سب سے پہلے چوٹ سر پر پڑتی ہے یعنی مستور رہنا مشہور ہونیسے اچھا ہے - اللہ مسلمانوں کو توفیق دے -

دیگر علامت اُسکی یہ ہے کہ اگر اُسے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہدایت خلق کے واسطے خاص اجازت مل جائے تو اُس سے وہ ہمعصروں پر فخر نہیں کرتا - اور اپنے آپ کو خاصوں میں شمار نہیں کرتا - اور اپنا درجہ اُن سے اعلےٰ نہیں خیال کرتا - بلکہ اپنے آپ کو غیروں کے مساوی سمجھتا ہے - کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نیند میں اجازت مل جانا کوئی خصوصیت و بزرگی کی بات نہیں ہے جبکہ نص قرآن و حدیث سے ہر ایک شخص بیداری میں نصیحت و خیرخواہی کے واسطے مامور ہے - اور بیداری کی بات بہ نسبت خواب کے زیادہ قوی ہوتی ہے - کیونکہ خواب کی حالت پر اتنا اعتماد نہیں ہوتا جتنا کہ حالت بیداری پر - نیز ممکن ہے کہ مکر و استدراج کی حالت ہو - علاوہ اسکے محقق عارفوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اذن خاص صرف قطب کو ہی ہوتا ہے نہ دیگر اولیاء کو پس جو شخص اذن خاص کا مدعی ہے وہ گویا قطب غوث کامل و اکمل ہونیکا مدعی ہے - اور ایسا شخص اگر اس گروہ کا ہو اور ظاہری فقیہہ محجوب الحال نہ ہو تو اولیاء کے نزدیک ممقوت و مبغوض ہے - اور فقیہہ زاہد خشک ہونیکی حالت میں مخبوط و مجنون ہے اس حالت میں تو قابل مضحکہ و ظرافت ہے - اور فقیری کی حالت میں قابل سیاست و ذلت ہے - اسکی ایسی مثال ہے کہ اگر کوئی بادشاہ کا ملازم و خادم نہ ہو کر یہ دعوے کرے کہ میں بادشاہ ہوں تو لوگ اُسپر ہنسی اُڑائینگے اور مجنوں اور مخبوط الحواس کہینگے - اور اگر یہ دعوٰی کسی کارکن درباری و خادم حضوری سے ہو تو وہ سیاست و عقوبت کے شکنجے میں کھینچا جاتا ہے - اگر اذن نیند میں رویت صحیحہ اور شروط صادقہ کے موافق واقع ہوا ہو تو کسی کے آگے ذکر نہیں کرنا چاہیئے - کیونکہ یہ کمزوری و عدم استقلال کی علامت ہے لیکن اگر تو نیند میں لوگوں کے ارشاد کے واسطے صراحتًا مامور کیا جاوے اور اُسکے ذکر کی اجازت ملجاوے تو فرمان بجا آوری کی نیت و غرض سے ظاہر کرو نہ کسی اور مطلب کے واسطے - کیونکہ بے غرض نصیحت اور بے مطلب دعویٰ میں کم آفتیں ہیں ورنہ دنیا کے لئے دین فروخت کرنا ہے - اور لوگوں کی میل کچیل (صدقات و خیرات و زکوٰۃ وغیرہ) کو دُر آبدار (دین متین) کے عوض میں خریدنا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ولایت کا اعتقاد جمانا

ہے۔ تاکہ اُسکے لئے جس چیز کی ضرورت دیکھیں جھٹ خرید کر حاضر کر دیں۔ اور لوگ بھی ایسے عقل کے اندھے ہوتے ہیں کہ اس کے واسطے تو جان تک ہارنے کو تیار ہوتے ہیں۔ اور کسی یتیم و مسکین کے واسطے ایک کوڑی دینے سے جان جاتی ہے۔ نیز خیال نہ کرنا چاہیئے کہ لوگوں کے جاننے و ماننے سے ہی شیخ بن سکتا ہے۔ نہیں اگر کوئی شخص بازار میں کھڑا ہو کر مثلاً ایک ہزار آدمی کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وعظ کرے تو وہ اُن سب کا شیخ ہے خواہ وہ جانیں یا نہ۔ اور مانیں یا نہ۔ بلکہ اُس شخص کی نسبت اگر بے غرض ہے اور طالب شہرت نہیں ہے۔ اور اس پیشہ سے ذریعۂ معاش حاصل نہیں کرتا بلکہ کسی صنعت و دستکاری سے اپنا پیٹ بھرتا ہے۔ تو یہ شخص عند اللہ بہت نیک مرد ہے اور خدا کے نزدیک اُسے بڑا ثواب ہے۔ کیونکہ جو شخص دوسروں کی روٹی سے عبادت کرتا ہے وہ عبادت اُسکی نہیں ہوتی۔ بلکہ روٹی کھلانے والے کی ہوتی ہے۔ جیساکہ پہلے گذر چکا ہے۔

دیگر علامت اسکی یہ ہے کہ جو حالات و واقعات بیان کرتا ہے اُن میں ثابت قدم رہتا ہے۔ اگرچہ یہ بات واظہار واقعات کا ناقص ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ جب اس پر کوئی مصلحت دینی مترتب نہو۔ پس مجھے چاہیئے کہ اس بات سے پرہیز کرے کہ "میں خدا کی طرف سے ارشاد خلق و ہدایت عوام کے لئے بیٹھا ہوں" کیونکہ یہ دعوے محقق عارفوں کے اجماع سے ممنوع ہے۔ وجہ یہ کہ رسول اللہ کے بعد امر و نہی کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک اوامر و نواہی کو اپنے رسول کی زبان سے بیان کر چکا ہے۔ (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ الخ)[1] اسپر شاہد صادق ہے۔ نیز حدیث ذیل (مَا تَرَکْتُ شَیْئًا یُقَرِّبُکُمْ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اِلَّا قَدْ اَمَرْتُکُمْ بِہٖ وَلَا شَیْئًا یُبْعِدُکُمْ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِلَّا وَقَدْ نَهَیْتُکُمْ عَنْہُ[2] الحدیث) بڑی وضاحت سے اس مضمون کو ظاہر کر رہی ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اب کسی قسم کا امر و نہی خدا کی طرف سے کسی پر نازل نہیں ہوتا کیونکہ شریعت کامل ہو چکی ہے اور اُسکے تمام مراتب و مدارج بیان ہو چکے ہیں۔ یہ ممانعت اُس حالت میں ہے جبکہ کوئی شخص اس قسم کا دعوے وساطت سے کر لیوے اور کہے کہ مجھے فرشتے وغیرہ کے ذریعے سے ایسا القا ہوتا ہے اور اگر بلا وساطت دعوے کرے تو یہ دعویٰ سابق سے بُرا ہے۔ کیونکہ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اُسکو بھی موسیٰ کی طرح مکالمہ الٰہی حاصل ہے۔ اور اسکا کوئی قائل نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو شریعت کے دقائق و معارف و علوم دقیقہ و اخبار رفیقہ معلوم ہوتے رہیں۔ لیکن اوامر و نواہی کا دروازہ مطلقاً بند ہے۔ جو شخص

---

[1] ۔ آج میں نے کامل کر دیا دین تمہارا اور پوری کر دی نعمت اپنی۔

[2] ۔ ہر ایک چیز جو خدا کے قرب کا وسیلہ ہے میں نے اُسکے بجالانے کا حکم دیدیا ہے اور جو چیز جدائی اور دوری کا باعث ہی اُس سے میں نے تمکو منع کر دیا ہے۔

کے بعد ایسا دعویٰ کرے وہ مدعی شریعت جدیدہ ہے خواہ اُسکے احکام شرع کے موافق ہوں یا مخالف پس اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک امر و نہی شریعت کے اندر ہے کسی شخص کو خلاف شرع امر و نہی بیان کرنا جائز نہیں ہے۔
کیونکہ تمام مخلوق اس کام میں شریعت کے تابع ہے اور جس کو یہ وہم پڑے اور اُسکے دل سے یہ آواز آئے کہ تو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اُسے سمجھنا چاہیئے کہ یہ وسوسہ نفس و دغدغہ خاطر ہے۔ ہمارے دوستوں میں سے ایک کو یہی غلطی لگی۔ وہ ہمارے شیخ کے پاس آیا۔ او ماجری بیان کیا۔ اُنہوں نے فرمایا۔ اے بچے یہ خیال نفسانی و جذب شیطانی ہے۔ سبب اسکا یہ ہے کہ جیسا تو اپنے باطن کو طلب شیخت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ریاضت و خلوت و ذکر و فکر سے چاہتا ہے کہ تجھے مشیخت کا اذن حاصل ہو جائے۔ تو تو دل کی تمام طاقت کو اسطرف لگاتا ہے۔ جب وہ توجہ تجھ پر غالب ہو جاتی ہے اور تیرے دل پر قابو پالیتی ہے۔ تو تیرا نفس تجھ پر حاکم ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے تو اُسکو خدا کی طرف سے خیال کرتا ہے۔ اور اُسکی مخالفت نہیں کرسکتا۔ اور اس خیال کو اپنے دل سے رد نہیں کرسکتا اور اس قوۃ نفسانی کو طاقت رحمانی خیال کرتا ہے۔
جب اُس نے یہ تقریر سُنی خاموش ہو گیا۔ اور استغفار و توبہ کی اور اس خیال سے باز آیا اور لوگوں کی تعلیم و تعلیم کو چھوڑ دیا۔ اور سلسلہ پیری و مریدی سے بیزار ہو کر لوگوں سے جُدا ہو گیا۔ اگر ہر ایک شخص جسکو اس قسم کے وساوس نفسانی پیش آویں۔ اُنکو کامل عارف پر پیش کرے تو اُسپر خیالات نفسانی اور احکام رحمانی کا فرق منکشف ہو جاوے اور پھر وہ اس سلسلہ کو چھوڑ دے اور کبھی اس میں قدم نہ دھرے اور مریدوں کے پھوٹ جانے اور معتقدین کے متفرق ہو جانے کی پرواہ نہ کرے۔ جب تجھے کوئی ایسا واقعہ پیش آوے اور کسی عارف کامل پر پیش نہ کر سکے اور تیرے دل میں وسوسہ نفسانی ہونے کا خیال نہ گذرے تو اُسکو فرشتہ کی طرف سے جاننا چاہیئے نہ اللہ کی طرف سے۔ سیدی شیخ یوسف عجمی کو یہ واقعہ پیش آیا کہ اُن کو تین دفعہ حکم ہوا کہ "تم زمین مصر میں جاؤ اور لوگوں کو ہدایت کرو" مگر آپ نے اُسکو بغیر شہادت و دلیل کو قبول نہ کیا۔ اور وہ یہ کہ کہا اے اللہ اگر یہ خیال حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو اس نہر کو خالص دودھ بنا دے تا کہ میں اس سے پیالہ بھر کر پی لوں۔ نہر کا پانی اُسی وقت خالص دودھ بنگیا۔ اور اُنہوں نے پیا اور اُسکے بعد وہ شہر مصر کی طرف گئے۔ دیکھو عارف یہ ہوتے ہیں۔ اگر ہاتف کی کلام سے کسی اجازت ملے۔ تو وہ تین حالتوں پر محمول ہو سکتی ہے۔ یا فرشتہ کی آواز ہو گی یا جن کی یا ابلیس کی۔ کیونکہ ابلیس بھی اللہ کے ارادہ سے عارفوں کا اغوا کرسکتا ہے۔ اور یہ بات کہ "خدا کے بندوں پر شیطان کا غلبہ نہیں ہوتا" یہ بھی اللہ کے ارادہ سے مقید ہے۔ یعنے اگر اللہ چاہے تو اپنے بندوں پر شیطان کا غلبہ ہونے دے۔ لیکن واجب نہیں ہے اور خدا مجبور نہیں ہے کہ اُنپر شیطان کا غلبہ نہونے دے۔ خدا کی مرضی ہے جو چاہے سو کرے وہ کسی امر

کا مقید نہیں ہے (یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ۔ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ) جسکو چاہے محو کرے اور جسکو چاہے برقرار رکھے ہر ایک وقت وہ کسی نہ کسی اُدھیڑ بُن میں رہتا ہے اور کامل آزادی رکھتا ہے۔ البتہ انبیا شیطان کے شر سے محفوظ ہیں کیونکہ وہ معصوم ہیں۔ علاوہ اسکے حفاظت کا وعدہ اُن کے لیئے ہے جو اُسکے بندے ہیں اور خدا کا بندہ ہونا کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے جو کہنے میں تو آتا ہے مگر دیکھنے میں نہیں آتا۔ اگر کوئی عقل و فکر کی آنکھ کھول کر دیکھے تو اپنے نفس کو گوناگون ہوا و ہوس سے بھرا ہوا پائیگا۔ اور (اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ)[1] کا مضمون صادق آئیگا۔ لفظ ہوا سے انسان کا وہ فعل و ارادہ مراد ہے جو میزان شرعی کے مخالف ہو اس سے سوائے کامل اولیاؤں کے دوسرا نہیں بچ سکتا۔ سوائے کامل اولیاؤں کے غیروں کی خواہشات و جذبات مختلف ہیں۔ ایک کی خواہش شہرت کی ہے دوسرا اُس سے نفرت کرتا ہے جس سے لوگوں کو وہم میں ڈالتا ہے کہ وہ شہرت کو پسند نہیں کرتا۔ کسی کی خواہش صاف ستھرا لباس پہننے کی ہے کوئی اُسکو ترک کرتا ہے اور میلے کچیلے کپڑے پہنتا ہے کوئی چاہتا ہے کہ لوگوں کے حلقہ میں سجادہ و مصلے پر بیٹھے۔ کوئی اُسکے مخالف ہے۔ کسی کی خواہش ہے کہ وہ گھر سے بازار کی طرف نہ نکلے مگر خاص وقتوں میں۔ تاکہ اُسکی عزت لوگوں کے دلوں سے زائل نہ ہو جائے۔ مگر فقیر ان باتوں سے بے پرواہ ہوتا ہے۔ لوگوں کا آنا نہ آنا اُن کے نزدیک یکساں ہوتا ہے۔ کوئی چاہتا ہے کہ خلوۃ میں ذکر میں مصروف رہے لوگوں کے اجتماع اور اُن کی تواضع و تعظیم سے بھاگتا ہے۔ کوئی اُسکے برعکس ہے۔ کسی کی یہ خواہش ہے کہ مجاورین و زائرین اُسکے پاس ہمیشہ اقامت رکھیں۔ کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ اُنہیں کے ذریعے سے اُسے رزق ملتا ہے اور لوگ اُنکی خاطر صدقات و خیرات دیتے ہیں اور اُن کے ہونے سے وہ لوگوں کی آنکھ میں بڑا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اور جس شیخ کے کوئی زائر نہ آوے لوگ اُسکو شیخ نہیں سمجھتے۔ جسکے پاس بہت سے مرید ہوں اُسکا ادب کرتے ہیں اور اُسکے سامنے سرنگوں ہو کر بیٹھتے ہیں۔ اُسکی خدمت میں قائم رہتے ہیں۔ جب وہ سوار ہوتا ہے تو اُسکے آگے آگے دوڑتے ہیں۔ جب کسی ولیمہ و ضیافت میں جاتا ہے تو اُسکے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ کسی کی خواہش لوگوں کو کھانا کھلانا اور اُنکا دل ہاتھ میں لانا ہوتی ہے۔ کوئی تقوی و پرہیزگاری و زہد کو پسند کرتا ہے۔ کوئی یہ چاہتا ہے کہ جابروں ظالموں سرکشوں کو ظلم و سرکشی سے باز رکھے۔ کوئی ایسا ہے جو ان تمام باتوں و چیزوں کی خواہش کرتا ہے۔ کوئی ان تمام سے پاک و آزاد ہونا چاہتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ پس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جسطرح اشیائے مذمومہ کا کرنا خواہش ہے اُسی طرح اُنکا ترک کرنا بھی ایک خواہش ہے۔ عکس کی حالت میں بھی یہی حالت ہے۔ کیونکہ نفس کا کام ہے کہ مذمت سے نفرت کرتا ہے۔

---

[1] کیا تو نے وہ شخص دیکھا ہے جس نے اپنا معبود اپنی ہوا و ہوس کو بنایا ہوا ہے۔

جب کسی اپنے ہمعصر کو دیکھتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے حقیر خیال کیا گیا ہے۔ تو وہ بھی اُس سبب کام سے
سے پرہیز کرتا ہے اس خوف سے کہ لوگ اُسکو حقیر سمجھیں گے۔ نہ اللہ کے خوف سے۔ پس اُسوقت پرہیز
واجتناب کرنا خواہش نفسانی ہے۔ ایسا ہی نفس خوش ہوتا ہے جب سُنتا ہے کہ لوگ اُسکے حق میں
کہتے ہیں کہ فلانا مشیخت و بزرگی کو پسند نہیں کرتا۔ اور اُسکے راہوں سے بھاگتا ہے۔ حالانکہ وہ یہ قدرت
رکھتا ہے کہ جب وہ سوار ہو لوگ اُسکے پیچھے چلیں اور بڑے بڑے لوگ اُسکی رکاب میں چلنا فخر سمجھیں لیکن
وہ ایسی باتوں کی پروا نہیں کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ سوائے کامل ولیوں کے کوئی وساوس شیطانی و
خواہشات نفسانی سے بچ نہیں سکتا۔ جو شخص پورے تیراک کی شباہت کرکے دریا میں نازل ہو۔ اور تیرنا نہ
جانتا ہو وہ ضرور ہلاک ہوگا اور غرق ہوگا۔ پس یہ بات سمجھ رکھہ اور اللہ سے ہدایت مانگ۔ کہ وہی نیکو
کاروں کو ہدایت کرتا ہے۔

دیگر علامت اُسکی یہ ہے کہ وہ اسبات کی خواہش نہیں کرتا کہ اُس کو اپنے شیخ یا کسی دوسرے سے لوگوں
کو تلقین کرنے اور ارشاد کرنے کی اجازت حاصل ہو جائے۔ کیونکہ اذن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ
ہمیشہ اسی حال پر رہیگا اور وہ درجہ اُس سے مسلوب نہیں ہوگا۔ اور خدا کے غضب میں گرفتار نہیں
ہوگا۔ تاکہ اُسے اطمینان ہو جاوے اور اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ وہ اس حالت سے نہیں گریگا۔
تو کیا خدا اُسکا مقید ہے کہ اُسکے اقرار کو پورا کرے۔ اس کی ماہیت تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ جسنے (کُلَّ یَوْمٍ
هُوَ فِیْ شَاْنٍ وَ یَمْحُو اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَ یُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْکِتَابِ) کی حقیقت سمجھی ہو۔ علاوہ اسکے وہ اپنی
حالت کو ہر وقت کمی و بیشی میں دیکھتا ہے۔ پس نقصان کی حالت میں اُسکو دوسرے شیخ کی ضرورت ہوگی جو
اسے درجہ تکمیل تک پہنچائے۔ اور زیادتی کی صورت میں اذن جدید کی ضرورت ہوگی۔ پس اس سے معلوم
ہوا کہ اذن و اجازت کی کسی حال میں ضرورت نہیں اور کوئی حالت قابل اطمینان نہیں۔ جو اُس سے انکار کرتا ہے
وہ کور باطن دل کا اندھا ہے۔

دیگر علامت اُسکی یہ ہے کہ وہ بیدار مغز ذکی الطبع ہوتا ہے۔ ہر ایک شخص سے اُسکی استعداد
و قابلیت کے موافق گفتگو کرتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں یہ دروازہ بند ہو گیا ہے۔ عموماً لوگ اس قابل نہیں
ہیں کہ اسرار حقیقت اُن کے آگے بیان کئے جاویں۔ اسی واسطے مدت دراز سے عامل عارفوں مثل سیدی
شیخ ابراہیم المتبولی اور سیدی ابو العباس اور سیدی محمد بن عنان و سیدی المنیر رضو نے اس دروازہ
کو بند کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب سیدی محمد الغمری انتقال کر گئے تو لوگوں نے اُن کے بیٹے سیدی ابو
العباس الغمری سے سلوک کی گدی پر بیٹھنے کی درخواست کی۔ انھوں نے انکار کیا۔ لوگوں نے کئی بار

الحاح و اصرار کیا - تو اُنھوں نے کہا کہ طالب حق کہاں ہیں - میں جانتا ہوں کہ سچی تلاش اور طلب صادق کسی میں نہیں ہے - پھر اُن میں سے کسی نے جُرأت نہ کی اور اپنے خیال سے باز آگئے - کیونکہ اُن کے دل گواہی دیتے تھے کہ اِن کا فرمانا حق ہے - بزرگان سلف کا یہ حال تھا کہ صائم الدہر و قائم اللیل رہتے تھے - اور موٹے جھوٹے کپڑے پہنتے - اور آپس میں اُن کی یہ کیفیت ہوتی کہ اگر کوئی مباح چیز کو بھی استعمال کرتا تو اُس سے الگ ہو جاتے - اور کہتے کہ فقراء کا کام ریاضت اور اجتہاد و نفس کشی ہے نہ آرام طلبی و تن پروری اور وہ کسی کو اس طریق کے قابل نہیں دیکھتے تھے - شیخ ابراہیم المتبولی رض کی وفات کے وقت اُن سے کہا گیا کہ حضرت آپ کے بعد حجرۂ نبویہ کی خدمت کا متولی کون ہوگا - کہا کہ ایک شخص جسکو محمد بن عنان کہینگے اور وہ بلاد مشرقیہ سے ظاہر ہوگا - دیکھو کہ ولی ولی کی شہادت دیتا ہے اور اُس کے وجود سے پہلے اُس کی ولایت کی خبر دیتا ہے - باوجود اِسکے وہ اُس زمانہ میں مشہور نہیں تھا - کیونکہ وہ شہرت کو پسند نہیں کرتے تھے - اور لوگوں کو اس قابل نہیں دیکھتے تھے کہ اُن سے خطاب کیا جائے -

دوسرے بزرگ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے کیونکہ وہ کامل تھے اور اللہ کا ادب کرتے تھے - اور قضا و قدر کی گردش کو جہان میں دیکھتے تھے اسلیئے وہ اس چیز کے کمال کا ارادہ نہیں کرتے تھے - جسکے نقصان کو خدا چاہتا ہو - کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے موجودات کی کمی کا ارادہ کیا ہوا ہے - جیسا کہ (اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا) [۱] سے ظاہر ہوتا ہے - ہمارے شیخ محمد الشناوی سے لوگوں نے درخواست کی - کہ اُن کی وفات کے بعد مجھ فقیر کو اُنکی تلقین کے لئے نامزد کیا جائے - مینے انکار کیا - لوگوں نے شیخ کے قول کو کہ "میں اُن کے بعد خلیفہ ہوں" پیش کر کے سخت اصرار کیا - لیکن مجھے اُنکی تلقین سخت ناگوار و دوبھر معلوم ہوتی تھی - آخر مینے چند شخصوں کو تلقین کی - پس مینے دیکھا کہ میں گویا مضبوط جوتیاں سی رہا ہوں جب پوری کر چکتا ہوں تو خود بخود کھل جاتی ہے جیسے کہ پہلے تھی - پس میں سمجھ گیا کہ اب زمانہ تلقین کا نہیں رہا - اور لوگوں سے استعدادیں سلب ہو گئی ہیں - مینے زمین و آسمان کے مابین ایک لکھی ہوئی تختی دیکھی اُسکے مضامین میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے وجود و کمال کی کمی کا ارادہ کیا ہے سنہ ۹۰۰ نو سو ہجری کے بعد ہر چیز میں زوال شروع ہو جاویگا - پس اسوقت میں جو شخص اس دروازہ میں داخل ہونے کو ابتلا نہیں سمجھتا وہ بے ادب و گستاخ ہے - کیونکہ وہ اُس چیز کو کامل کرنا چاہتا ہے جسکو خدا ناقص کرنا چاہتا ہے - (وَ اللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ) لیکن ایسا شخص معذور ہے - کیونکہ اُسکا حجاب دور نہیں ہوا - اگر اُسے بھی عارفوں کی طرح مکاشفہ ہو جاتا -

[۱] کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کے چاروں طرف سے کمالات کو گھٹاتے جاتے ہیں -

اور حقیقت حال منکشف ہو جاتی تو وہ خواہش کرتا کہ زندہ ہی دفن کیا جائے اور اس دروازہ کو چھوڑ دیتا اور یہہ حجاب کے نہ رفع ہونے کا باعث ہے کہ ہزاروں کو تلقین کرتا ہے۔ اور کوئی اُس سے نتیجہ نہیں پہنچتا۔ جیسا کہ ضرب سرد لوہے میں اثر نہیں کرتی اس تقریر سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ہم ذکر و تلقین کے چھوڑ دینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ جس شخص کے لئے یہ دروازہ کھل جائے۔ اُسکو چاہئے کہ اسکو اپنے حق میں ابتلا خیال کرے اور یہ خیال کرے کہ میں مشیخت و بزرگی کے لائق نہیں ہوں۔ لیکن شاگردوں و طالبان حق کے لئے تلقین و ذکر و اذکار اچھا ہے۔ کیونکہ وہ حق کے طالب ہوتے ہیں اور اپنے نفوس کو حقیر و ذلیل تصور کرتے ہیں۔ شیخ کا اپنے معتقدین و مریدین کے سامنے یہ زبانی مقولہ (کہ میں تو اس دروازہ کا اہل نہیں ہوں میں تو بلا میں مبتلا ہوں) کچھ مفید نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے لوگ زیادہ تعظیم کرینگے اور کہینگے کہ دیکھو باوجود اس قدر کمال و جلال کے شیخ کیسا متواضع ہے اور اپنے نفس کو کیونکر حقیر سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ اس دعوے میں صادق نہیں ہے کیونکہ اگر صادق ہوتا تو اللہ سے اس بلا سے چھوٹنے کی درخواست کرتا اور نہایت گریہ و زاری سے اس مصیبت سے رہائی کے لئے دعا کرتا اور دوسروں سے دعا منگواتا۔ کہ وہ اس بلا سے چھوٹ جاوے جاننا چاہیئے کہ جو شخص اس زمانہ میں مشیخت کا دروازہ کھولتا ہے اسکی مثال اس فقیہہ کی سی ہے۔ جو غروب شمس کے وقت کتاب کھولے اور لڑکوں کے انتظار میں بیٹھے۔ تا کہ اُنکو پڑھاوے۔ کیونکہ اس وقت ہم قیامت کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ہر ایک چیز اپنے موضوع و مفہوم سے خارج ہو گئی ہے۔ اور قُرب قیامت کی وجہ سے اپنے مرکز سے نکل گئی ہے۔ جیسا کہ اہل کشف اسکو محسوس کر رہے ہیں دیکھو کہ جب سواری سفر کے بعد شہر کے نزدیک آتی ہے تو اسکی باگ چھوڑ دی جاتی ہے۔ ایسا ہی جب حاجی لوگ سفر سے واپس آتے ہیں اور وطن کے نزدیک پہنچتے ہیں تو اُن کی قطاریں و صفیں متفرق ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کے انتظام کی لڑی پراگندہ ہو جاتی ہے۔ پس اسوقت مشیخت کا طالب اسکی مانند ہے جو حاجیوں کی پراگندہ صفوں کو جمع کرنا چاہے۔ لوگ اُسکی عقل پر ہنسیں گے۔ پس اس زمانہ میں جو ہر بدی کا فاتح (کھولنے والا) ہے اور ہر نیکی کا خاتم (ختم کرنے والا) ہے مشیخت کا طالب عقل کا اندھا ہے۔ عوام اس پر پھبتیاں اُڑائیں گے اور کہیں گے فلاں مشیخت کا عامل ہے گویا بزرگی و پیری بھی ایک قسم کا عمل ہے۔ پس جو شخص مشیخت کو عمل خیال کرتا ہے۔ اُسکے واسطے اُسکا حاصل کرنا آسان ہے کیونکہ یہ بات تو دعوی سے حاصل ہو جائیگی۔ لیکن لوگ مشائخ کو بھی خفیف سمجھینگے اگرچہ وہ نفس الامر میں مشیخت کے اہل بھی ہوں اور انکا اعتقاد فاسد ہو جائیگا اور وہ اُن کے کلام سے مستفید نہیں ہوں گے۔ تا کہ اللہ اپنے ارادہ کو پورا کرے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ درجۂ ولایت تک نہ پہنچنے کی وجہ

یہ نہیں ہے کہ شیخ میں طریق سلوک کی صلاحیت نہیں۔ بلکہ اس سے روکنے والا اللہ کا ارادہ ہے اسی واسطے انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام باوجود معصوم اور اپنے دعوے میں صادق ہونے کے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے سے قاصر رہے اور تھوڑے ہی لوگوں نے اُنکی اطاعت کی اُسکی وجہ یہی تھی کہ جو جو کچھ اللہ کے ارادہ میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس سے یہ اعتراض بھی رفع ہوگیا جو لعض کہا کرتے ہیں۔ کہ اگر فلانے واعظ کی کلام میں تاثیر ہوتی تو سامع کے دل میں اثر کرتی۔ کیونکہ ہر ایک چیز اللہ کے ارادے میں ہے۔ پس ہم اللہ سے اپنے اور اپنے بھائیوں اور دوستوں اور تمام مسلمین کیواسطے حسن خاتمہ کی درخواست کرتے ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں صرف اسلام پر مرجانا ہی بغیر کچھ ترقی کے بڑی غنیمت ونعمت ہے۔ جھوٹے مدعی اگر دعوے سے الگ ہوکر اپنے گریبان میں دیکھیں۔ اور بنظر انصاف سے اپنے اندر کو ٹٹولیں تو وہ اپنی حالت عوام مسلمین کی سی بھی نہیں پاوینگے۔ چہ جائیکہ مومنوں وعارفوں کے درجے میں شمار کئے جاویں۔ پس اے بھائی اِن امور میں تامل کر اور خدا سے نیک عمل کی توفیق مانگ اور اس نصیحت کو خیرخواہ ناصح سے قبول کرلے۔ کہ اسوقت میں کوئی شیخ ایسی باتیں نہیں بتلائیگا اگر تو قبول نہیں کریگا تو اسکا وبال وعذاب تجھ پر ہوگا۔ جاننا چاہئے کہ جو ناصح اپنے بھائی کے عیوب ونقائص کو ظاہر کرتا ہے وہ عیوب خود ہی اُسکے دل پر گزرتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو کوئی کسی کو عیب چھوڑنے کی نصیحت نہ کرتا کیونکہ جب خود اُسے اس عیب کا علم نہیں ہے تو وہ دوسرے کو کیونکر نصیحت کرسکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تمام خلقت عیوب میں مشترک ہے۔ لیکن مراتب میں مختلف ہیں بعض ہمیشہ اسیر رہتے ہیں اور اُن کے عیوب بڑھتے جاتے ہیں بعض اس پر ہمیشہ نہیں رہتے اور عیوب بھی کم ہوجاتے ہیں۔ بعض کو خدانے میزان کتاب وسنت دی ہوئی ہے وہ اپنی خواطر وخواہشات اُسپر وزن کرتے ہیں اگر وہ کتاب وسنت کے موافق ہوتے ہیں۔ تو قبول کرلیتے ہیں ورنہ رد کردیتے ہیں اور بعض اللہ کے ارادہ کے ماتحت رہتے ہیں۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔

دیگر علامت اُسکی یہ ہے کہ وہ آیات متشابہات وصفات الٰہیہ واسماء خداوندیہ۔ وحروف مقطعات میں زیادہ خوض نہیں کرتا۔ یہ مرض اس زمانہ کے اکثر فقراء میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ رات دن اسی میں کلام کرتے رہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ طاعت وعبادت سے افضل ہے۔ لیکن یہ اُنکی غلطی ہے کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ بہت بولنے والے دوزخ میں سر کے بل گرائے جائیں گے۔ علاوہ اس کے جو خوض وغور کرتا ہے وہ تقلیداً ہوتی ہے نہ تحقیقاً وذوقاً۔ چنانچہ وہ شیخ محی الدین کی کتابیں مطالعہ کرتا ہے اور اُسکے کلام کے محل ومنشاء کو نہیں سمجھتا۔ پس خود ہی گمراہ ہوتا ہے اور غیروں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور اُن کے عقائد کو بگاڑتا ہے۔ حالانکہ محی الدین کا قول ہے۔ کہ جو شخص ہمارے درجہ کا نہیں ہے اور ہمارے

مقام پر نہیں پہنچا ہے اُسپر ہماری کتابوں کا مطالعہ حرام ہے۔ پس عارفوں کے سوا آیات متشابہات وغیرہ میں غوض کرنا دوسروں کے لئے غیر مفید و مضر ہے۔ جو شخص اس قوم کی کلام کے حفظ کرنے میں مشغول ہوتا ہے اُسکے لئے ایک اور عمر چاہیئے کہ وہ اُس قوم کے الف سے فارغ ہو اس فرقہ کی کلام نہایت وسیع ہے۔ کیونکہ ہر ایک اُنہیں اپنی اپنی محبت و ذوق کے مطابق کلام کرتا ہے۔ اس لیئے وہ کلام غیر محدود و غیر محصور ہوتی ہے۔ اور اس دریائے محبت میں بہت خلقت نے غوطے لگائے ہیں۔ مگر کوئی اسکی گہرائی تک نہیں پہنچا۔ قطب ربانی سیدی ابراہیم الدسوقی نے کہا ہے کہ تمام باولین و مفسرین قرآن شریف کے ایک حرف کے معارف و دقائق تک بھی نہیں پہنچے۔ اور کلام اللہ کے ایک کلمہ کی معرفت و حقیقت کو نہیں پا سکے۔ شیخ عارف باللہ شیخ افضل الدین رضہ نے تفسیر سورہ فاتحہ میں کہا ہے کہ جب کہ مخلوق کی حقیقت بیان میں نہیں آسکتی تو کلام اللہ کی حقیقت کیونکر تعبیر میں آسکتی ہے۔ حالانکہ وہ کل چیزوں کا مجموعہ ہے۔ یا حادث کیونکر قدیم کو محیط ہو سکتا ہے پس حق یہ ہے کہ اسکے ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے بھلا جو موجودات حادثہ میں سے ہی کسی چیز کی حقیقت نہیں سمجھ سکتا وہ قدیم بالذات کی حقیقت و ماہیت کو کیونکر تعبیر کر سکتا ہے۔ پس اس مقام میں دم بخود ہونا ہی سعادت ہے اور عاجزی کا دم مارنا ہی مشیخت ہے۔

دیگر علامت اسکی یہ ہے کہ وہ لوگوں کے قول کی (کہ فلانا شیخ کامل ہے) طرف توجہ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ اُس نے ولایت و مشیخت کی بو بھی نہیں سونگھی اور اگر لوگوں کے عرف کے موافق وہ شیخ ہے تو وہ خطرہ ہلاکت میں ہے۔

اور شیخ کا لفظ اُس پر صادق آتا ہے جو صراط و میزان وغیرہ اہوال قیامت سے تجاوز کر گیا ہو اور اللہ کے مقت و غضب سے کسی حال میں غافل نہو۔ اور جبتک خاتمہ بالخیر نہ ہولے اعمال صالحہ پر اعتماد نہ کرے۔ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر میں انسان اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اہل دوزخ سے ہوتا ہے۔ اسی واسطے بعض عارفوں نے کہا ہے کہ میں ہرگز اُمید نہیں کر سکتا کہ آخرت میں مامون و محفوظ ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں کسی کا مقید نہیں ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اُسکے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے۔ اور اسی امر کو ذہن نشین کرنا ادب ہے۔ دیکھو انبیاء و ملائکہ باوجود معصوم و مطمئن ہونیکے ہمیشہ کانپتے رہتے ہیں۔ اور فرشتوں کے یہاں پر جلتے ہیں۔ دیکھو جب ابلیس راندہ گیا تو جبرئیل و میکائیل نے کس طرح رونا شروع کیا تھا۔ اور پھر خدا نے اُنہیں کہا تھا کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے اور میرے مکر (کلام منصوبہ) سے بے کھٹکے نہیں ہونا چاہیئے۔

فصل

جاننا چاہیے کہ اس باب میں ہمنے اللہ کے ارادہ سے کلام کو طول دیدیا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ دعاوی باطلہ و وساوس کاذبہ و خواہشات قبیحہ اس طریقہ کے طالب کو سرنگوں و ذلیل کر دیتی ہیں اور یہ امور من کل الوجوہ عبودیت کے منافی و مخالف ہیں۔ اور ہمنے اس رسالہ کو آداب عبودیت کے واسطے بنایا تھا۔ کیونکہ سب سے افضل عبادت آداب عبودیت ہیں۔ جیسا کہ آیت ذیل (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) سے ثابت ہوتا ہے یعنے جن و انسان وہی اچھے ہیں جن میں ربوبیت کا کوئی شائبہ نہ ہو کیونکہ عبودیت اور ربوبیت میں نسبت تضاد کی ہے کوئی فرد ایسا نہیں ہے جسپر عبودیت و ربوبیت ہر دو صادق آسکیں۔ گویا بندہ وہ ہے جس میں ربوبیت کا کوئی پہلو نہ ہو اور رب وہ ہے جس میں عبودیت کا کوئی نشان نہ ہو۔ جب یہہ معلوم ہو گیا تو عبودیت کی علامت ذلت و انکسار و عجز و نیازمندی اور تمام حالات میں اپنے آپکو کم سمجھنا۔ نہ دعاوی جمانا اور تکبر و فخر کو کام میں لانا۔ کیونکہ یہہ صفات خداوندی ہیں اور بندہ کے واسطے اسحالت میں اپنی حد سے تجاوز کرنا ہے اور اللہ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جسکو اللہ دوست نہ رکھے اگرچہ وہ طریق حق سے واقف ہی ہو وہ راہبر و مرشد ہونے کے قابل نہیں۔ جیسا کہ شیطان کا حال ہے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ ہمیشہ اپنے نفس کو برائی سے متہم رکھتا ہے اور اسکے کسی حال و مقال کو پسند نہیں کرتا۔ اور اسکو پہلی ہی دفعہ فسق خفی اور فجور و ریا و حب ریاست و مشیخت کی طرف منسوب کرتا ہے۔ پس جو شخص نفس کو ایسا خیال نہیں کرتا۔ وہ بیمار محتاج علاج ہے۔ اور اپنے نفس کا معاون و مددگار ہے۔ یاد رکھو کہ جو شخص اپنے نفس کے افعال پر نیک گمان کرتا ہے وہ کسی کی نصیحت سے ہرگز فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جو اسکے حق میں کہا گیا ہے وہ اس سے بچا ہوا ہے۔ اسی واسطے جہانتک ہو سکتا ہے۔ وہ ان اعتراضات و عیوب کا جو اسپر کئے جاتے ہیں جواب دیتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ یہہ نصیحت دوسروں کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ دوسرے کو عیب و نقصان کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اگر اپنے نفس کو بھی ایسا دیکھتا جیسا کہ غیروں کو دیکھتا ہے۔ تو اسکو بھی نصیحت کے قابل دیکھتا اور پھر توبہ کرتا اور رجوع لاتا لیکن اسے اپنا عیب نظر نہیں آتا کیونکہ وہ اندھا ہے اپنے عیوب پر اسکی نظر نہیں پڑتی۔ فافہم ذالک۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ جب وہ کسی کے حق میں نصیحت کی کلام سنتا ہے تو اسکو اپنے واسطے سمجھتا ہے اور اس سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ گویا کہ وہی مخاطب ہے اور جب وہ کسی کو نصیحت کرتا ہے تو فرض و تقدیر کے طور پر کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر ایک آن میں محو و اثبات ہو رہا ہے اسواسطے ہر حال میں کسی کا کسی عیب سے معیوب ہونا ضروری نہیں۔ ہمارے شیخ رضہ کا قول ہے کہ ایک لمحہ میں صلح اور ایک آن میں عداوت ہو سکتی ہے پس نصیحت کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ نصیحت کے وقت یہہ خیال رکھے کہ منصوح (نصیحت کیا گیا) کی

گردن خدا کے ہاتھ مین ہے۔ یعنے جو کچھ ہو رہا ہے اسی کے ارادہ سے ہو رہا ہے۔ مین اسکے ارادہ کو تبدیل کرنے والا نہین ہون۔ صرف حکم بجا آوری کے لئے نصیحت کر رہا ہون۔ میری نصیحت کو ہدایت وضلالت مین کچھ دخل نہین۔ کیونکہ کوئی متحرک وساکن اُس کے ارادہ سے خارج نہیں ہے تاکہ ادب ملحوظ رہے۔

مین نے ایک دفعہ دل مین ایک نصارٰے پر اعتراض کیا اور کہا کہ اسکا دل کفر مین کیونکر خوش ہوتا ہوگا۔ ابھی یہ خیال ختم نہین ہوا تھا کہ مین ہی اُسی بلا مین مبتلا ہوگیا۔ اور ایسا جنون ہوا کہ اسلام کا نام ہی ناگوار معلوم ہوتا تھا لیکن مین اسی حال مین خوش تھا۔ کوشش کرتا تھا کہ توحید بیان کرون لیکن طاقت نہین پاتا تھا اور تثلیث کا قائل ہوگیا اور اُسے گھٹانے بڑھانے پر قادر نہ رہا۔ خدا کا اتنا فضل تھا کہ نماز کے اوقات پر مجھے ہوش آجاتی یہانتک کہ مین نماز سے فارغ ہوجاتا اور پھر مجنون ہوجاتا اور نصارٰے کے دین کی تعریف کرتا اس حال مین مین جمعہ کی عصر سے لیکر دوسرے دن کی ظہر تک رہا۔ پھر اللہ نے اسکی حقیقت مجھپر منکشف کردی۔ اور اسی وقت مین نے اللہ کے قول (کذالک زینا لکل امۃ عملہم) ایسے ہی ہمنے ہر قوم کے اعمال کو اُن کے لئے مزین بنادیا ہے) کا اشارہ سمجھا۔ اور مذاہب و ادیان کے اختلاف کی حقیقت سمجھی پھر مین کفار وغیرہ پر اعتراض کرنے لگا اور مجھے یہ کام ضرر نہین دیتا تھا۔ یہی حادثہ کسی عارف کے ساتھ بھی واقعہ ہوا تھا اور وہ کئی سال کفر پر رہا تھا اور صوم وصلوٰۃ کے وقت بھی ہوش مین نہ آتا۔ جب معلوم ہوگیا تو ناصح کو چاہیے کہ پہلے اُس ذات کو شناخت کرے کہ جسکے ہاتھ کافرون وگنہگارونکی گردن ہے۔ پھر اُنپر اعتراض کرے تو اسحالت مین اسپر کوئی ضرر عاید نہ ہوگا۔ اور اسحالت مین وہ اعتراض کرنیکا مستحق ہوگا۔ کیونکہ اُس وقت تونے اللہ کے ادب کو ملحوظ رکھا ہے اور امر بالمعروف کو قایم کردیا ہے۔ پس اسوقت تو اُسکے ساتھ منازعت کرسکتا ہے جو اللہ کے امر کی مخالفت کرتا ہے اور منہیات پر سوار ہے۔ کیونکہ تو دیکھتا ہے کہ اسکی گردن اللہ کے ہاتھ مین ہے اور تو اور وہ ہر دو قہر کے ماتحت مشترک ہین۔ اور قضا ربانی اور مشیت یزدانی کے مظہر ہین۔ ممکن ہے کہ جسکو تو اُس وقت بُرا خیال کر رہا ہے وہی امر تیری طرف منتقل ہوجائے۔ مین پہلے خیال کیا کرتا تھا کہ امر بالمعروف تسلیم کے منافی ہے۔ پس مینے ہاتف کو سنا کہ خدا کی طرف سے کہہ رہا تھا کہ جب تو حقیقت حال کو صرف میری طرف سے دیکھے تو تسلیم کر اور جھگڑا نہ کر اور میرے غیر کی طرف سے دیکھے تو جو میرے امر کی مخالفت کرتا ہے اُسپر اعتراض کر اور مخالفت کر۔ اس قسم کی محویت بعض وقت ایسی ہوتی ہے کہ کوئی کام مخلوق کی طرف منسوب نہین کیا جاتا ہے اور فقیہ خیال کرتا ہے کہ ایسا شخص جبری ہے۔ حالانکہ اس مین کسی قسم کا جبر نہین ہے۔ بلکہ انکشاف حقیقت حال ہے جسکو صاحب ذوق ہی دیکھتا ہے دوسرے کی اسمین گنجائش نہین ہوتی۔ اور وہ اپنے ذوق سے باز نہین آسکتا۔ اگرچہ سینکڑون دلائل اسکے برخلاف دئے جائین۔ کیونکہ یہ امر ذوق سے علاقہ رکھتا ہے استدلال کا گھوڑا اس میدان مین لنگ ہے ؎

پائے استدلالیان چوبین بود ⁂ پائے چوبین سخت بے تمکین بود

کامل اگرچہ ہر چیز کا فاعل خدا کو ہی سمجھتا ہے۔ لیکن وقوع فعل کی نسبت مخلوق کی طرف کرتا ہے۔ جب یہ

معلوم ہو گیا تو تجھے ادب اختیار کرنا چاہیے اور جب تو کسی کو نصیحت کرے اور بُرے کاموں سے روکے تو تجھے اُس وقت یہ خیال کرنا چاہیے کہ تیرے دل میں کسی قسم کا فخر نہ چاہیے۔ اور خود کو اُس سے بہتر نہ سمجھے۔ ممکن ہے کہ وہ تجھ سے بہتر ہو جائے۔ اور شاید اُسکا منکرات و منہیات مین مبتلا ہونا ہی اُسکی ترقی کا سبب ہو جائے کیونکہ وہ اس حالت مین اپنے نفس کی حقارت کرتا ہے اور اُس سے کسی قسم کے تکبر و تملق کا دعویٰ نہین ہوتا۔ کیونکہ جو آپ کو عاصی خیال کرتا ہے وہ دعوے نہین کیا کرتا۔ دعویٰ وہی کیا کرتے ہین جو خود کو مطیع و زاہد خیال کرتے ہین۔

جاننا چاہیے کہ جو کچھ خدا کے بندون کی زبان سے بطور نصیحت و پند ظاہر ہوتا ہے اگرچہ وہ محض خیر و راست ہوتا ہے لیکن مخاطبین اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق اُس سے نتیجہ نکالتے ہین۔ جسکا باطن کدورتون سے صاف ہوتا ہے اور مادہ قبولیت کے لایق ہوتا ہے اُسکے حق مین وہ سونے پر سُہاگہ کا کام دیتی ہے۔ اور نورٌ علیٰ نور ہوتی ہے۔ اور جو بندہ نفس ہوتا ہے اُسکے حق مین وہی کلام زہر کا کام کرتی ہے اور اُسکے واسطے تاریکی پر تاریکی بڑھاتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک برتن سے وہی چیز نکلتی ہے جو اُسمین ہوتی ہے چنانچہ آیات ذیل سے بھی یہی مضمون ظاہر ہوتا ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ[1]۔ پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ محو و اثبات و تبدیل و تحویل ہر لحظہ ہوتی رہتی ہے تو ناصح کو چاہیے کہ اپنے کلام کا مخاطب کوئی خاص فرد نہ بناوے۔ بلکہ عمومیت کے طور پر محض افعال پسندیدہ و ناپسندیدہ کا ذکر کرے۔ اسی واسطے رسول اللہ اپنے وعظ مین کہا کرتے تھے "کیا حال ہوگا اُن لوگون کا جو ایسا ایسا کرتے ہین" اور کسی فاعل کی تعیین نہین کرتے تھے کیونکہ وہ ہر لحظہ تبدیل و تحویل کا مشاہدہ کرتے تھے۔ نیز اس نیت سے وعظ کرے کہ جسمین وہ وساوس نفسانیہ و خیالات ظلمانیہ ہون۔ وہ خود ہی اُس سے متنبہ ہو کر اُن کے علاج مین مصروف ہو جاوے اور تجھے دلالت علی الخیر کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ اگر سامعین مین سے کوئی بھی تیرے وعظ کے مضمون کا مصداق نہ ہو تو بھی تجھے۔ (التحذیر قبل الوقوع) (گناہ مین مبتلا ہونے سے پہلے ڈرا دینا) کا درجہ حاصل ہو جائیگا۔ جب تو کسی کو نصیحت کرے اور تیری نصیحت سے کوئی راہ راست پر نہ آئے اور تیرے واسطہ سے کوئی خدا کی طرف رجوع نہ لاوے تو اس سے غمناک نہ ہو بلکہ خوش ہو تا لوگون کا بلا وساطت تیری کلام کے خدا کی طرف رجوع لانا بہ نسبت تیری کلام کے ذریعے کے تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو جاوے۔ کیونکہ اس صورت مین تو نفسانی جذبات سے سلامت رہیگا۔ فقیر کو چاہیے کہ ناصح کی نصیحت سے متغیر و ناراض نہ ہو کیونکہ اُس نے اپنی طرف سے کوشش کی ہے۔ اور اپنے علم و مقام کے موافق تجھے نصیحت کی ہے۔ اگر اُس نے جو کچھ تیرے حق مین کہا ہے

[1] ایمان والون کا تو آیات قرآنی کے استماع سے یقین زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہین۔ لیکن بیماریون والے اسی کلام کے سُننے سے کفر و سرکشی و پلیدی مین زیادہ ہو جاتے ہین۔ اور کفر کی حالت مین مر جاتے ہین۔

حق ہے۔ تو تیرا متغیر ہونا حماقت ہے۔ ورنہ اُس نے تجھے پہلے ہی متنبہ کر دیا ہے۔ کیونکہ انسان جبتک زندہ ہے معرض زوال و ترقی میں ہے۔ علاوہ اسکے اگر تو صاحب ذوق ہے تو اُسکے احسان کا شکر کرنا چاہئے۔ اور اُسکے اعتراض کو ٹھنڈے دل سے سُننا چاہئے۔ اور اُسکے اعتراض کو ایسا سمجھنا چاہئے جیسا کوئی عوام الناس لذت ذوق سے عاری کسی فقیر صاحب ذوق پر اعتراض کرتا ہے جسطرح وہ فقیر اُسپر متغیر نہیں ہوتا اور سختی وگرمجوشی سے اُسکا مقابلہ نہیں کرتا اسی طرح تجھکو بھی ناصح کی نصیحت سے خفا نہیں ہونا چاہئے اور اُسکے اعتراض کو آہستگی و نرمی سے سُننا چاہئے۔ اور اُسکے کلام کی تردید میں مشغول ہونا محض حماقت وجہالت وغرور ہے۔ کیونکہ فقیر کا کام ہے کہ ایسے شخص پر بھی متغیر وخفا نہ ہو جو نا واجب اُسکی مذمت کرتا ہے چہ جائیکہ واعظ شفیق وناصح رفیق کی بھولی بھالی کلام کی برداشت نہ کرے۔

دیگر علامت اسکی یہہ ہے کہ صفات ناقصہ کی طرف منسوب کیا جانے سے خوش ہوتا ہے۔ اور اللہ کے قول پر (ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك) پر عمل کرتا ہے اور مدح وثنا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ صفات کمال کے لائق ذات خداوندی ہے۔ اسواسطے وہ سمجھتا ہے کہ بندہ کے واسطے نقایص وعیوب سے ہی موصوف ہونا شایاں ہے اور صفات کمالیہ کا خواہاں ہونا اصل کے برخلاف ہے۔ اس قسم کے لوگ شاذونادر ہی ہوتے ہیں۔ ایک عارف کی ابلیس سے ملاقات ہوئی۔ ابلیس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تمام نقائص وعیوب میری طرف منسوب کئے جاویں اور نہیں چاہتا کہ کوئی بدی وبُرائی خدا کی طرف لگائی جاوے۔ پس خیال کا مقام ہے کہ جب شیطان خدا کا اتنا ادب کرتا ہے تو فقیر کو کیونکر ہونا چاہئے۔

دیگر علامت اُسکی یہہ ہے کہ تمام امور میں اللہ کے ارادہ کو تسلیم کرتا ہے اور باوجود اُسکے مخالفت شرع کے وقت لوگوں پر اعتراض کرتا ہے۔ اور اسکو تسلیم کے منافی نہیں سمجھتا پس وہ اللہ کے ہر ایک کام پر جو وہ اپنی مخلوق میں کر رہا ہے راضی رہتا ہے اور سر تسلیم خم کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اُن کی ڈور اُسکے ہاتھ میں ہے۔ اور پھر باعتبار ادب شریعت کے مخالفت شرع کی حالت میں لوگوں سے جھگڑتا بھی ہے اسی واسطے انبیا بھی کفار سے جہاد کرتے تھے حالانکہ جانتے تھے کہ اُنکا کفر اللہ کے ارادہ کے ماتحت ہے۔ لیکن یہہ بھی جانتے تھے کہ اُن کے ساتھ جہاد کرنا بھی اسی کی قضا وقدر وحکم لم یزلی وتقدیر سرمدی سے ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جسنے بہایم پر رحم کرنے کا حکم دیا ہے اُسی نے اُن کے ذبح کا حکم دیا ہے ع

کہ مردم زیر امر کردگار اند +

ناصح کے حق میں یہہ نہیں کہنا چاہئے۔ کہ جو کچھ جہان میں ہو رہا ہے اللہ کے ارادہ سابقہ سے ہو رہا ہے پھر تمہاری وعظ ونصیحت سے کیا فائدہ۔ کیونکہ اگر یہہ دلیل قبول کی جائیگی تو سب ادیان مساوی ہو جائینگے اور جو مساوات کا معتقد ہے وہ اجماع کے مخالف ہے۔ میںنے اس خیال سے اسواسطے منع کیا ہے کہ اکثر اوقات ایسے ایسے اعتراض واعظین ومصلحین پر کئے جاتے ہیں۔ اور معترضین خیال کرتے ہیں کہ ہم راہ راست پر ہیں۔ حالانکہ یہہ شیطانی وسوسہ ہے۔ غالباً یہہ اعتراض ایسے لوگوں سے ہوا کرتے ہیں جو اپنے خیال

ہیں صوفیائے کرام کے طریق کے متبع ہوتے ہیں۔ مگر کسی کامل شیخ کی صحبت سے مستفید نہیں ہوئے ہوتے۔ جو کہ اس طریق سے بخوبی واقف ہو۔ اور اُن کے خیالات کی اصلاح کر سکے۔

خاتمہ عبودیت کے بیان میں جسکے سامنے سالکوں کے تمام مراتب و مقامات ہیچ ہیں

جاننا چاہیے کہ خالص عبودیت کے مقابلہ میں تمام مقامات و محلات و مدارج و مراتب و منازل و مراحل ہیچ ہیں۔ اسی واسطے عارفان کامل و عابدان قابل اعمال پسندیدہ و افعال ناپسندیدہ و اوصاف صالحہ و اخلاق طالحہ سے چنداں اُمید و خوف نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ اعمال صالحہ امراض کا علاج ہیں اور جو مقام عبودیت میں پہنچگیا ہے اور ذلت و انکساری تمام احوال میں ظاہر و باطن اُسکا شیوہ ہوگیا ہے وہ تندرست ہے اور تندرست کو علاج کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور وہ اعلےٰ سے اعلےٰ کمال کو بھی اللہ تعالیٰ کے جلال کے مقابلہ میں نقص خیال کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو ہرگز کسی ثواب کا مستحق نہیں سمجھتا اور نفس اُسکا تمام لذائذ نفسانی و حظوظ قلبی سے مردہ ہوجاتا ہے۔ ہاں جسکا نفس ڈنگ مارنے والا سانپ ہے۔ اُسکا علاج ضروری ہے۔ دیکھو عبودیت کی برکت اور اُسکے تقرب کو کیونکہ بندہ جب اپنے وصف اور ذلت و عجز و تواضع و انکسار وغیرہ اوصاف عبودیت کو جان لیتا ہے۔ تو صفات خداوندی اور صفات مملوکی میں تمیز کرتا ہے۔ اور خدا کی صفات کبریائی و بزرگی و حکومت وغیرہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اُس کو بغیر محنت و مشقت کے اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ کا لباس پہنایا جاتا ہے اور وہ اپنے دل سے تمام کمالات کا خیال محو کردیتا ہے اور کسی قسم کا عیب و نقصان اُسکے باطن میں راہ نہیں پاتا۔ کیونکہ عیوب و نقایص اُسی وقت انسان کے دل میں گزر پاتے ہیں جبکہ وہ اپنے کو کامل و لائق سمجھتا ہو۔ اور عبد کا یہی حق ہے کہ وہ آقا پر اپنا کوئی حق نہ سمجھے۔ اگر تکالیف شرعیہ کے راز کو سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سے مقصود یہی ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہوجاوے کہ وہ ہر ایک پہلو سے عبد مطلق ہے جسمیں ربوبیت و اُلوہیت کی بو نہیں۔ اور وہ ہر امر میں خدا سے پیچھے ہے۔ مثلاً نماز کے مشروع ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے بندے کا نام مصلی یعنے پیچھے ہٹنے والا رکھے اور اُسکو معلوم ہو کہ میں محکوم ہوں۔ اور تکبر و خودپسندی وغیرہ صفات خداوندی میری شان کے لائق نہیں۔ میرا کام محض ادب بجالانا اور اسکے حکم کے سامنے سر جھکانا اور اپنے کو ذلیل و رسوا بنانا ہے۔ دیکھو کہ شیطان باوجود حجت قوی و دلیل محکم رکھنے کے بارگاہ خداوندی سے بباعث تکبر و بے ادبی راندہ گیا۔ اُسنے کہا تھا کہ اے بار خدایا جب تیرا ارادہ نہیں ہے کہ میں آدم کو سجدہ کروں۔ تو تو مجھے سجدہ کے واسطے کیونکر حکم دیتا ہے۔ اگر تیرا ارادہ ہوتا تو میری کیا مجال تھی کہ میں سجدہ نہ کرتا۔ خدا نے کہا کہ تجھکو میرا ارادہ تیرے انکار کے بعد معلوم ہوا یا پہلے۔ جواب دیا کہ انکار کے بعد میں نے معلوم کیا کہ اگر تیرا ارادہ مجھسے سجدہ کروانے کا ہوتا تو میں ضرور سجدہ کرتا۔ خدا نے کہا کہ پس اسی بے ادبی کے واسطے تو ملعون ہوا ہے۔ نہ باعث عدم سجدہ کے۔ آدم علیہ السلام کے کمال ادب کو دیکھو۔ کہ (ربنا ظلمنا

اَنۡفُسَنَا وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ[1] اسطرح اپنے گناہ کا اقرار کرتے ہین - باوجودیکہ جانتے تھے کہ جو کچھہ ہوا ہے اُسکے ارادہ و مشیت سے ہی ہوا ہے - پس دیکھو کہ اللہ نے بہی انکو اس ادب کی خاطر اپنا برگزیدہ بندہ بنالیا اور اسکی خطا کو معاف کردیا - اور اپنا برگزیدہ بندہ بنالیا - دیکھو یہہ ہے عبودیت - گویا عبودیت کا سارا دار و مدار ادب و فرمانبرداری پر ہی ہے اسی واسطے اس طائفہ نے شریعت کے معنے عبودیت کا اختیار رکہا ہی لئے ہین کیونکہ بندہ ہر وقت و ہر حالت مین محکوم علیہ و تابع فرمان ہے - اسی واسطے شریعت کا حکم اُسسے بذات خود سر اُٹہانے نہین دیتا گویا اُسکی ہر ایک حرکت اور سکون مین شرع کا حکم موجود ہے - جس کی تابعداری اُس کا کام ہے - پس تقرب الی اللہ کے واسطے راہ عبودیت سے زیادہ کوئی آسان راستہ نہین ہے - کیونکہ راہ عبودیت محض عجز و انکسار و خضوع و خشوع و تواضع و فروتنی و کم بینی و نفس کُشی کا راستہ ہے - اور بندہ کے واسطے عزت و شوکت و تکبّر و جلالت - خود پسندی و خود نمائی و خودی و خود غرضی اصل کے برخلاف ہے - لیکن اس حالت مین بہی اُسپر اسم عبودیت صادق آئیگا - خواہ فرمانبردار رہو یا مغرور بے فرمان - کیونکہ مغرور غلام سے غلامیت و عبودیت کا مصداق دور نہین ہوجاتا اور بہاگ جانے اور نافرمان ہوجانے سے وہ مطلق غلامی سے آزاد نہین ہوجاتا - ہان اتنا ضرور ہے کہ وہ اپنی جہالت سے لوازم عبودیت (مثلاً آقا کے سامنے ہاتھہ باندہ کر کہڑا ہونا اور اُسکے احکام کا بجالانا اور منہیات سے باز رہنا) سے خارج ہوجاتا ہے - اس سے معلوم ہوا کہ عبد مطلق دو حال سے خالی نہین یا تو اپنی قدر و قیمت و حقیقت کو جانتا ہوگا - اس صورت مین تو انکسار و تواضع و تسلیم و خضوع وغیرہ بجالائیگا - یا اپنی حقیقت سے غافل ہوگا اور سرداری کے مقام کا دم ماریگا - اس حالت مین اُسپر خود پسندی و خود نمائی و عُجب و تکبّر ظاہر ہوگا - لیکن پہر بہی مطلق عبودیت سے خارج نہین ہوگا - یہہ بہی یاد رہے کہ قُرب کے اندازہ سے خُدا کا خوف ہوتا ہے - جسقدر بندہ قرب مین زیادہ ہوگا خوف و ادب مین اُسی قدر بہ نسبت دوسرے کی زیادہ ہوگا - اس درجہ مین اُسکا کام عاجزی کی حد پر ٹہہر جانا اور دعاوی کا ترک کرنا ہوتا ہے - کیونکہ دعاوی سے الوہیت کی طرف مائل ہونے کا شائبہ پایا جاتا ہے - اسی واسطے عارفون کے دل سے ایک لحظہ بہی خوف جُدا نہین ہوتا - کیونکہ اُنہین ہر لحظہ تحویل و تبدیل کا ڈر لگا رہتا ہے اسلئے کہ وہ جانتے ہین کہ دنیا و آخرت مین خدا کسی امر کا مقید نہین ہے - لَا رَادَّ لِحُكۡمِهٖ وَلَا مَانِعَ لِقَضَائِهٖ - کوئی اُسکے حکم کو رد نہین کرسکتا اور کوئی اُسکے حکم کو ٹال نہین سکتا - اس واسطے اُنپر ہمیشہ خوف کا دروازہ کہلا رہتا ہے کیونکہ حدیث مین وارد ہے کہ سعادت و شقاوت کا حکم جاری ہوچکا ہے - سعید اپنے مان کے پیٹ مین ہی سعید ہے - اور شقی (بدبخت) اپنی مان کے پیٹ مین ہی بدبخت ہوتا ہے - صحابہ نے کہا یا رسول اللہ پہر عمل کی کیا ضرورت ہے - فرمایا عمل کئے جاؤ ہر ایک کے لئے وہی کام آسان ہوگا - جس کے واسطے وہ پیدا کیا گیا ہو

[1] اے رب ہمنے اپنی جانون پر ظلم کیا - اگر تو نہ بخشتا اور رحم نہ کرتا تو ہم گہاٹے پانے والون سے ہوتے ۱۲

پس معلوم ہوا کہ ہر ایک امر ایسا ہی وقوع مین آتا ہے جیسا کہ وہ نفس الامر مین ہوتا ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خیر و شر و سعادت و شقاوت کے واسطے اسباب ہین اور ہر ہر چیز کے اسباب اپنے اپنے محل پر موجود ہو جاتے ہین اور خیر کے راستہ پر چلنا خوشخبری و سعادت کی علامت ہے۔ پس انسان کو اپنے اعمال کے واسطے اپنے دل مین دیکھنا چاہیئے کہ اُس کا ظاہر و باطن یکسان ہے یا نہین۔ اگر زبان و دل موافق ہون تو سعادت کی اُمید رکھنی چاہیئے۔ اور اگر ظاہر مین خیر معلوم ہو اور باطن مین شک و اضطراب و شرارت ہو تو جاننا چاہیئے کہ تیرا دل نور ایمان سے منور نہین ہے تجھے اپنے حال پر رونا چاہیئے۔ اور جان لینا چاہیئے کہ تیرے لئے آخرت مین کوئی حصہ نہین ہے۔ یہ تیرے دل کی میزان ہے اور تیرا دل خوب جانتا ہے اور جو کچھ اُسمین خواطر اور وساوس گذرتے ہین وہ اُن سے بخوبی واقف ہے اسی واسطے حدیث مین ہے کہ ایک بندہ اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ دوزخ مین گر جاتا ہے۔ یعنے ظاہر مین لوگون کی نظر مین وہ اچھے ہوتے ہین۔ لیکن اُنکے دل کی حالت و نیت خراب ہوتی ہے جس سے خدا کی نظر مین وہ اعمال دوزخ کے لائق ہوتے ہین جس سے وہ دوزخ مین جا گرتا ہے اور ایک بندہ دوزخیون کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ بہشت مین داخل ہو جاتا ہے یعنے ظاہر مین جو وہ کام کرتا ہے لوگون کو خلاف شرع معلوم ہوتا ہے۔ لیکن باطن مین اُسکے دل کی حالت اور نیت درست ہوتی ہے اسلئے اللہ کو وہ بات معلوم ہوتی ہے جو لوگون کو نہین ہوتی۔ گویا اس حدیث مین رسول اللہ نے لوگون کے دل کی حالت ظاہر فرمائی ہے۔ فافہم وتفکر۔ جاننا چاہیئے کہ عبد کی کوششون و ریاضتون کی علت غائی اپنے آقا کی معرفت ہے۔ لیکن اُسکی معرفت کما حقہا دنیا و عقبےٰ کی ترقی کے ساتھ بھی ممکن نہین ہے عارفون کی عمرین گذر جاتی ہین اور وہ پھر بھی پہلے ہی قدم پر ہوتے ہین۔ لیکن اُن کی ہمتین اور کوششین حقوق حق کی ادا مین ڈٹی رہتی ہین۔ اسی واسطے رسول اللہ نے فرمایا ہے سُبْحٰنَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ سُبْحٰنَكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ سُبْحٰنَكَ وَلَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ[1] واہ سبحان اللہ آپ کس درجہ کے معلم خیر ہین اور کس رتبہ کے عبد مین عجیب تو یہ راز جان چکا تو کسی مقام کی تلاش مین مضطرب نہ ہو۔ کیونکہ تو ہر حال مین خدا کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی ہر ایک چیز کے ساتھ ہے۔ نسبت علو و سفل وہان برابر ہے گو یا وہ ہر ایک درجات و درکات مین اپنے بندون کے ساتھ ہے ایسی معیت کے ساتھ جو اُسکے جلال کے شایان ہے۔ پس تجھکو لازم ہے کہ تو اپنے تمام حالات (ادنی و اعلےٰ پست و بلند عزت و ذلت) مین راضی رہے کیونکہ خدا کی اُسحالت مین تیرے ساتھ ہے پس تو بھی اس حالت مین اُس کے ساتھ رہ کیونکہ تو تو اُسکے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہے پس اعلےٰ سے اعلیٰ مرتبہ بھی باعتبار معیت ادنےٰ درجہ کے برابر ہے یا اسی واسطے ہم کو ہر حالت مین خوش رہنا چاہیئے کہ ہم نہ اعلےٰ حالت مین ہین نہ ادنےٰ درجہ مین

---

[1] تیری ذات پاک ہے ہمنے تیری کما حقہ عبادت نہین کی۔ تو پاک ہے ہمنے تجھے پورا شناخت نہین کیا تو پاک ہے ہم تیری تعریف سے قاصر ہین۔ تو ویسا ہی ہے جیسا تو خود اپنی تعریف کرتا ہے۔

مقت و غضب سے مامون و مصئون ہیں۔ کیونکہ محو و اثبات و تبدیل و تحویل رات دن واقع ہو رہی ہے سوائے انبیاء کی کسی کو محو و اثبات سے امان نہیں۔ پس جو شخص خدا سے ملنا چاہے وہ ہمیشہ عجز و انکسار و تواضع و فروتنی اختیار کرے اور ہر ایک چیز میں آپ کو اللہ تعالیٰ الغنی حمید کا محتاج سمجھے۔ اور دنیا و آخرت کے حظوظ و خواہشات پر دل نہ لگائے۔ اور کسی مرتبے و مقام کا دلدادہ نہ ہو۔ کیونکہ مراتب و مقامات پر دل لگانے سے وہ اُنکا ہو جائیگا نہ اللہ کا۔ اُسکا تو وہی ہوگا جو اُسی کا ہو رہے گا۔ اور کسی درجہ و مقام کا طالب نہ ہوگا۔ اور دنیا و آخرت میں مستور ہوگا۔ اسی واسطے محققوں نے کہا ہے کہ ولی وہ ہے جو مراتب دنیاوی و اعزاز اُخروی کا طالب نہ ہو۔ اور دنیا میں مستور و محجوب رہے۔ البتہ دنیا میں مشہور ہونا انبیاء کا خاصہ ہے۔ کیونکہ وہ اسی امر کے واسطے مرسل و مامور ہوتے ہیں۔ لیکن اولیا کا وظیفہ و کام محض عبودیت و عدم شہرت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عبد مطلق کا اعلےٰ رتبہ یہہ ہے کہ کسی مرتبہ و مقام کا طالب نہ ہو۔ کیونکہ مقامات کی تلاش کے وقت مرد ان کا محتاج و محکوم ہوگا۔ لیکن مرد ایسا ہونا چاہیئے کہ نہ مقامات کا حاکم ہو نہ محکوم۔ علاوہ اسکے طالبان مقامات کی ہمت اسی پر منحصر رہے گی کہ وہ کسی غایت و نہایت مرتبے و مقام تک پہنچیں۔ لیکن جبکہ مقامات غیر محصور و لاَمتناہی ہیں۔ پس جب وہ ایک مقام و درجہ تک پہنچیں گے۔ تو نئے درجے کی خواہش دل میں پیدا ہوگی اور یہہ غایت جس پر وہ پہنچیں گے نئے مقام کی ابتدا ہوگی۔ گویا وہ ہمیشہ غایات و مقامات کے محتاج و محکوم رہیں گے۔ اور یہہ میدان کبھی ختم نہیں ہوگا۔ لیکن عبد کامل ان غایات و مقامات کے محتاج و محکوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حق محدود نہیں ہے اور نفس الامر میں اُسکی کوئی غایت و حد نہیں ہے۔ اور اُسکے واسطے کوئی مقام متعین نہیں ہے۔ اسی واسطے قطب محمدی کہا کرتے تھے کہ مجھہ میں اور غیر میں صرف یہہ فرق ہے کہ میرے واسطے کوئی مقام متعین نہیں ہے۔ اور مقامات کو میرے ساتھہ وہ نسبت ہے جو اسماء الٰہیہ کو اللہ کے ساتھ ہے۔ پس جیسا وہ کسی مقام میں متعین نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر نفس و ہر زمان و ہر حال میں ایسی صورت سے ہوتا ہے جیسا وہ نفس اور وہ زمان اور وہ حال تقاضا کرتا ہے۔ پس وہ کسی خاص صورت و حال کا مقید نہیں ہے۔ کیونکہ احکام الٰہیہ ہر حال میں و ہر زمان میں مختلف ہوتے رہتے ہیں اور اُن کے اختلاف سے وہ بھی ہر رنگ میں ہوتا ہے کیونکہ (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) اُسکی شان ہے پس ایسا ہی محمدی ہے۔

اب ہم سالکین کے چند مقامات و احوال کو جو عبودیت کے درجہ سے ساقط ہوتے ہیں لکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ عبودیت ہی مقصود بالذات و مطلوب فی نفسہ ہے اور وہی سب سے نزدیک راستہ ہے۔ اور وہی انبیاء و صدیقین کا خاص مرتبہ ہے۔ اسی واسطے رسول اللہؐ کو جب اختیار دیا گیا کہ آپ بادشاہ نبی ہونا چاہتے ہیں یا بندہ نبی تو آپ نے عبودیت کو اختیار کیا۔ اور آپ کے قول دا نا

سید ولد آدم ولا فخر (میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور یہ فخر کی بات نہیں ہے) کے یہ معنے ہیں کہ میں سیادت و سرداری پر فخر نہیں کرتا بلکہ عبودیت میرے لئے فخر ہے۔ اسی عبودیت کے لئے ایجاد موجودات ہوئی۔ جیسا کہ (ما[1] خلقت الجن والانس الا لیعبدون) سے ثابت ہوتا ہے۔ آپکا عبودیت پر فخر کرنا (باوجودیکہ آپ جانتے تھے کہ وہ قیامت کے روز شفاعت عظمےٰ کے مالک ہوں گے۔ اور باقی تمام انبیاء اُس مقام میں شفاعت سے انکار کرینگے) اس غرض سے ہے کہ اُمت کو عبودیت کی عظمت معلوم ہوجائے۔ تاکہ وہ سب سے پہلے عبودیت کیطرف سبقت کریں۔ جاننا چاہیئے کہ عبودیت کی روح تو یہی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ خیال کرے لیکن تقرب کی حالت میں عبودیت بذات خود قائم نہیں رہتی۔ کیونکہ صفات عبودیت اور صفات سیادت باہم مختلف و متناقض ہیں اور وصل و قرب اتحاد کو چاہتا ہے اسی واسطے وصل کی حالت میں صفات متناقضہ جمع نہیں ہوسکتیں اور ذلت و عجز جو سیادت کے رتبہ کے منافی ہے جاتی رہتی ہیں۔ اسیواسطے جب ابو یزید بسطامی قرب و وصل کے حصول میں حیران ہوا۔ اور نہ جانا کہ کس چیز سے وصل حق حاصل ہوتا ہے۔ تو اُسے خدا نے کہا کیا تو ایسی چیز سے میرا وصل و قرب چاہتا ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ یعنے انکسار و افتقار سے میں اس سے حاصل نہیں ہونے کا۔ پس ابو یزید نے ذل افتقار کو اپنے نفس سے دور کیا اور قرب حق حاصل کیا۔ کیونکہ وصل کے واسطے وہ صفات مانع تھیں۔ فافہم فانہ دقیق ونفیس۔

اگرچہ واقع میں یہی ہے کہ عبد اصالتاً اسی واسطے پیدا کیا گیا ہے کہ اللہ کا بندہ ہو اور ہمیشہ بندہ رہے لیکن جب اللہ اُسکو سیادت و سروری کی خلعت پہنا دیتا ہے اور اُسکے اظہار کی اُسے اجازت دیتا ہے تو وہ دیکھنے والے کے نزدیک سردار ہوتا ہے اور فی نفسہ عبد ہوتا ہے۔ گویا عبد باعتبار اپنی ذات کے ہوتا ہے اور آقا بلحاظ صفات خداوندی کے۔ اور وہ سیادت اُسپر خدا کی زینت و خلعت ہوتی ہے۔ ابو یزید بسطامی کے لوگ ہاتھ چومتے۔ اور اُن سے تبرک ڈھونڈتے۔ اور عجز و انکساری سے پیش آتے۔ کسی نے اُن سے سوال کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ میری تعظیم نہیں کرتے اور میرے لباس سے تبرک نہیں ڈھونڈتے بلکہ اللہ کے لباس سے مسح کرتے ہیں۔ جو اُسنے مجھے پہنایا۔ کیا میں ان کو اس سے منع کروں۔ کیا وہ کسی غیر کا ہے۔ یہ بھی سمجھ رکھ کہ تیری صفات تیرے آقا کی صفات میں سے نہیں ہیں پس تجھے دعوے سے خاموش رہنا چاہیئے اور جاننا چاہیئے کہ حالت عبودیت میں تیرا کام ذل و عجز و انکسار ہی ہے۔ اور یہی تیرے واسطے باعث فخر ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک عارف بڑے تکبر و فخر سے اترا کر چلا کرتا تھا۔ جیسا کہ مغرور و خود پسند چلا کرتے ہیں۔ کسی نے اسکی وجہ پوچھی۔ کہا کہ کیوں نہ فخر کروں اور کیونکر نہ اکڑ کر چلوں (حالانکہ) میں محض عبد خالص ہوگیا ہوں اور اپنے میں ربوبیت کی بو بھی نہیں پاتا ہوں۔ کیا یہ خوشی کا مقام نہیں ہے۔ کیا یہ فخر کا وقت نہیں ہے۔ مگر یہ مشکل مقام ہے ہر زمانے میں ایک آدمی ایسا

[1] جن و انسان کی پیدائش محض عبودیت کے لئے ہوئی ہے۔

ہوتا ہے جو اس مرتبہ تک پہنچتا ہے۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں درجہ عبودیت نصیب کرے۔ اور اُسکی ملاقات کے زمانے تک کوئی امر ہم میں اور اُسکی عبودیت میں مانع و حائل نہو۔

اُن احوال میں سے ایک حالت یہہ ہوتی ہے کہ جب اُسے یہہ رُتبہ حاصل ہوتا ہے۔ تو سوا اللہ کے تمام اشیاء سے توبہ کرتا ہے۔ اور صرف اُسی کو کارساز سمجھتا ہے اور (ان لا تتخذ من دونہ وکیلا) (تو اُسکے سوا کسی کو کارساز نہ بنائے) کو اپنا دستور العمل بناتا ہے۔ شبلی رحمہ کا قول ہے کہ توبہ کی تعریف یہہ ہے۔ کہ تو اللہ کے سوا ہر دو جہان میں کسی کو نہ دیکھے الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل اللہ کے سوا ہر ایک چیز باطل و فانی ہے۔ دیگر حالت عبودیت یہہ ہوتی ہے کہ وہ ملکوت السموات والارض میں غور و فکر کرتا ہے۔ اور اُسمیں ذات حق کا مشاہدہ کرتا ہے کیونکہ یہہ ایسی حالت کی تلاش ہے جو ہمیشہ ذات حق کے ساتھ ہے۔ اور بندہ کا کام یہہ ہے کہ وہ اپنے آقا کو ہر مکان میں بلا مکان دیکھتا ہے۔ پس وہ ہمیشہ اپنے آقا کے سامنے کھڑا رہتا ہے اور اُس سے کسی چیز کی درخواست نہیں کرتا نہ زبان سے نہ دل سے۔ مگر محض عبودیت کی وجہ سے دیدے تو کچھ خوشی نہیں نہ ملے تو کچھ شکایت نہیں گویا اُسکے نزدیک عطا و منع و سعادت و شقاوت یکساں ہے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔ کیونکہ اگر اُسکے نزدیک عطا کو منع پر اور سعادت کو شقاوت پر ترجیح ہو تو اُسمیں خواہش نفسانی و حظ نفس پایا جاتا ہے۔ نیز اسمیں اللہ پر تحکم (حکم چلانا) پایا جائے گا۔ لیکن اس حقیقت کو صاحب ذوق معلوم کر سکتا ہے بعض ایسے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ سے شئے معین کی درخواست کرتے ہیں۔ پھر جب وہ معین چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اُس معین چیز پر پشیمان ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہم سوال ہی نہ کرتے اور معین ہی نہ کرتے۔ اور یہہ اکثر واقع ہو رہا ہے مثلاً ایک شخص چاہتا ہے کہ وہ شیخ ہو جائے پھر جب اُسکو مشیخت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ بلاؤں میں مبتلا ہوتا ہے۔ پھر اُسوقت چاہتا ہے کہ کاش مجھے یہہ حالت ہی معلوم نہ ہوتی۔ یا ایک فقیر خواہش کرتا ہے کہ اللہ اُسے مال دیوے۔ پھر جب اُسے مال مل جاتا ہے تو اُس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ اور نیک کاموں سے اندھا ہو جاتا ہے۔ پھر افسوس کرتا ہے اور کہتا ہے مبارک ہیں وہ فقیر جو ہر حال میں راضی ہیں۔ اور دنیا کی پروا نہیں کرتے۔

یہہ بھی یاد رہے کہ جو اللہ کے ساتھ مبتلا ہے وہ بہ نسبت اپنے نفس کے ساتھ مبتلا ہونے کے آرام و آسائش میں ہے۔ چنانچہ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ جبتک کسی کے دل میں کسی حالت کی خواہش باقی رہے یہاں تک کہ حق کی طلب بھی وہ ولی نہیں ہے۔ کیونکہ ذات حق کی تلاش حق کے واسطے ممکن نہیں ہے۔ بلکہ وہ بھی حظ کے واسطے ہوتی ہے کیونکہ تلاش کا فائدہ مطلوب کی تحصیل ہوتی ہے اور ذات حق حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ مجہول نہیں ہے اسی واسطے وہ مطلوب نہیں ہو سکتی۔ پس معلوم ہوا کہ تلاش حق بھی حظ نفس کے واسطے ہو سکتی ہے۔ نہ حق کے واسطے۔ فافہم ہذا المقام فانہ دقیق رقیق وعجیب غریب۔

پس بندہ کو چاہیے کہ ایسے فکر و غور سے پرہیز کرے جسکے واسطے مامور نہیں ہے۔ کیونکہ اُسمیں ذات حق

کی طلب ہے اور یہ محال ہے جیسا کہ اوپر مدلل مذکور ہوا - حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عقول سے بھی ایسا ہی مستور رہے جیسا کہ آنکھوں سے محجوب ہے یعنے عقل سے بھی ذات خداوندی حاصل نہیں ہو سکتی اور ملاء اعلیٰ بھی اسکو ایسا ہی تلاش کرتے ہیں جیسا تم تلاش کرتے ہو - پس تلاش میں ہم ملاء اعلیٰ ایکساتھ شریک ہیں لیکن کیفیت تلاش میں مختلف ہیں - بعض ہم سے اُس کو عقل و فکر سے تلاش کرتے ہیں اور بعض اُسکو اُسی سے تلاش کرتے ہیں - لیکن ملاء اعلےٰ اُسکو عقل سے تلاش کرتے اور اُن میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اُسکو اُس سے ہی تلاش کرے - وجہ اسکی یہ ہے کہ انسان اسکی کمال صورت پر پیدا کیا گیا ہے اور فرشتے اُس پر مخلوق نہیں ہیں - اسی واسطے انسان کامل طاقت رکھتا ہے کہ اُسکو اُسکے ذریعے سے تلاش کر سکے اور جو اُسکو اُسکے ہی ذریعہ سے تلاش کرتا ہے واصل ہو جاتا ہے اور اُس تک پہنچ جاتا ہے اور دوسرا کوئی نہیں پہنچ سکتا - جاننا چاہیئے کہ ذات حق مجہول الکیفیت ہے کسی حد و قید سے محدود و مقید نہیں ورنہ وہ متحیز ہو جاتا - اور لیلۃ الاسراء (معراج) میں رسول اللہ کا قاب قوسین (دو کمان کی مقدار) کا قرب اور دریا کی قعر میں مچھلی کے پیٹ کے اندر یونسؑ کا قرب برابر نہ ہوتا اور یہ مضمون حدیث سے ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ ذات خداوندی کسی حد معین میں محدود نہیں ہے پس خدا کے نزدیک پست و بلند و نشیب و فراز یکساں ہے - عرش پر ہونا اور تحت الثریٰ (زمین کے اندر) ہونا برابر ہے - اسی واسطے ایسی ذات تفکر کے احاطہ میں نہیں آسکتی - تفکر اگرچہ ضروری ہے لیکن اپنی ذات کا - نہ ذات باریتعالیٰ کا جیسا کہ (وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ) (وہ تو تمہارے اندر ہے کیا تم فکر نہیں کرتے) سے ظاہر ہوتا ہے - اور ذات بحث کی طرف تجاوز نہیں ہوتا - کیونکہ اس کا انجام تو حیرت ہے - بھلا حادث قدیم کو کیونکر محیط ہو سکتا ہے علاوہ اسکے تفکر میں مشغول رہنا اور حالت موجودہ معطیہ من اللہ پر شاکر نہ ہونا دو عذابوں میں گرفتار ہونا ہے - نیز فکر و غور کرنے سے تفکر کرنے والا اپنی فکر کی پیدائش تک پہنچتا ہے نہ ذات باری تک پس ذات پاک میں غور کرنا کسی حالت میں مفید نہیں - اگر غور کرنے والا مومن ہے اور تقلیداً ذات خداوندی پر ایمان رکھتا ہے اور پھر عقل کو دخل دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ ایسے ایمان میں شبہ ہے اور اگر مومن نہیں تو اُسے مومن نہ ہونا ہی بس کرتا ہے - پس معلوم ہوا کہ ذات خداوندی عقل و فکر سے مدرک نہیں ہو سکتی - کیونکہ ہر ایک عقلی دلیل پر شبہ و اعتراض ہو سکتا ہے اسی واسطے عقلاء کا اختلاف رہتا ہے اور ہر ایک فریق اپنے مخالف کی دلیل اعتراض کر سکتا ہے گویا ایک کی دلیل دوسرے کا شبہ ہے گویا اُن کے تمام دلائل عین اعتراض ہیں - اور بڑی خرابی تو یہ ہے کہ مخلوق (عقل) کو خالق (حق) پر حاکم بناتے ہیں - اور مخلوق کے ذریعہ سے خالق کو جاننا چاہتے ہیں مگر وہ جانا نہیں جاتا - حالانکہ شاہ رگ سے نزدیک ہے - اسکی معرفت اور اسکا ادراک تو بجز ایمان و تقلید کے نہیں ہو سکتا اگر خبر و نقل کے واسطہ سے اُسکی صفات معلوم نہ ہوتی تو عقل اُسپر دلالت نہ کر سکتی - حقیقت میں سمجھو تو وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے لیکن اُسکی معیت کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی اسی واسطے فرمایا ہے هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو) اور نہیں فرمایا کہ انتم معہ

(تم اُسکے ساتھ ہو) اس میں حکمت یہی ہے کہ اُسکی مصاحبت مجہول ہے ہم اُسکی مصاحبت کو نہیں جان سکتے اور وہ ہماری معیت کو جانتا ہے۔ فافہم وتدبر۔

جاننا چاہیئے کہ ہر ایک فرد اپنی استعداد و لیاقت و مبلغ علم کے مطابق خدا کو جانتا ہے۔ دو شخص ایک درجۂ علم میں جمع نہیں ہو سکتے جیساکہ دو شخص ایک ہی درجۂ مزاج پر نہیں ہو سکتے ان اسرار و حکم کو اہل اللہ ہی جانتے ہیں۔ یہہ بھی یاد رہے کہ باوجود التفکر فی الذات کی ممانعت کے کوئی شخص تفکر سے بچا ہوا نہیں۔ یہانتک امام غزالی جیسے فحول بھی نہیں چھوٹے۔ لیکن عارفوں نے اُسکے اقوال کو خطا سمجھا ہے۔ قیامت کے روز وہ پوچھا جائیگا۔ کیونکہ اُسنے اپنی عقل کو ایمان پر ترجیح دی ہے اور علم ذات مطلق میں اپنی فکر و قیاس کو حاکم بنایا ہے۔ حالانکہ عارفِ کامل اس معاملہ میں حیران و سرگردان ہیں۔ ایسا ہی وہ امام غزالی کے اس قول (کہ وہ جہاں میں نظر و فکر کے بغیر معلوم ہو سکتا ہے) کو بھی خطا سمجھتے ہیں۔ اور اُن کی حیرانی کی وجہ یہہ ہے کہ اگر وہ حق کو عالم سے جُدا سمجھتے ہیں تو بھی نہیں کر سکتے اور اگر اُسکو عین عالم بناتے ہیں تو بھی نہیں بنا سکتے اور پایہ ثبوت تک نہیں پہنچا سکتے اسی واسطے وہ حیران ہوتے ہیں کبھی کچھہ کہتے ہیں گاہے کچھہ کہتے ہیں اور کوئی مستقل رائے قائم نہیں کر سکتے۔ اکثر اُن لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے جو معرفت حقیقت ذات کی تلاش کرتے ہیں اور اندھی اونٹنی کی طرح اِدھر اُدھر ہاتھہ پاؤں مارتے ہیں۔ جہاں نور ایمان ہوتا ہے وہاں دلایل سب بسم ہو جاتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ غایت معرفت معرفت سے عاجز آنا اور عدم اِدراک کا اقرار کرنا ہے جیساکہ ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے کہ خدا نے اپنی معرفت کو ہمارے نفس کی معرفت پر موقوف رکھا ہے۔ اور اس میں راز یہہ ہے کہ جب ہم اپنے ہی نفس کی معرفت سے عاجز ہیں تو اُسکی معرفت ذات سے بطریق اولیٰ عاجز ہوں گے۔ پس ان مختلف کلاموں سے معلوم ہوا کہ معرفت حق میں عاجز و حیران ہونا ہی عین وصول و ادراک ہے۔ یہہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بہائم فطرتاً ہی میں حیرت فی اللہ پر مجبول ہیں۔ پس سب سے اعلیٰ مرتبہ جسپر صحیح عقل والے اپنے عقل و فکر سے پہنچنا چاہتے ہیں وہ بہائم کا ابتدائی درجہ ہے۔ کیونکہ اہل نظر و صاحب عقل و فکر سے حیرت سے نکلنا چاہتے ہیں۔ لیکن اُن کے ساتھہ تنور سے نکلے بھاڑ میں گرے۔ والا معاملہ ہوتا ہے اور پہلے سے زیادہ حیران ہو جاتے ہیں اور بہائم میں عقل فکر نہیں ہے وہ ہمیشہ ہی فطری حیرانی میں رہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ کی معرفت ذات میں سب سے زیادہ حیران وہ ہے جسکو اسکا زیادہ علم ہے اور تلاش ہے۔ چونکہ معرفت ذات حق محال ہے اسواسطے عارفوں کو یہہ آیت (سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون)[1] بڑی ناامید کرنے والی اور ہمتیں پست کرنیوالی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ لفظ رب العزۃ بتارہا ہے کہ اُسکی ذات کا دریافت کرنا محال ہے۔ کیونکہ لفظ عزۃ

[1] تمہارا رب تمہارے خیالات سے بری و پاک ہے۔ ان خیالات واوصاف سے جو لوگ بیان کرتے ہیں اسکا دریافت کرنا محال ہے۔

کے معنے منع و محال کے ہیں۔ اور اس میں اُن لوگوں پر چوٹ ہے جو اسے استدلال و عقل و خیال سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ عقل مخلوق اپنے خالق پر احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ اسکی معرفت وحی کے کشف و شہود سے ہوتی ہے۔ پس جو شخص خدا کی تعریف اس طرح کرتا ہے جس طرح اُسنے خود نہیں کی وہ معرفت و شناخت میں قاصر ہے کیونکہ رب العزۃ کو کوئی وصف نہیں پا سکتی اور وہ کسی وصف میں محدود نہیں ہو سکتا اور اُسکی حقیقت کسی اسم و لفظ سے تعبیر نہیں ہو سکتی کیونکہ عزیز کا مفہوم ہی یہہ ہے کہ وہ کسی لغت و وصف و علم و معرفت سے حاصل نہ ہو سکے۔ ورنہ وہ عزیز ہی نہ ہوگا اسی واسطے آیت مذکور کے بعد خدا نے فرمایا کہ سلام علے المرسلین کہ رسول ہی بچے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ وہ اُسکی کسی صفات میں خوض نہیں کرتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ہر ایک گروہ دلائل نقلیہ سے اُسپر متفق ہے کہ انکا کوئی موجد ہے جس سے اُنکو وجود حاصل ہوا ہے۔ اور اس پر اس کثرت سے اتفاق ہے کہ یہ مسئلہ بدیہیات و ضروریات سے شمار کیا جا سکتا ہے۔ پس اگر اسی پر بس کرتے اور اسکی صفات کو اس طرح سے قبول کرتے جیسا کہ انبیا کی زبان سے معلوم ہوتے ہیں تو نجات و فلاح پا جاتے لیکن انسان جلد باز ہے۔ اسکو قوتِ عقل و فکر عطا ہوئی ہے۔ اُسنے سمجھا کہ ہر چیز عقل کے اندر ہے اور یہہ خیال نہ کیا کہ عقل کی بھی ایک حد ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتی اور صفات آلہیہ کا مسئلہ عقل کی حد سے باہر ہے۔ اسی واسطے وہ اس میدان میں بھی عقل کے گھوڑے دوڑانے لگا۔ مگر مُنہ کی کھائی اور کچھہ حقیقت سمجھہ میں نہ آئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا علم اللہ کے بتلانے سے (جسکو اُسنے انبیا کی زبان سے ظاہر کیا ہے اور جسکو اہل کشف و شہود و مشاہدہ و مکاشفہ سے دیکھتے ہیں) حاصل ہو سکتا ہے اور یہ جو ابوبکر صدیق رض کا مشہور مقولہ ہے کہ معرفت ذات سے عاجز ہونا ہی ادراک و حصول ہے اس سے وہی عاجزی و قصور مراد ہے جو کہ عقل و قیاس کے وسیلہ سے ہو نہ کشف و شہود کے وسیلہ سے کیونکہ اس ذریعہ سے حصول ممکن نہیں۔ اس واسطے کہ وہ راستہ خود خدا کا بتلایا ہوا ہے۔ اس مقام کو یاد رکھہ کہ اس نکتہ کو کسی اور کتاب میں نہیں پائیگا اسکی تفصیل کیواسطے دفاتر چاہئیں۔ جہاں اس رسالہ میں مقامِ معرفت کا ذکر آئیگا وہاں اس مسئلہ کی کچھہ مزید تحقیق کی جائیگی۔ الرحمٰن علی العرش استوٰی کی کیفیت و حقیقت کا سوال مجھہ پر کیا گیا۔ پس میںنے عالم خیال میں عرش اور اُسکے اردگرد اطراف و جوانب بلندی و پستی کو دیکھا اور میں اُسکے اندر تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پرندہ سفید رنگ طویل گردن آیا اور عرش اور اُسکے لوازمات کو نگل گیا۔ عرش اور وہ طائر جو اسے کہا گیا تھا اُس جون کے مقابلہ میں جو اُسکے چاروں طرف تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ کسی دریچہ میں ذرہ۔ اگر تو اسکی تفتیش کرنا چاہے تو کچھہ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ کتاب اللہ و سنت شریفہ سے یہہ معلوم نہیں ہوتا کہ عرش کے اوپر کوئی اور مخلوق ہے عرش کے اوپر غیر محدود و لا متناہی حد تک کوئی سقف ہے نہ کوئی خلا اور نہ کوئی ملا۔ اور نہ اُسکے نیچے لامحدود حد تک کوئی ٹھہرنے کی جگہ اور بنیاد ہے۔ اور یہہ سب کچھہ مخلوق ہے اور حیران کرنے والا ہے جب اُسکی مخلوق کی حقیقت سے حیرانی ہوتی ہے۔ تو گویا خالق کی حقیقت آسان ہوگی۔ اور جبکہ مخلوق

غیر متناہی ہے تو کیا خالق غیر متناہی نہ ہوگا تو پھر یہہ خیال کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ عرش ذات حق کا مستقر (جائے قرار) ہے۔ سالکوں کا ایک مقام حزن و غم بھی ہے۔ لیکن عبودیت کے درجہ میں ساقط ہو جاتا ہے۔ اور عبد کامل کسی شئے کے فوت ہونے سے غم نہیں کھاتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کوئی ایسی چیز نقصان نہیں ہوئی ہے کہ جو اُسکی قسمت میں تھی اور پھر فوت ہو گئی ہو۔ بلکہ جو فوت اور نقصان ہوئی وہ اُسکی تقدیر میں ہی نہ تھی۔ تو پھر غم کیسا۔

اور جانتا ہے کہ اگر وہ چیز اُسکے نصیب میں ہوتی تو ہرگز فوت نہ ہوتی۔ کیونکہ جسوقت میں اُسپر طاعت لکھی ہوئی ہے اُس سے خالی ہونا ممکن نہیں ہے اور جس وقت اُسکے حق میں ضلالت و بدنامی مقدر ہے اُسکا ٹلنا ناممکن ہے نیند کیوقت بیداری کا ہونا محال اور بیداری کے وقت نیند کا ہونا معلوم۔ غیر ولی کا ولی ہونا مشکل۔ مطیع کا عاصی ہونا محال۔ پس جب ہر حال میں اُسکا نصیب اُسکو مل جاتا ہے۔ تو حزن و الم کے کیا معنے۔ ہر وقت اپنے لوازم و شرائط و اسباب و وسائط ساتھہ لیکر آتا ہے اور جب جاتا ہے اپنا بوریا بستر ساتھہ لے جاتا ہے اسی واسطے عبد کامل ہر وقت میں خوشحال رہتا ہے۔ ماضی و استقبال اُسکی نظر میں یکساں ہے ہر حال میں زمانہ حال کا نگراں ہوتا ہے نہ ماقبل و مابعد کا کیونکہ وہ ہر حال میں اللہ کو اپنے ساتھہ دیکھتا ہے۔ یہہ نکتہ بھی یاد رہے کہ جو شخص دنیا و آخرت کی کسی چیز پر محزون و غمناک ہوتا ہے اُسکا یہہ فعل دلالت کرتا ہے کہ وہ اُسکے برخلاف واقع ہونے سے خوش تھا اور یہ بے ادبی ہے۔ کیونکہ وہ چیز مانگتا ہے جو اُسکے لئے مقسوم نہیں اور خدا کو چھوڑ کر اپنے نفس کا کہا مانتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ رب کی رضا پر راضی ہوتا تو ہر حالت میں جو خدا کی طرف سے نازل ہوتی خوش رہتا۔ اور اپنے آپ کو تابع حکم ایزدی و مطیع فرمان سرمدی خیال کرتا۔ اس تقریر سے کوئی یہہ نتیجہ نہ نکالے کہ جبکہ ہر ایک نیک و بد اللہ کے ارادہ سے کیا اور کسی کو اُسکی مخالفت کی طاقت نہیں تو عمل کرنے اور امر بالمعروف کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ خدا کا ارادہ اور اُسکی تقدیر کسی پر ظاہر نہیں ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ میں اللہ کے علم میں سعید ہوں یا شقی۔ اللہ کی تقدیر وقوع فعل اور تدبیر کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ اسی واسطے عمل کرنے اور تدبیر کو کام میں لانے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ کسی حال میں منقطع نہیں ہو سکتا جب ہم کسی کو نماز کے واسطے کہتے ہیں ہمنے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اگرچہ اُسے عمل اُسی وقت ہوگا جبکہ اللہ کے علم میں اُسکے واسطے نماز پڑھنی مقدر ہوگی۔ اگر کسی کو کہا جاوے کہ نماز مت پڑھو اُسکی تعمیل اُس سے اگرچہ اُسی حالت میں ہوگی جبکہ اللہ کے علم میں نماز پڑھنا نہ ہوگا۔ مگر ہم بُرے کام کے امر کی وجہ سے ماخوذ ہو سکینگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل کرنا اور امر معروف بجا لانا ہر وقت اپنے وجوب پر باقی ہے۔ اگرچہ اُسکا نتیجہ خدا کے ارادہ کے موافق ظاہر ہو۔ کیونکہ ہر ایک قسم کا محو و اثبات نفس الامر میں اللہ کے علم کے مطابق ظاہر ہو رہا ہے اور بندے کو وقوع سے پہلے اُسکا علم نہیں ہوتا۔ پس بندے پر بلحاظ ادب و عبودیت کے واجب ہے کہ جس کام میں امر کی مخالفت ہو اُس سے توبہ و استغفار کرے اور جس میں اُسکے ارادہ کی موافقت ہو اُس پر حمد و شکر بجا لائے اس تقریر کی حقیقت وہ سمجھہ سکتا ہے جس نے رسول اللہ کے قول (کل میسر لما خلق لہ) کی حقیقت و منشا سمجھا ہوا ہے۔ خوف و رجا بھی سالکوں کا

شہ اہ مراد اس شے سے ہر ایک کام آسانی سے ہوا اور ہوتا ہے جسکے واسطے وہ اللہ کے علم میں بنایا گیا ہے۔

ایک مقام ہے - لیکن عبد کامل اُن سے بھی آزاد ہوتا ہے - ہاں وہ خوف جو اللہ تعالیٰ کی جلالت وعظمت کو
ظاہر کرتا ہے اس خوف سے بری نہیں ہوتا - اور اس خوف میں ہر ایک انسان اپنے مرتبے ومعرفت کے
اعتبار سے مختلف ہے - اسی واسطے رسول اللہ صلعم اس اعتبار سے سب سے زیادہ خائف تھے - جیسا کہ
انا اعرفکم باللہ و اخوفکم (میں تم سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ خائف
ہوں) اس سے ظاہر ہوتا ہے - مگر وہ خوف جو عبد کامل کے دل پر نہیں گذرتا وہ خوف معلول ہے - یعنے عذاب
وعقاب کا - اس خوف کے ہونے کی وجہ یہ ہے - کہ خوف معلول اہل حجاب کو ہوتا ہے اور عبد کامل اور
اُسکے آقا میں کوئی حجاب وپردہ نہیں ہوتا - اور اُسکی کوئی مراد نہیں ہوتی بلکہ جو اُس کے سیّد کا ارادہ
ہو وہی اُسکا ارادہ ہوتا ہے - علاوہ اسکے ایسا خوف کسی مکروہ ومعصیت کے خیال سے پیدا ہوتا ہے
اور وہ اپنے خیال میں اُسکو دفع کرنا چاہتا ہے - گویا اللہ کے ارادہ پر غالب ہونا چاہتا ہے - اور یہ
اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے ادبی ہے - اسی طرح رجاء کا حال ہے وہ رجاء جو اظہار ذلت وعبودیت و
مسکنت کے واسطے ہو اس سے عبد کامل آزاد نہیں ہوتا - لیکن وہ رجاء جو اُسکی اپنی آرزو کے وقوع
کے لئے ہو اُس سے وہ کنارہ کش ہوتا ہے کیونکہ وہ حقیقت حال سے آگاہ ہوتا ہے اسلئے کسی چیز کی
آرزو اُسکے اندر نہیں ہوتی - گویا اُسکے نزدیک بدنصیبی ومحرومی ومنع میں وہ حلاوت ہے جو حصول وعطا میں
ہوتی ہے - ان باتوں کا راز ذوق واس رستے پر چلنے سے کھلتا ہے - این راہ رفتن نہ راہ گفتن - علاوہ اسکے
اپنی آرزو کے وقوع کی تلاش خدا کا مقابلہ ہے اور اُسپر تحکّم کرنا ہے جو سخت بے ادبی وگستاخی ہے - نیز
اس میں نفس کی خوشنودی اور رعونت ہے اور اپنے آپ کو صاحب ارادہ واختیار سمجھتا ہے - حالانکہ
عبد کا سیّد کے آگے کوئی ارادہ و اختیار نہیں ہونا چاہئے - جیسا کہ آیت ذیل سے ثابت ہوتا ہے
ربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ (تیرا رب جو کچھ چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے پیدا کرتا ہے
اُن کا اُس میں کچھ ارادہ و اختیار نہیں ہوتا) پس جو یہ دعوے کرے کہ اُسکا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ارادہ
و اختیار ہے - وہ مشرک ہے اور زبان حال سے مدعی ربوبیت ہے اگرچہ زبان قال سے مدعی نہ ہو - کیونکہ
جو چیز اللہ کی ہو اُس میں بندہ کا اشتراک نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ فرمایا (ما کان لھم الخیرۃ) اور جو انسان کی طرف
ارادہ و اختیار منسوب کیا جاتا ہے وہ برائے نام ہے نہ حقیقۃً - پس انسانی ارادہ و اختیار اللہ کے ارادہ
و اختیار میں فنا وغرق ہے - اور اس قسم کا ارادہ و اختیار اللہ تعالیٰ کی حجۃ بالغہ کے مقابلہ میں اعتراف واقرار
کے واسطے کچھ مفر و خارج نہیں اس مسئلہ کی حقانیت کا ہر ایک فرد رات ودن یقینی طور سے مشاہدہ
کر رہا ہے - کیونکہ وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے لیکن اُسپر قادر نہیں ہو سکتا اور وہ مثلاً کسی چیز کو کرنا نہیں
چاہتا لیکن اُسے مجبوراً کرنا پڑتا ہے - جو شخص اس بدیہی مسئلہ میں بھی مکابرہ کرے وہ محسوس کا منکر ہے
اور مرض جہل مرکب میں مبتلا ہے جسکا کوئی علاج نہیں ہے جاننا چاہئے کہ کسی چیز کا ارادہ کرنا وہ ارادہ

نہیں ہو عابدوں کے نزدیک مذموم ہے کیونکہ اوامر کا بجالانا اور نواہی سے بچنا بغیر دلی ارادے کے نہیں ہو سکتا۔ پس کوئی فعل و حرکت بغیر مجبور کئے گئے اور رعشہ والے کے بغیر ارادہ و اختیار کے عبادت نہیں ہوتا۔ اگر انسان اس ارادہ فعلی سے عبودیت سے نکل جاتا تو سب افعال ارادیہ میں ہی انسانوں کے ارادے منسوخ ہو جاتے۔ اور یہہ جائز نہیں۔ فافہم فانہ دقیق غریب۔

پھر جاننا چاہئے کہ یہہ مقولہ ارید ان لا ارید (میں ارادہ کرتا ہوں کہ کوئی ارادہ نہ کروں۔) ادب نہیں ہے۔ کیونکہ یہہ بھی ارادہ ہے۔ بلکہ ادب یہہ مقولہ ہے اُرید ما تُرید (جو تیرا ارادہ ہے وہی میرا ارادہ ہے) اور یہی حقیقت انسانی کا مقتضا ہے۔ گویا جس چیز کا ارادہ شرع کرتی ہے وہی اُسکا ارادہ ہے اور وہ ارادہ شریعت ربانی کے ساتھ متصف ہے اسکے لئے کسی چیز میں کوئی غرض و غایت نہیں رہتی۔ کیونکہ تمام احکام شرعیہ اور امور ربانیہ میں عبد کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ عبد کا ارادہ اُسی کے ارادہ میں شامل اور اُسی کے تابع ہوتا ہے اگر کوئی بےسمجھ ادراک حقیقت سے عاری یہہ خیال کرے کہ اسحالت میں تو وظائف و اوراد و ادعیہ وغیرہ کا دروازہ بند ہو جائیگا۔ کیونکہ ان میں بندے کی تمنائیں اور آرزوئیں ہوتی ہیں۔ اور تمہاری اُس تقریر کے بموجب بندہ کی کوئی آرزو نہیں ہونی چاہئے۔ تو اُسکا جواب یہہ ہے کہ ایسا شخص شارع کے ہی ارادہ و اختیار سے ایسی آرزوئیں کرتا ہے نہ اپنے اختیار و ارادے سے۔ شاید ابو یزید کے قول اُرید ان لا اُرید سے بھی وہی مراد ہوگی۔ کہ وہ لفظ اُرید کا شارع کے ارادہ کے مطابق کہتے ہونگے۔ فافہم و تامل عند المقام۔

سالکین کا ایک مقام دنیا و آخرت کے حظوظ کا ترک کرنا ہے۔ لیکن عبودیت کے درجہ میں یہہ بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عبد کامل کے نزدیک اُن کا ترک کرنا اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ عبد اور آقا میں حجاب ہو۔ جب حجاب نہ رہا اور گھونگھٹ اٹھ گیا تو تکلف گیا اور زہد گیا۔ علاوہ اسکے عبد تو اس مقام میں اپنے سید کے تصرفات کو دیکھتا ہے اور اُسکی عطا و منع و اخذ و ترک کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پس اُسکو نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ترک کر رہا ہے اور کونسی چیز لے رہا ہے۔ جو سامنے آگئی استعمال کر لی۔ نیز جو اُسکی قسمت میں ہے اُسکا ترک کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور جو اُسکا نصیب نہیں ہے اُسکے ترک کرنے کے کیا معنے۔ گویا زاہد کی قسمت میں یہہ ہوتا ہے کہ وہ غیر مطلوب کی تحصیل کی طرف راغب نہ ہووے اور ازل میں ہی اُسکی تقدیر میں ہوتا ہے کہ وہ معاش کی تنگیوں اور تکلیفوں سے بچ جاوے۔ تاہم خدا اسکی مدح کرتا ہے اور یہہ اُسکا فضل ہے نہ عدل۔ جیسا کہ تمام نعمتیں اپنے فضل سے لوگوں کو عطا کرتا ہے۔

اور راغب دنیادار کی قسمت میں یہہ ہوتا ہے کہ وہ فراخی معاش اور دنیا کے دہندوں کا رہے پھر اُسکی مذمت کرتا ہے اور یہہ اُسکا عدل ہے اس نکتہ کو عارف ہی جانتے ہیں۔ اور جاہل مدح پرست ہو گئے۔ اور حقیقت راز سے شکست ہو گئے۔ سچ ہے (ولکل جعلنا

ترتیب

منکم شرعۃ ومنہاجا) علاوہ ازیں جو کچھ زاہد دنیا کی نعمتوں کو ترک کرتا ہے۔ یہ ترک ہی نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا وما فیہا اُسکی ملک نہیں ہے جس کو وہ ترک کرے فرضاً اگر دنیا کی چیزیں جن کو وہ ترک کرتا ہے اُسکی ہوتیں اور پھر اُن سے نفع ہوتا۔ تو بھی اللہ کے نزدیک اُسکی اتنی قدر نہ ہوتی جتنی کہ مچھر کے پر کی۔ پس ترکِ دُنیا اللہ کے تقرب کا ذریعہ نہیں ہے۔ البتہ ظاہری صورت محمود معلوم ہوتی ہے۔ فافہم۔

یہ بھی یاد رہے کہ ہر ایک انسان کا زہد و ترکِ دُنیا اُسکے مرتبے و مقام کے مطابق ہوتا ہے۔ پس انبیاء اور اُن کی وارثوں کا زہد ایسے امور میں جو ذوق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُنکی ہمت و انداز ے و رتبے و مقام کے مناسب ہوتا ہے۔ ہم اُن کے مقامات کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ نبی و رسولوں کے مقامات کو نبی و رسول ہی سمجھ سکتا ہے اور ولی کے حالات و مدارج کو ولی ہی خیال کر سکتا ہے۔ دوسرے لوگ جو اُن مراتب کے نہیں ہوتے وہ صرف اُن کے مقامات کے الفاظ ادا کر سکتے ہیں نہ اُنکی حقیقت۔ سچ ہے۔ (شه وما منا الا له مقام معلوم ثم الی ربکم ترجعون) یاد رہے کہ تجارت و خرید و فروخت اور دنیا کے امور کا سرانجام کرنا علی وجہ الجائزہ زہد کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی دنیا بھی آخرت کے لئے ہوتی ہے۔ اور اُن کی آخرت محض رب کے لئے ہوتی ہے۔

صحابہؓ و سلف صالحین کی تجارت و خرید و فروخت اسی قسم کی تھی۔ (رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله - وابتغوا من فضل الله) وغیرہ آیات میں اسی طرف اشارہ ہے (اُن لوگوں کو تجارت و خرید فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ ایۃ (منكم من يريد الدنيا ومنكم من يريد الاخرة) (تم سے کوئی تو دنیا کا طالب ہے اور کوئی آخرت کا۔ مضمون اوّل کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں دُنیا سے وہ دُنیا مراد ہے جو آخرت کے بدلے طلب کی جائے۔ اور آخرت سے مراد یہاں صرف جہاد کی فضیلت ہے جو محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہو نہ غنیمت و مال کے لئے۔ پس صحابہؓ کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ کوئی فاضل تھے کوئی افضل۔ کوئی کامل تھے کوئی اکمل۔ پس زاہد و مجرد کو چاہیئے کہ دنیاداروں اور دنیا کے امور بہم پہنچانے والوں پر اعتراض نہ کرے۔ کیونکہ وہ کسی امر کے مدعی نہیں ہوتے اپنے آپ کو ذلیل و حقیر خیال کرتے ہیں اور مجردوں زاہدوں عارفوں عابدوں کی فضیلت تسلیم کرتے ہیں۔ اور بر خلاف اسکے اکثر زاہدان مفت خواروں پر تکبر و ریا و عُجب (خود پسندی) غالب ہوتا ہے اور خلقت کے سامنے اپنی عبادت و طاعت کو زینت دیتے ہیں۔ تاکہ جاہل لوگ اُن کی خدمت کریں اور وہ مُفت کے تر نوالے اُڑا دیں۔ باوجود اپنے اِن عیوب کے وہ لوگوں کی مذمت کرتے ہیں۔ جب اُن کی تعظیم نہ کریں عیب لگاتے ہیں۔ جب اُنکی خدمت نہ کریں اور جب کسی سے اپنی حاجت طلب کریں اور وہ اُسے پُورا نہ کرے۔ تو اپنے دل میں اُس سے جلتے ہیں۔ گویا

له ہر ایک کے لئے الگ الگ ایک رستہ و طریقہ ہے۔

شه۔ ہر ایک ایک خاص مقام و مرتبہ رکھتا ہے۔ پھر اپنے رب (حقیقت) کی طرف پھر جاتے ہیں۔

عبادت کا اجر لوگوں سے طلب کرتے ہیں پس جو اُن کی خدمت کرے اُسے دوست رکھتے ہیں اور اپنی مجلس میں جگہ دیتے ہیں۔ اُسکی تعظیم و تکریم بجا لاتے ہیں اور جو خدمت نہ کرے اُسکے ساتھ برعکس معاملہ کرتے ہیں۔ علماً یہ مقام سے ایک ورع ہی ہے یعنے جو چیز خدا سے غافل کرے اُس سے پرہیز کرے۔ لیکن عبد جس حال میں اُسکا سید اُسے رکھے خوش رہتا ہے اُسکے نزدیک اعلیٰ اور ادنےٰ امر تبہ مساوی ہے۔ اور وہ ہر حال میں یکساں خدا کو اپنے ساتھ دیکھتا ہے۔ خدا کو دور سمجھنا حجاب کا باعث ہوتا ہے۔ علاوہ اسکے وہ جانتا ہے کہ بندہ ہر حالت (طاعت، معصیت، نیکی، بدی، وغیرہ اگرچہ وہ کام امر و حکم کے مخالف ہی ہو) میں اُسکے ارادہ کا مطیع و فرمانبردار ہے۔ بلحاظ ارادے کے کوئی بھی عاصی نہیں ہے۔ اسی واسطے عارفوں نے کہا ہے کہ نجات طاعت پر موقوف نہیں۔ بلکہ بغیر طاعت کے نجات زیادہ متوقع کیونکہ نجات اُسکا فضل و احسان ہے اور اعمال تو محض دار الآخرۃ میں جزا و ترقی درجات کے لئے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ مومن گنہگار جب گناہ کرتا ہے تو اُس سے فارغ ہونے کے بعد پشیمان ہوتا ہے اور پشیمانی ہی توبہ ہے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ (الندم توبۃ) پشیمانی توبہ ہے) اُسکا پشیمان ہونا اسپر دلالت کرتا ہے کہ وہ گناہ کو گناہ سمجھتا ہے۔ اور اُسکے گناہ ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ امر الٰہی کی مخالفت کو مکروہ و ناپسندیدہ سمجھتا ہے اس تقریر سے معلوم ہوا کہ مومن عاصی نیک کام ہی کرتا ہے اور بُرا کام بھی۔ اور ایسے لوگوں کے حق میں (خلطوا عملاً صالحاً و اخر سیئاً) آیا ہے۔ نیک تو اس اعتبار سے کہ وہ گناہ کے گناہ ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ پس یہ ایمان و اعتقاد نیک عمل ہے۔ بُرا عمل اس اعتبار سے کہ وہ اسکا فاعل ہے۔ جاننا چاہئے کہ بندہ کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی امر کی ظاہراً و باطناً بلا ارادہ سابقہ مخالفت کر سکے۔ پس تمام مخلوق اگرچہ کوئی اُن میں سے الوہیت کا دعوےٰ کرے۔ اسی کی ارادہ سابقہ و قضائے ازل کے ماتحت ہے اور سب اُسکے حکم کے تابع ہیں۔ شکر و کفر سب اُسی کے ارادہ سے ہیں اور حقیقت میں کوئی شخص اُسکے ارادے سے باغی اور عاصی نہیں ہے۔ اور خلقت کا گنہگار و مخالف کہلانا صرف امر ظاہر کے اعتبار سے ہے نہ حقیقت اور ارادہ سابق کے لحاظ سے پس جس سے وہ طاعت نہیں چاہتا ہے وہ مخالفت نہیں کر سکتا اور جس سے سرکشی و نافرمانی مطلوب ہوتی ہے اُس سے طاعت ممکن نہیں۔ لیکن باوجود اس علم کے ہم مکلف ہیں اور ہم کو مخالف ظاہری کے امر معروف سے مخالفت کرنی چاہئے۔ اور ہماری تلقین بھی اُسی کے ارادہ سے ہوتی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض وقت ہم منکر و گناہ ہوتے ہوئے دیکھکر بھی خاموش رہتے ہیں اور اُسکو منع نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہم سے سکوت و خاموشی چاہتا تھا۔ اور بعض وقت گناہوں سے روکتے ہیں اور اُسکو ڈانٹتے ہیں اور خاموش نہیں رہ سکتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیں بلوانا چاہتا ہے۔ اسی واسطے ہم خاموش نہیں ہو سکتے یہ بڑی بات ہے۔ پس بندہ حضرت تقدیر کے قبضہ میں ہے۔ لیکن اسکے حق میں عاجزی و خاکساری

لے وہ عمل نیک و بد کو ملا دیتے ہیں۔

سے ہی موصوف ہونا بہتر ہے - اور ہر حال میں اپنی ذلت و تقصیر کا اقرار کرنا ہی سعادتمندی ہے - یہہ بھی یاد رہے کہ اللہ کا کمال و ارادہ یہی ہے کہ اُسکے بندے گناہ و مخالفت کریں اور یہہ عالم کے کمال کی جز ہے - اگر یہ جز نہ ہو تو خدا کے فعل میں نقص آئیگا - اسی واسطے رسول اللہ کا قول ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو اور استغفار نہ مانگو تو اللہ تمہیں ہلاک کر دیگا - اور گنہگار قوم پیدا کریگا - جو گناہ کرینگے اور بخشش مانگینگے پھر اللہ اُنہیں معاف کریگا - اگرچہ معاصی و شرور اللہ کے ارادے سے ہوتے ہیں - لیکن ادب کی وجہ سے اُسکی طرف منسوب نہیں کرتے کیونکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا - بلکہ بُرے کاموں کو شیطان کی طرف منسوب کیا ہے - جیسا کہ فرماتا ہے - (اِنَّ اللّٰہ لا یامر بالفحشاء - اِنَّ اللّٰہ لا یحب المفسدین)[۱] بلکہ اُن کو شیطان کی طرف منسوب کر کے کہا ہے (الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء)[۲] اور یہہ نسبت و اضافت باعتبار فعل و ترغیب کے کے ہے نہ بلحاظ خلق و ایجاد کے - بلکہ خلق و ایجاد کے اعتبار سے تمام چیزیں اُسی کی طرف منسوب ہیں - جیسا کہ فرمایا (قل کل من عند اللہ فما لھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا - وما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک) (کہہ کہ ہر ایک چیز اللہ کی طرف سے ہے اُن لوگوں کو کیا بلا مار گئی کہ کچھ نہیں سمجھتے - جو تجھے نیکی پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے -) یہاں بھی بلحاظ خلق و ایجاد کے اپنی طرف نسبت کی ہے اور بلحاظ فعل و وقوع کے نفس کی طرف - فافہم - انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ بُرے کاموں کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں - اور نیک کو اپنے رب کی طرف تاکہ ادب ملحوظ رہے - خضر علیہ السلام نے عیب اپنی طرف منسوب کیا - اور کہا (فاردت ان اعیبھا) (میں نے اُسے معیوب کرنا چاہا) اور حسن کو خدا کی طرف لگایا - اور کہا (فاراد ربک ان یبلغا اشدھما) (تیرے رب کا ارادہ ہے کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جاویں) ابراہیم علیہ السلام نے کہا (واذا مرضت فھو یشفین) جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے - دیکھو مرض کو اپنی طرف منسوب کیا اور شفا کو خدا کی طرف اور یہہ نہیں کہا (اذا امرضنی فھو یشفین) جب وہ مجھے مریض کرتا ہے تو شفا دیتا ہے - رسول اللہ نے کہا ہے (الخیر کلہ بیدیک والشر لیس الیک) تمام خوبیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں اور عیوب تیری طرف منسوب نہیں ہو سکتے) دیکھو باوجود اسکے کہ انبیاء جانتے ہیں کہ خیر و شر کا خالق وہی - خیر کو تو اُسکی طرف منسوب کرتے ہیں اور شر کو از روئے ادب کے اُسکی طرف منسوب نہیں کرتے - فافہم -

یہہ جو ہمنے بیان کیا ہے کہ معصیت کا وجود بھی خدا کا کمال ہے - اُسکی وجہ یہ ہے کہ اس طرح ہر کام میں اُسکا فضل معلوم ہوتا ہے اور پایا جاتا ہے کہ باوجود کثرتِ عصیان و مخالفت کے وہ اپنی مخلوق پر بڑا مہربان اور شفیق ہے - اگر سارے ہی مطیع و فرمانبردار ہوتے تو اُسکے علم و فضل کا مظہر کون ہوتا - پس عاصی ہی اُسکے

۱ اللہ بُرے کاموں کا حکم نہیں دیتا - اللہ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا -

۲ شیطان تم کو افلاس سے ڈراتا اور بُرے کاموں کی ترغیب دیتا ہے -

ارادے سے خارج نہیں ہیں۔ اسی واسطے ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ کوئی مومن گنہگار طاعت وعبادت سے خالی نہیں ہو سکتا ہے یعنے اللہ کے ارادہ سابقہ کی موافقت طاعت وعبادت ہے۔ اگرچہ امر وحکم کے اعتبار سے مخالفت معصیت ہے لیکن اہل اللہ سے مطلقاً حق کی مخالفت نہیں ہوتی۔ جب اللہ ان میں کوئی اپنا ارادہ سابقہ پورا کرنا چاہتا ہے جسکے وقوع سے مخالفت امر ظاہری شریعت ثابت ہوتا ہو تو اللہ اُن سے عقل سلب کر لیتا ہے۔ تاکہ وہ مکلف نہ رہیں اور ارادہ سابقہ بھی پورا نہ ہو جائے۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اہل اللہ میں اپنے ارادے ومشیت کو پورا کرنا چاہتا ہے تو اُن کی عقول سلب کرتا ہے۔ اور جب وہ پورا ہو چکتا ہے تو عقل کو واپس کر دیتا ہے۔ یا کسی تاویل سے جسکو وہ حق سمجھتے ہیں اُس عمل مخالف کو اُن کی نظروں میں مزین کر دیتا ہے اور جب امر مقدر ہو چکتا ہے تو اُس تاویل کی خرابی دکجی اُن پر ظاہر کی جاتی ہے۔ اسکی مثال آدم علیہ السلام کی معصیت کے ذکر میں آچکی ہے وہاں تلاش کرنی چاہئیے۔ حاصل یہ ہے کہ راستہ عشق وطریق ذوق بڑا کٹھن ہے۔ جاننا چاہیے کہ ناقص سالکوں پر شہود فعل (یعنے ہر ایک فعل کو اللہ کا فعل سمجھنا) کا غلبہ ہوتا ہے۔ اُس وقت وہ کہتے ہیں کہ نہ کوئی خدا کی طاعت کرتا ہے نہ معصیت۔ بلکہ جو کچھ نیکی وبدی ہوتی ہے سب اُسی کا فعل ہے (الیہ یرجع الامر کلہ) کیونکہ وہ افعال عباد کو خدا کی مخلوق سمجھتے ہیں اور بندوں کو اُن کے اجرا کا محل لیکن گنہگاروں کو مواخذہ اس اعتبار سے ہوتا ہے کہ وہ صدور فعل کا آلہ ہیں اور وہ اُن کے حق میں معصیت ہے اگرچہ ارادے کے اعتبار سے اطاعت ہے اور جہان کی ہر ایک صورت کو صورت اعمال (جو شرع میں طاعت ومعصیت کے نام سے موسوم ہے) خیال کرتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک حلال وحرام وطاعت ومعصیت مساوی ہو جاتی ہیں۔ میں بھی جب اس مقام پر پہنچا تھا تو یہ کیفیت مشاہدہ ہونے لگی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھکو اس درجے سے جلدی نکال لیا تھا۔ اور شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے بچا لیا۔ علاوہ اس کے مجھے اس علم نے مدد دی کہ میں جانتا تھا کہ شارع کے نزدیک طاعت ومعصیت میں فرق ہے۔ اگرچہ سب کچھ فعل اُسی کا ہے۔

اس درجہ میں اکثر وہ لوگ زیادہ مُبتلا ہوتے ہیں۔ جنکو اس تفرقہ کا علم نہیں ہوتا اور وہ ایسی نعمتوں میں اپنے آپ کو خیال کرتے ہیں۔ جنکے برابر کوئی نعمت نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک نہ خوف رہتا ہے نہ رجاء۔ لیکن عبد خالص وقوع افعال کو خدا کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ کیونکہ اُس حالت میں تکلیف شرعی باطل ہو جائیگی حالانکہ اوامر ونواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان مکلف ہے۔ علاوہ اسکے انسان کا خدا کا خلیفہ ہونا اس بات کی تائید کرتا ہے کہ وہ کسی کام کے واسطے بنایا گیا ہے اور اُس سے محنت ومشقت لینا مطلوب ہے۔ اسی واسطے ہمارے بعض مشائخ نے کسب ودستکاری وصنعت وحرفت وغیرہ کاموں کی تحصیل کے واسطے بہت تاکید کی ہے۔ اور لوگوں کا مکاسب دنیاویہ معاشیہ میں مصروف ہونا خدا کی محبت والفت کے منافی اور بہمہ تن اسکی طرف مصروف ومشغول ہونے کے مخالف نہیں ہے۔ پس جو شخص حصول کسب کے مخالف ہیں

اُن کی دلیل کمزور و ضعیف ہے کیونکہ قائلین کسب ہی رجوع الی اللہ سے منع نہیں کرتے - بلکہ مانعین کسب فطرۃ اللہ کی مخالفت کرتے ہیں (لا تبدیل لخلق اللہ = اللہ کی بنائی ہوئی فطرت تبدیل نہیں ہو سکتی -) جسطرح عبد افعال محمودہ و مذمومہ کو من کل الوجوہ خدا کی طرف منسوب نہیں کرتا اسی طرح اُن افعال کو من کل الوجوہ بندوں کی طرف ہی منسوب نہیں کرتا - اسمیں تمام اہل نقل و اہل اللہ مشترک ہیں اور تمام انبیاء ؑ کی شرائع اس حکم پر متفق ہیں - پس کوئی شریعت نہیں ہے کہ افعال کو ہر پہلو سے خدا کی طرف منسوب کرے یا اُن کو ہر حیثیت و اعتبار سے مخلوق کی طرف لگا دے - بلکہ مختلف اعتبار سے ہر دو طرف منسوب ہوتے ہیں - اگر بندے کی طرف منسوب کئے جائیں تو اسکے لئے ہی افعال الٰہیہ میں ایک وجہ و حیثیت ہوتی ہے اور انہیں اعتبارات مختلفہ کی وجہ سے انسان ایجاد و فعل میں خدا کا شریک نہیں ہو سکتا اسی واسطے معتزلہ جو افعال کا خالق بندے کو ہی جانتے ہیں مشرک نہیں ہیں کیونکہ وہ اسمیں خدا کو شریک نہیں کرتے اور از روئے عقل کے افعال کو بندوں ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں اُن کی ہی شریعت تائید و تصدیق کرتی ہے کیونکہ وہ خلق کے اعتبار سے کہتے ہیں - اہل کشف کے نزدیک یہی طریقہ قوی و پسندیدہ ہے پس معلوم ہوا کہ مسئلہ افعال محمودہ و مذمومہ خاص ایک جانب مضاف نہیں ہو سکتا بلکہ دو اعتبار سے ہر دو جانب (اللہ و انسان) منسوب ہو سکتا ہے جیسا کہ (ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی) سے ظاہر ہوتا ہے - پس جو شخص دو آنکھیں رکھتا ہے وہ ایک آنکھ سے تو یہ دیکھتا ہے کہ یہ فعل (رمی) اللہ کا ہے - اور دوسری آنکھ سے دیکھتا ہے کہ یہ فعل عبد کا ہی ہے - اور جو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے فقیر ہو یا غیر - وہ اعور (یک چشم) ہے - پس اس مسئلہ کی حقیقت اہل کشف پر بخوبی منکشف ہے - اور باقی لوگ ہمیشہ دنیا و آخرت میں مختلف رہیں گے - پس مسائل الٰہیہ میں مسئلہ افعال محمودہ و مذمومہ نہایت حیران کرنے والا ہے - جب یہ معلوم ہو چکا تو سمجھنا چاہئے کہ اللہ کی حجت ہر حال میں بندے پر قائم ہے - اور اُسکی بات ہر حالت میں اوپر ہی ہے - کیونکہ محکوم ہمیشہ حاکم کے نیچے ہوتا ہے - پس اگر کوئی بندہ یوں ہی کہہ اُٹھے کہ جب تمام افعال تیرے ارادے سے ہوتے تھے میرا اس میں کیا قصور ہے - تو مجھے کیوں مواخذہ کرتا ہے تو اللہ اُسے کہیگا کہ جس حق سے میں نے تجھکو عدم سے وجود کا لباس پہنایا تھا اور تیرا اُس میں کوئی اختیار نہیں تھا اُسی قدرت و حق سے میں تجھے مواخذہ کرتا ہوں - پس بندہ ساکت ہو جائیگا اور اُسکی دلیل باطل ہو جائے گی - پس معلوم ہوا کہ بندہ کے لئے ہر حال میں عجز و تقصیر کا اقرار کرنا اور اُسکی رضا پر راضی رہنا ہی اولیٰ و بہتر ہے اس مقام کو غور سے ملاحظہ کرو کہ یہ مضمون کسی اور کتاب میں نہیں ملیگا -

سالکین کے مقام سے ایک درجہ تبتل (یعنے ہر امر میں خدا کی طرف جُھک جانا اور لوگوں کی پرواہ نہ کرنا) کا ہے - جس میں وہ ہر وقت اوراد و وظائف میں لگا رہتا ہے اور اُسکو ذریعۂ نجات و وسیلۂ فلاح خیال کرتا ہے - اور وہ بس خلق سے تقرب کا طالب ہوتا ہے - اور خلوۃ و فاقہ کشی سے قرب و وصل کا جویاں ہوتا ہے - لیکن عبد کامل کو نہ سکوت میں نہ حرکت میں نہ خلوۃ میں نہ جلوۃ وغیرہ کسی حالت میں کوئی طلب و تلاش نہیں

ہوتی وہ (جف القلم بما ھو کائن) کے موافق کسی تدبیر کو کام میں نہیں لاتا۔ کیونکہ جو کچھ مقدر ہو چکا ہے نہ اسکو پارسائی پارسائی زیادہ کر سکتی ہے نہ بدکار کی بدکاری اسے گھٹا سکتی ہے۔ پس وہ اللہ کی خالصاً لوجہ اللہ بغیر کسی غرض وغائت کے عبادت کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے فاعبد اللہ مخلصاً لہ الدین الا للہ الدین الخالص) پس جب یہ معلوم ہو گیا تو یہ دعویٰ کرنا کہ ہم ماسوا اللہ سے الگ ہو کر خدا کیطرف مائل ہو گئے ہیں محض جہالت ہے کیونکہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ جہان اللہ سے جدا ہے اور اللہ جہان سے جدا ہے اور اپنے وہم کے مطابق لوگوں سے خدا کی طرف بھاگتا ہے۔ اور باعث اسکا ذوق وعشق کے درجے تک نہ پہنچنا ہے۔ نیز یہ خیال کہ قرآن میں (ففروا الی اللہ) اللہ کی طرف بھاگو آیا ہے۔ بیشک یہ آیت قرآن میں ہے لیکن اسکے وہ معنے نہیں ہیں۔ جس طور سے مفہوم ہوتے ہیں کیونکہ بھاگنے کے واسطے مسافت چاہیے اور اللہ تو ہمارے نفسوں سے بھی نزدیک ہے۔ اور وہ ایک ہی فاصلے سے ہر ایک کے ساتھ ہے۔ بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جہالت سے علم کی طرف بھاگو۔ پس خلقت سے بھاگنے والے کا حکم کام میں لائے ہوئے چھوہارے کی طرح ہے۔ اور جو اسکے ساتھ مشغول ہے۔ اسکی مثال تازہ چھوہارے کی طرح ہے۔ مقام سالکین سے ایک درجہ یہ بھی ہے کہ وہ مراقبہ کرتے ہیں۔ لیکن عبد کامل مقام رویت تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اور اپنے افعال کو اپنے آقا سے صادر ہوتے دیکھتا ہے۔ پھر مراقبہ کس چیز کا۔ نیز عبد سے مراقبہ (افعال کی نگرانی) کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ اسکے مراقبہ اور ہر چیز پر رقیب (محافظ) ہے۔ پس بندے کے حق میں تذلیل وتقصیر ہی بہتر ہے۔ اگر اسے درجہ مراقبہ حاصل ہو جائے وہیں جم نہ جائے۔ اور اگر حاصل نہ ہو تو تلاش نہ کرے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اسکی بہتری کس کام میں ہے ع

و مصلحت تو از تو بہتر داند +

پس معلوم ہوا کہ جس کام میں خلوص و اخلاص نہ ہو اسکا نہ کرنا کرنے سے اچھا ہے۔ جس بیداری میں فائدہ نہ ہو اس سے سو رہنا بہتر ہے۔ ہاں اہل اللہ کی بیداری اصل بیداری ہے کہ وہ اس میں اپنے آقا کے تمام افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ باتیں ذوق کے متعلق ہیں بغیر ذوق کے معلوم نہیں ہوتیں۔ پس تسلیم بہتر ہے اگر منکر تیرے ساتھ مجادلہ کریں تو کہدے اللہ اعلم (اللہ خوب جانتا ہے ہر ایک حال کو) عبودیت کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ عبد رویت ذات میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے۔ کہ عبودیت سے ہی بیخبر ہو جاتا ہے سوائے جلوہ حق کے اسکے باطن سے سب خیال محو ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو اپنے آقا کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا دیکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس سے ان نعمتوں کا معاوضہ احسان وشکر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ہمیشہ مفلس ہے اور اسکے تمام افعال اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور جن آیات سے اعمال کا بدلہ ثابت ہوتا ہے۔ جیسا (جزاء

۱؎ جو ہونا تھا ہو چکا۔ ۲؎ اللہ کے بغیر کسی علت وغرض کی عبادت کر۔ اللہ ایسی ہی خالص عبادت پسند کرتا ہے +۔

بما کنتم تعملون) (یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے) ان کو وہ محض فضل و مہر سمجھتا ہے یعنے اُسکے نزدیک افعال و اعمال کا اُسکے ہاتھہ سے سرزد ہونا ہی فضل و احسان ہے اور اُن کا نتیجہ و نجات بھی مہربانی و اکرام ہے کیونکہ اُسکے نزدیک اللہ کی بخشش کا مدار کسی علت و غایت پر نہیں ہے۔

سالکین کا ایک مقام استقامت بھی ہے۔ لیکن عبد کامل اسکا مدعی نہیں ہوتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلعم کا قول ہے کہ (اشیبتنی سورة هود) (مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے کیونکہ اُسمیں استقامت کا حکم ہے فرمایا اللہ تعالی نے (فاستقم کما امرت) حکم کے موافق استقامت اختیار کر اور اگر عبد کامل کو استقامت کا درجہ حاصل ہو ہی جاتا ہے تو اُسکو اپنے آقا کا احسان سمجھتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ استقامت کی علامت یہہ ہے کہ دعوے چھوڑ دے خواہ اُسمیں صادق ہو یا کاذب ظاہر ہو یا باطن غرضکہ ہر قسم کا دعوٰی ترک کر دے۔

ایک درجہ توکل کا بھی سالکوں کے نزدیک مسلم ہے۔ لیکن عبد کامل کے نزدیک اس قسم کا توکل عام کے درجے کے موافق ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جبکہ کوئی چیز ہماری ذاتی نہیں اور ہم کسی چیز کے مالک نہیں تو اُسکو سپرد کرنے اور توکل کے کیا معنے ہوئے۔ گویا عبد کامل کے نزدیک وہ توکل جو کسی غرض و غایت سے معلول ہو صحیح نہیں اُنکے نزدیک توکل کے یہہ معنے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ ہمیشہ ہی ہر ایک کام اللہ کے حوالہ ہے اور اُسکے قبضہ تصرف و حیطہ اختیار میں ہے۔ اور ان کے یہہ الفاظ (توکلنا علی اللہ - وکلنا امرنا الی اللہ) تعمیل حکم و امتثال امر کے واسطے ہوتے ہیں یعنی اس سے اپنی عبودیت و تقصیر عجز کا اقرار کرتے ہیں نہ کہ اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک سمجھکر پھر اُسکی حفاظت کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں اور عوام کا توکل اُن کی نظر میں سوء ادب ہے لیکن اُن کے لئے جائز ہے۔ کیونکہ وہ اسی درجہ کے لائق ہیں۔ اور اس سے اعلےٰ درجہ کے واسطے اس حالت میں مخاطب و مکلف نہیں ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے ابھی درجہ عبودیت کا ذایقہ نہیں چکھا اس واسطے وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مال و اسباب کے مالک ہیں اور یہہ خیال اُنکو اللہ کے قول (اموالکم) سے پیدا ہوتا ہے۔ وجہہ یہہ کہ وہ اس اضافت کو ملک کی اضافت سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ مال ہمارے ہیں۔ حالانکہ یہہ اضافت ایسی ہے جیسی کہ سراج الدابہ (سواری کی زین) اور باب الدار (گھر کا دروازہ) ہیں۔ دیکھو یہاں زین سواری کی مالک نہیں ہے اور دروازہ گھر کا مالک نہیں ہے۔ بلکہ یہہ ہر دو مملوک ہیں اور مالک تیسرا ہے ایسے ہی انسان اور اُسکا مال و متاع سب کچھہ مملوک ہے اور مالک خدا ہے۔ نیز اُسکی وجہہ یہہ ہے کہ عوام عقل کی کمی کے سبب سے اپنے آپ کو خود مختار سمجھہ کر مال کے ناز میں آگئے اور ادب کی لذت سے غافل ہو گئے اور اپنے آپ کو مالک جان کر خدا کو وکیل بنا لیا۔ مگر ادب کا طریقہ اس ناز و انبساط و اختیار سے اولیٰ ہے علاوہ اسکے جو شخص مال کے گھمنڈ پر تقرب الی اللہ کا دعوٰی کرے وہ مقام تقریب اور درجہ قرب سے نا واقف ہے کیونکہ مقربین کے نزدیک ادلال و ناز صحیح نہیں ہے۔ متوکلین سے پوچھا جائیگا کہ تمنے کیا چیز خدا کے حوالہ کی تھی۔ اور کس چیز کا اختیار اُسکو دیا تھا۔ اگر مال و اسباب کا امر و اختیار اُسکے حوالہ کیا تھا تو وہ پہلے

ہی اسکا تھا جسنے کرا دیا اور اگر تم نے اسباب کو سمجھ لیا تھا تو تمہارا اس میں کچھ اختیار نہیں تھا اور پھر تمنے اس اختیار کو توڑ کیا تو اسکے ہی کچھ معنے نہیں ہے - تو بتاؤ تم نے کس بات میں تمکو اپنا وکیل بنایا تھا - فافہم ہذا الحل ۔

سالکین کے معاملہ سے تفویض یہی ہے یعنے اپنے جمیع حالات کو اللہ کے سپرد کرنا - لیکن عبد کامل کے نزدیک یہ بھی معلول ہے کیونکہ وہ تمام امور و اختیارات کو خدا کے ہاتھ میں دیکھتا ہے - پس تفویض کیا معنے ہوئے حالانکہ ہر ایک امر ازل سے ہی اُسکے اختیار و تحویل میں ہے - پس اُنکا کام محض عجز و انکساری کا اقرار ہوتا ہے - اور یہی منشا ہوتا ہے ان کے اس قول کا (وفوضنا امرنا الی اللہ) ہم عاجزی کا اقرار کرتے ہیں اور وہ حکم بجالانے کے واسطے عبادت کرتے ہیں اور اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے اُنکا مالک کا کیا ارادہ ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اُسکے تمام افعال عین حکمت ہیں معلل باغراض نہیں ہیں - کیونکہ اگر اُسکے افعال کی کوئی علت غائی ہوتی تو محتاج ہوتا اور علت غائی و غرض وغایت کا محکوم ہوتا اور یہ خیال ذات حق کے حق میں محال ہے اسی واسطے عبد کامل اپنے افعال کے نتیجے کو نہیں دیکھتے بیشک ہر ایک اپنی لیاقت و مقام کے موافق کلام کرتا ہے - ایک مقام سالکوں کا یہ ہے کہ وہ اسباب و وسائط کو نظر انداز کردیتے ہیں - لیکن عبد کامل کے نزدیک حکمت الٰہی کے واسطے وسائط و ذرائع کا ہونا ضروری ہے اگرچہ وہ اُنہیں پر نہیں ٹھہرتے اور اُن کو مقصود بالذات تصور نہیں کرتے - کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ہر چیز کے واسطے ایک سبب بنایا ہے تو اُسکا ہونا ہی ضرور ہے اسی واسطے وہ ہر چیز کو اُسکے قاعدہ و قانون کے موافق کرتے ہیں اور یہی ادب ہے اور یہی حکم ہے - (واتوا البیوت من ابوابھا)[1] عارفوں کا یہی اصول ہے لیکن عوام کی نظر صرف اسباب پر پڑتی ہے اور مسبب کی طرف نہیں جاتی - غرض یہ کہ مسئلہ اسباب میں تین گروہ ہیں عوام تو محض اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں - سالک ناقص محض مسبب پر - عبد کامل و عارف اکمل اسباب و مسبب ہر دو کو اپنے اپنے محل پر ضروری خیال کرتے ہیں - ابتدا حال میں جب میں اس گروہ میں شامل ہوا تو میری نظر اسباب پر نہیں پڑتی اگر کوئی شخص مجھے کچھ دیتا تھا تو اُسکا احسانمند نہیں ہوتا تھا بلکہ خدا کا ہی احسان مانتا تھا اگر کوئی شخص ایسے وقت میں جبکہ مجھے سخت بھوک لگی ہوتی یا نہایت زور کی پیاس ہوتی میرے پاس کوئی لذیذ کھانا یا سرد پانی لاتا - تو بھی اُسکا شکریہ نہ کرتا اور اُسکے شکر بجالانے کو شرک سمجھتا - اور اس حال میں دُعا نہ مانگتا نہ اپنے لئے نہ غیر کے واسطے یہانتک کہ نماز جنازہ میں بھی دعا نہ کرتا نہ کسی کے واسطے کلمۂ شکر میری زبان سے نکلتا نہ کفر - اگر کوئی میرے ساتھ اس میں گفتگو کرتا اور ہزار دلائل پیش کرتا تو میں کوئی ایسی وجہ پیش کرتا جس سے وہ ساکت ہوجاتا - اور اپنے آپ کو حق بجانب خیال کرتا غرض یہ کہ ہر قسم کی وسائط کی میری نظر میں کچھ وقعت نہ رہی تھی کچھ مدت کے بعد اللہ نے مجھ کو اس سے نجات دی اور اسباب و وسائط کی حکمت سے واقف کیا - پس معلوم ہوا کہ عبد کامل اگرچہ مسبب پر اعتماد کرتا ہے - مگر اسباب کو بھی نظر انداز نہیں کرتا - اور اگرچہ لائق مدح و شکر مسبب ہی ہوتا ہے - مگر وہ امتثال امر کے واسطے سبب و وسیلے کی بھی شکر گذاری کرتا ہے دیکھو انبیاء علیہم السلام

---

[1] گھروں میں اُن کے دروازہ سے ہو کر آؤ - یعنی ہر چیز کو اُسکے قانون و قاعدہ کے موافق تلاش کرو -

والسلام اگرچہ بغیر قسمت ازلی کے کسی کو ہدایت نہیں کر سکتے اور کسی کو فیض نہیں پہنچا سکتے مگر وہ وسائط ہونیکی وجہ سے مطاع ہوتے ہیں کیونکہ انہیں کے ذریعہ سے ہمیں حسن و قبح کی شناخت ہوتی ہے۔ اور نیک و بد طریق کی پہچان ہوتی ہے گویا وسائط چشمہ جاری کی مانند ہیں اگرچہ حمد کے لائق چشمے کا جاری کرنے والا ہے۔ لیکن عارفوں کے نزدیک بلا جاننے وجہ کے وسیلہ کی شکر گذاری بھی اسی کا حکم ماننا ہے۔ اور وجہ تلاش کرنی انکے نزدیک بے ادبی ہے۔ اہل تسلیم ہونا بھی ایک درجہ ہے۔ مگر عوام کے لئے نہ عبد کامل کے واسطے کیونکہ اصطلاح میں تسلیم کی تعریف یہ ہے کہ اپنی ہر ایک چیز کو خدا کے سپرد کرنا۔ حالانکہ یہ جہالت و دعویٰ ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ظاہر و باطن وغیرہ میں کسی چیز کا جب اصلی مالک نہیں تو تسلیم کے کیا معنے۔ عبد کامل جب دیکھتا ہے کہ انکی ذات و صفات و تمام کائنات اللہ کے قبضے میں ہے جسطرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور کوئی چیز اسکے قبضہ سے خارج نہیں پاتے جسکو وہ اسکے حوالے کریں تو اس خیال و دعویٰ ہی کو ترک کر دیتے ہیں۔ ہاں انبیاء کی تسلیم میں کلام نہیں ہے۔ لیکن یہ ایسے امور میں ہوتی ہیں جو غیروں کے مذاق میں نہیں سماتی۔ علاوہ اسکے ان کی صفات سب سے اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں جس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اہل صبر ہونا بھی ایک مقام ہے۔ لیکن عبد کامل اسکا بھی مدعی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسمیں یہ دعویٰ پایا جاتا ہے کہ وہ بلا و محنت کی برداشت کی قوت رکھتا ہے۔ حالانکہ خدا کے سوا کسی میں قوۃ نہیں (ان القوۃ للہ جمیعا) ہر قسم کی طاقت خدا کے واسطے ہے۔ عارفان کامل جب ہر چیز میں اپنا عجز مشاہدہ کرتے ہیں تو ہر ایک شئے کو اللہ کی طرف رد کرتے ہیں۔ اور صبر کے مدعی اشیاء کو اپنی طرف رد کرتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ ادب یہ ہے کہ عبد بلاء کو بلاء میں ڈالنے والے (خدا) کی طرف سے قبول کرے اور اسکے فعل پر رضامندی ظاہر کرے۔ لیکن ہمیشہ اس میں رہنا پسند نہ کرے بلکہ اسکی شکایت اپنے رب کے سامنے کرے۔ کیونکہ اس بلا میں رہنے سے دوسری بلا میں گرفتار ہو جائیگا اور وہ یہ کہ اسکا نفس اللہ کے فعل (بلاء) کو مکروہ و ناپسند جانیگا اور یہ زیادہ مصیبت ہے۔ اسیواسطے بڑے بڑے اکابر سے دفع بلاء کی طلب ثابت ہے چنانچہ ایوب علیہ السلام نے کہا رب انی مسنی الضر (میرے رب مجھکو تکلیف ہے) جو یہ کہتے ہیں کہ دفع بلاء کے لئے سوال نہیں کرنا چاہئے۔ اور شکایت کا لب نہیں کھولنا چاہئے۔ کیونکہ اسمیں خدا پر اعتراض ہے غلط خیال ہے۔ کیونکہ بلاء کو محسوس اور اسکے اسیوقت دفع ہونیکی طلب رضامندی کیلئے کافی ہے۔ لیکن مداومت مشروط نہیں ہے کیونکہ نفس رنج و الم سے کراہت کرتا ہے۔

پس عبد کو چاہئے کہ ہمیشہ بلاء و مصیبت میں رہنا پسند نہ کرے بلکہ اسکے زوال کیلئے دعا مانگے اور جاہلوں کیطرح یہ دعویٰ نہ کرے کہ ہم اہل تسلیم و تفویض ہیں اور اللہ کے فعل پر اعتراض نہیں کرتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ بے ادبی ہے اور ایک قسم کا تکبر ہے جو قہر الٰہی کو بڑھاتا ہے گویا یہ دو جہالتیں ہیں۔ علاوہ اسکے ہمیں ایسے موقع پر سوال کی تعلیم دی گئی ہے جیسا کہ فرمایا۔ ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ (ہماری طاقت سے زیادہ ہم پر بوجھ نہ ڈال) سالکوں کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی مقضی (قضا کی گئی۔ دی گئی تقسیم کی گئی) پر ہر حال میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن عبد کامل اسکی قضا پر راضی رہتا ہے نہ مقضی پر۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یرضی لعبادہ الکفر۔ ان اللہ لا یامر بالفحشاء۔ اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون) علاوہ اسکے مقضی پر راضی ہونا ارادے کی فرع ہے۔ حالانکہ عبد ارادہ و اختیار کا مالک نہیں ہے۔ پس بندہ اس حال میں راضی ہوتا ہے جس حال میں اسکا مالک راضی

ہو۔ اور وہ حالت قضا کی ہے نہ مقضی کی۔ جیسا کہ ان اللہ لا یرضی بعبادہ الکفر (اللہ اپنے بندوں کیلئے کفر کی حالت پسند نہیں کرتا) سے ثابت ہوتا ہے۔ پس بندہ اللہ تعالیٰ سے ہر حالت میں راضی ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ حالت شرع کے اعتبار سے معصیت ہی ہو۔ راضی تو اس حیثیت سے ہوتا ہے کہ وہ حالت اللہ کا فعل ہے۔ اور اس سے توبہ و استغفار اس لحاظ سے کرتا ہے کہ وہ فعل اُسکے ہاتھ سے صادر ہوا ہے اور ظاہر میں اللہ کے امر کے مخالف ہو۔ اسی واسطے بعض عارفوں نے کہا ہے کہ بندے کو ان امور میں اور ایسے افعال ظاہرہ و باطنہ میں جو نواہی سے تعلق رکھتے ہیں زندہ و باہوش ہونا چاہئیے۔ اور ان تمام امور میں بلعتبار تسلیم قضا مردہ و بیخبر ہونا چاہئیے۔ جاننا چاہیئے کہ بندے کے واسطے ادب یہ ہے کہ خدا کے کاموں میں اپنے ارادے سے دخل نہ دے اور جو کچھ اُس نے ہمارے حق میں رنج و راحت مقدر کر دیا ہے اُسپر راضی رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری بہتری ہم سے اچھی جانتا ہے۔ اس مقام کے متعلق کچھ اسرار ہیں جو افشا کے لائق نہیں۔ بعض عارفوں نے اپنی خواہش کے مطابق اپنی مصلحت کی استدعا کی تھی آواز آئی کہ جو کچھ ہمنے تیرے واسطے پسند کیا ہے وہ اس سے اچھا ہے جسکو تو اپنے واسطے پسند کرنا چاہتا ہے۔ ہماری تقدیر و اندازہ کے ماتحت رہ۔ ابراہیم بن ادہم کا قول ہے کہ میں نے اللہ سے قیام لیل کا سوال کیا تین دن ادائے فرائض سے ہی محروم ہوگیا۔ پھر آواز آئی کہ بندہ ہو آرام پا۔ جب ہم تجھکو سلائیں تو سو جا۔ جب اُٹھائیں اُٹھ کھڑا ہو۔ پس میں بندہ ہوگیا میرے نزدیک خواب و بیداری مساوی ہوگئی۔ اور میں سمجھ گیا کہ جو کچھ میرے واسطے ہے وہ پہلے ہی اُسکے پاس ہے۔ اور اُسی میں میری بہتری ہے۔

مینے بھی ایک دفعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا۔ کہ مجھپر معصیت غالب نہ ہو اس کے بعد مجھپر معاصی کا سیل بندہ گیا یہاں تک کہ میں ڈر گیا کہ کہیں اسی حالت پر نہ مر جاؤں۔ پھر مینے اپنے اختیار کو چھوڑ دیا اور یہ راز مجھپر منکشف ہوگیا۔ پس جو شخص صوفیائے کرام کے مقام سے کوسوں دور ہے حظوظ نفسانی میں غرق ہے۔ درہم و دینار کا بندہ ہے اُسکو ان پر اعتراض کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حالات ذوق و کشف سے علاقہ رکھتے ہیں اور جسکو ذوق سے کچھ بہرہ ہے وہی (قل رب زدنی علما) کہ اے میرے رب میرا علم زیادہ کر) کی حقیقت سمجھ سکتا ہے جاننا چاہئیے کہ ذلت و انکسار کے طریقے سے خیر کی زیادتی کا طالب ہونا عبودیت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ موسیٰ نے کہا تھا کہ (رب انی بما انزلت الی من خیر فقیر) (اے میرے رب میں تیری نیکیوں اور مہربانیوں کا محتاج و طالب ہوں) اس سے معلوم ہوا کہ عبد کو اسی پر کفایت نہیں کرنی چاہئیے جو اُسکے پاس ہو بلکہ زیادتی کا طالب ہونا چاہئیے۔ تاکہ غنا کی حد تک نہ پہنچے اور عبودیت و فقر کے اندر محدود رہے۔ پس عبد ہر حال میں اُسکا محتاج ہے۔ چاہے یا نہ چاہے۔ اگر اختیار سے نہیں مانگیگا تو اضطرار و جبر سے سوال کریگا۔ پس معلوم ہوا کہ طلب عبودیت کے منافی نہیں ہے۔ مقام صبر میں اسکے متعلق گفتگو ہو چکی ہے وہاں دیکھنا چاہئیے۔ جاننا چاہئیے کہ انسان فطرت میں ہر ایک چیز کا عالم نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر درجے و مرتبے میں سعادت و کمال و شقاوت و نقصان کا علم حاصل کرتا رہتا ہے اسی واسطے رسول اللہ کو حکم ہوا (قل رب زدنی علما) اور فطرتی علم جو انسان میں ہے وہ صرف اتنا ہے کہ اللہ کی ہستی جانتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ حادث قدیم کا محتاج ہوتا ہے۔ اس درجہ علم میں کمی و بیشی نہیں ہوتی۔ فافہم ذالک۔

بالا مذکور ہو چکا ہے کہ موسیٰؑ نے زیادتی کی طلب کی تھی۔ لیکن ابراہیمؑ کے اس قول سے جو اُنھوں نے آگ میں ڈالے جانیکے وقت جبریلؑ سے کہا تھا (حسبی من سوالی علمه بحالی) (مجھے سوال کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ میرے حال کو خوب جانتا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ طلب عبودیت کے منافی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام موقع ومحل ومقتضائے حال کے موافق گفتگو کرتے ہیں جہاں موقع سوال کا ہوتا ہے وہاں سوال کر دیتے ہیں جہاں مقتضائے حال خاموشی ہوتی ہے وہاں خاموش رہتے ہیں اس اصول کے موافق ابراہیمؑ کا سوال نہ کرنا اس غرض سے تھا کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ اس موقع پر عدم طلب ہی ضروری ہے اور اسکا علم سابق ہی کافی ہے۔

اور موسیٰؑ نے یہ سمجھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مُراد اس موقع پر اُسکے اظہار فقر وفاقہ ہے۔ اسواسطے اُنھوں نے بھی مقتضائے وقت کے مطابق کلام کیا۔ و لکل وجهة هو موليها) ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ میل او اندر دلش انداختند۔ سالک غیر کامل یہ خیال کرتا ہے کہ وہ خدا کی نعمتوں پر شاکر ہے۔ گویا اسکی نعمتوں کا معاوضہ دے رہا ہے۔ لیکن عبد کامل یہ دعویٰ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو بے حقیقت خیال کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اُسکی کیا مجال وطاقت ہے کہ اپنے سید کی نعمتوں کی کسی چیز سے مکافات کر سکے۔ حالانکہ اُس کی ہر چیز اُسی کے خزانوں سے ملی ہوئی ہے وان من شيئ الا عندنا خزائنه (ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں) پھر کونسی چیز اُسکے عطیہ سے خارج ہے جسکو وہ مکافات کے طور پر دیسکے اسی واسطے وہ کسی جدید نعمت یا دفع نعمت کیوقت اپنے نفس کو یوں نہیں کہتا کہ آج تو اپنے سید کے احسان کے معاوضہ میں شب بیدار رہ۔ کیونکہ وہ تو ہر وقت اُسی کے خیال میں غرق ہوتے ہیں اور اُسکے ماسوا سے خبر نہیں رکھتے تو شکر کا خیال ہی اُن کے خیال میں کیونکر آسکتا ہے اُن کے نزدیک ماسوا اللہ کی طرف مشغول ہونا ضعف ایمان وکمزوری عقل کی علامت ہے عبد کامل کا درجہ یہ ہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے افعال واحوال کو صادق نہیں سمجھتا کیونکہ اُنکے نزدیک اُن کا وجود ہی غیر مستقل اور جھوٹ ہے تو اُن کے افعال واحوال کیونکر صادق ہو سکتے ہیں پس حسن عمل عبد خالص کا یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو گنہگار و جھوٹا خیال کرتا ہے کیونکہ وہ ظاہر کے اعتبار سے اپنے آپ کو فاعل خیال کرتا ہے۔ اور چونکہ ذات اُسکی باطل ہے اسلئے اُسکے اعمال واوصاف بھی باطل ہونگے) اور ایمان کی وجہ سے اللہ کو فاعل خیال کرتا ہے۔ یہ خیال نہ کرنا کہ جس عمل کو وہ گناہ و باطل خیال کرتا ہے وہ شرع میں بھی گناہ و باطل ہے۔ بلکہ یہ راز (حسنات الابرار سيئات المقربين) کے قبیلہ سے ہے۔ ابرار کی نیکیاں مقربین کیواسطے گناہ و بدیاں ہیں۔ کیونکہ مقربین کا مقام یہ ہوتا ہے کہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہ کریں ورنہ کرنے پر مواخذہ ہو۔ اور اگر کبھی اپنی طرف منسوب کرتے ہیں تو ادب کے واسطے نہ حقیقت کی رو سے اور ابرار کو اپنی طرف افعال منسوب کرنے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ سالکین کے مقامات سے ایک مقام یہ بھی ہے کہ وہ ذات باری کی خاص معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ اکثر فقراء سے واقع ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ بینے بعضوں کو کہتے سنا کہ ہم ذات مقدسہ کو جانتے ہیں مگر یہ جہالت ہے۔ اسی واسطے حدیث میں وارد ہے کہ لا تتفكروا في ذات الله لا

ہ ہر ایک اپنے خیال کی طرف منہ کئے ہوئے ہے۔

کی ذات کو نہ سوچو) کیونکہ اگر تم اُسکی ذات کو سوچوگے تو اُسپر حکم لگاؤگے کہ وہ ذات ایسی ایسی ہے حالانکہ اسکی حقیقت کا معلوم ہونا معلوم۔ انسان صرف اسماء کو سمجھ سکتا ہے نہ حقیقت کو اسی واسطے رسول اللہ نے فرمایا ہے اللھم انی اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک (اے اللہ میں تجھے اُن ناموں سے سوال کرتا ہوں جو تیرے لیے ہیں جو تو نے اپنے واسطے اختیار کئے ہیں اور انکو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا وہ نام جو تو نے کسی مخلوق کو سکھلائے ہیں یا جنکو تو نے اپنے علم غیب میں رکھا ہے) اسی واسطے عارف اُسکو زجر کرتے ہیں جو یہ دعوی کرے کہ وہ ذات حق کو جانتا ہے۔ ہاں عقل و تفکر سے صرف اُسکی ہستی ثابت ہوتی ہے نہ اُسکی ذات کی حقیقت یہاں تو عقل کے مرغ کے پر جلتے ہیں۔ اور سوائے عاجزی کے کوئی علاج نہیں۔ اسی واسطے ابوبکر صدیق رضی نے کہا ہے کہ العجز عن درک الادراک ادراک (اُسکی ذات کے جاننے سے عاجز ہونا ہی جاننا ہے) ایک مقام سلوک کا ایثار بھی ہے یعنے یہ خیال کرنا کہ بندہ اپنی ہر چیز خدا کے واسطے قربان و نثار کر دیتا ہے لیکن عبد کامل یہ دعوی نہیں کرتا کیونکہ اسمیں ملک کا دعوی پایا جاتا ہے حالانکہ ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے بندہ کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ تو ایثار کیونکر متحقق ہو سکتا ہے اور خدا نے جو ایثار کرنے والوں کی تعریف کی ہے (ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ) (اپنے نفسوں پر غیروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ آپ بھوکے ہی ہوں) وہ محض اُسکا فضل ہے۔ اور ایثار نہ کرنے والوں کی مذمت محض عدل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے مقدر کیا ہے کہ کریم کے ہاتھ سے لوگوں کو رزق پہنچے۔ اور بخیل کے ہاتھ سے نہ پہنچے اگر اُسکے ہاتھ سے بھی پہنچنا مقدر کرتا تو اُن کو پہنچتا۔ اگرچہ غصب اور سرقہ سے ہی ہوتا۔ لیکن ایک کی اپنے فضل سے تعریف کر دی۔ اور دوسرے کی اپنے عدل سے مذمت کر دی۔ کیونکہ اسکی شان ہے لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون (جو کچھ وہ کرتا ہے اسکو کوئی نہیں پوچھتا اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں وہ پوچھے جائینگے) سلوک کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ سالک اپنے آپ کو متخلق باخلاق حسنہ خیال کرتا ہے۔ لیکن عبد کامل کو بباعث شغل رویت حق کے کسی اور چیز کی خبر نہیں ہوتی وہ اُسکی ذات میں محو و مستغرق رہنے کی وجہ سے نیک و بد و نیک خلق و بد خلق میں تمیز نہیں کر سکتا۔ سلوک کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ سالک اپنے آپ کو اللہ کے ساتھ اُنس و الفت کرنے والا دیکھتا ہے۔ لیکن عبد کامل اس سے بھی فارغ ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں رویت حق میں مشغول ہوتا ہے علاوہ اسکے یہ دعوی بڑا مشکل ہے۔ کیونکہ اول درجہ اُنس الہی کا یہ ہے کہ لوگ اگرچہ اُس سے روگردانی کریں۔ مگر وہ اُن سے منہ نہ موڑے نیز میں کہتا ہوں کہ لذت اُنس بھی حظوظ النفس میں ہے۔ پس عبد خالص وہ ہے کہ جسکے نزدیک اُنس و عدم اُنس مساوی ہے علاوہ اسکے خدا سے کیونکر اُلفت کر سکتا ہے وہ شخص جو اُسکو ادراک نہیں کر سکتا ہے اور نہ اُسکا ہمجنس ہو سکتا ہے حالانکہ اُنس و الفت مانوس و مالوف سے ہو سکتی ہے اور یہ امر مفقود ہے یہ از ذوق سے علاقہ رکھتا ہے۔ سالک قاصر کا ایک مقام یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر حال میں ذاکر خیال کرتا ہے۔ لیکن عبد کامل کے نزدیک یہ دعوی بھی بڑا مشکل ہے کیونکہ حقیقت میں ذکر اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ذاکر اُسکے مقابلہ میں ہر شے کو

بھول جائے۔ علاوہ اسکے ذکر میں تو ہر ایک چیز لگی ہوئی ہے۔ تمام کائنات ذکر میں مصروف ہے۔ مگر اسکا معائنہ اہل کشف ہی کرتے ہیں۔ یعنے بھی ایک دفعہ یہ تماشا مغرب سے لیکر ایک تہائی رات تک مشاہدہ کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ تمام کائنات اونچی اونچی آوازوں سے تسبیح وتذکیر میں مصروف ہے۔ میں اُن کی آوازوں کو سُنتا تھا۔ اس حال کے مشاہدہ سے مجھپر یہانتک خوف طاری ہوا کہ میں دیوانہ سا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے وہ نظارہ اُٹھا لیا۔ اس حالت میں میں نے مچھلی کو سنا کہ وہ کہتی تھی (سبحان الملک القدوس رب الارزاق والاقوات والحیوانات والنباتات) تمام کائنات میں سے صرف میں صرف اسی کی تسبیح سمجھتا تھا۔ پس جب دیگر اشیا رہی انسان کے ساتھ تذکیر وتسبیح میں شامل ہیں تو انسان کے لئے ذکر باعث فخر کیونکر ہو سکتا ہے۔ علاوہ اسکے جب خدا تعالیٰ اس سے بھی زیادہ قریب ہو جتنی کہ نطق زبان سے تو انسان اُسکا ذکر کیونکر کر سکتا ہے۔ کیونکہ یاد اُس کو کیا کرتے ہیں جو غائب ہو اور وہ تو سب سے زیادہ نزدیک وحاضر ہے پھر اُسکا ذاکر ہونا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بنیز ذاکر اس حالت میں ہو سکتا ہے جبکہ متخلق باخلاق اللہ ہو۔ کیونکہ حدیث کی رو سے ذاکر اللہ کا جلیس ہوتا ہے۔ لیکن مدعی کا تخلق ہونا مشکل کیونکہ اگر وہ اپنے دعوی میں صادق ہوتا تو اُسکے تمام افعال ظاہر وباطن میں کتاب وسنت کے موافق ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی ذکر تو محال ہے لیکن امتثال وفرمانبرداری کیواسطے کرنا چاہئے۔ نہ اُنس وتنزیہ وغیرہ خیالات کیواسطے کیونکہ اللہ تعالیٰ کمال مطلق ہے اُس میں کسی وصف کی کمی نہیں جو تنزیہ وغیرہ حالات سے پوری کی جائے سالک قاصر کا ایک یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ خیال کرتا ہے کہ وہ اسباب ووسائل سے منقطع ہو گیا ہے لیکن عبد کامل ہر دعوے سے خالی ہوتا ہے اور اُسے ان حالات ومقامات کی خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُسے ماسوی اللہ کی خبر ہی نہیں ہوتی تو دعوے کس چیز کا کرے۔

اور اگر وہ اسباب کی طرف ملتفت ہوتا ہے تو اس اعتبار سے کہ وہ اُن میں اور اُن کے ساتھ اپنے آقا کو دیکھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تعیین اسباب ووضع وسائل میں بھی حکمت ہیں۔ گویا اسکا اسباب کی طرف مائل ہونا عین ادب الٰہی ہے۔ لیکن ایسا مائل نہیں ہوتا کہ بالکل اُنہیں محو ومنہمک ہو جائے۔ اور مسبب سے منقطع وجدا ہو جائے۔

سالک ناقص کا ایک مقام یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو موحد خیال کرتا ہے۔ یعنے اپنے آپ کو بندہ سمجھ کر اور اپنی ذات کو الگ خیال کر کے ایک اور ذات کو لائق عبادت سمجھتا ہے۔ اس قسم کی توحید کو توحید الوہیت کہتے ہیں۔ لیکن عبد مطلق توحید ذات کے مقام پر پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اس توحید میں ہر ایک قسم کی غیریت توحید ذات کے منافی ہوتی ہے۔ صفات معنویہ واوصاف کمالیہ جو خدا کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ توحید الوہیت کے منافی نہیں ہوتے لیکن توحید ذات کے مخالف ہوتے ہیں۔ عبد کامل توحید ذات کے مرتبے میں کوئی دوئی قایم نہیں کرتا۔ یعنے ایک ذات کے سوا اُسکی نظر میں کوئی اور ذات نظر نہیں آتی۔ گویا وہ خود ہی خود ہے کیونکہ اسے بارگاہ ازلی میں کسی قسم کی غیریت ودوئی کو دخل نہیں ہے توحید ذاتی کے اسرار بیشمار ہیں۔ جنکو اہل ذوق ہی جانتے

ہیں مگر عوام کالانعام کے سامنے ظاہر نہیں کئے جاتے۔ کیونکہ اس درجہ پر پہنچنے والے اور اس حال کے جاننے والے اکثر فرائض و احکام شرعیہ کو ترک کر دیتے ہیں اور عوام کو اُن کی ضرورت ہے۔ اگرچہ میں نے یہ بھی ذائقہ چکھا ہے۔ اور توحید ذاتی کے راز کو سمجھا ہے۔ مگر اللہ نے مجھکو ترک فرائض وغیرہ احکام سے محفوظ رکھا۔ اور اس درجہ میں اس وجہ سے ترک فرائض کی نوبت آتی ہے کہ اس درجہ میں آمر (امر کرنے والا) و مامور (امر کیا ہوا۔) ایک ہو جاتے ہیں۔ جب جانب حق غالب ہو جاتی ہے تو احکام و فرائض سے فراغت ہو جاتی ہے۔ جب جانب عبودیت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ صادر ہونے لگتے ہیں۔ لیکن مجھ پر ہمیشہ جانب عبودیت غالب رہی۔ اور میں امتثال اوامر اور اجتناب نواہی پر پابند رہا (فللہ الحمد۔ فی السموات وفی الارض ولہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ ولہ الحکم والیہ ترجعون) جب توحید ذاتی کا یہ حال ہے۔ اسی واسطے محقق عارف اُس ذات کو کسی لفظ سے تعبیر کرنے سے ساکت رہے ہیں حاصل یہ ہے کہ اس باب میں سوائے عشق و کشف کے خوض نہیں ہو سکتا اسی واسطے ہر ایک قسم کی عبارت و ہر ایک زبان اُس کی تعریف و تعبیر سے قاصر ہے۔ کیونکہ الفاظ اور حافظہ اور عبارت اور معبر سب حادث ہیں اور وہ ذات قدیم ہے۔ پس حادث قدیم کو کیونکر محیط ہو سکتا ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حق سبحانہ تعالےٰ اپنی اس توحید ہی سے جو اُسکی صفت ہے منزہ و پاک ہے نہ کسی کے پاک کرنے سے۔ اور اس توحید ذاتی کو جب تک عبد عبودیت و مخلوقیت کے درجہ میں ہے نہیں پا سکتا۔ نہ خالق کو ہمارا عبادت کرنا اور اس سے اُسکا تقرب ڈھونڈھنا اور وہی امتثال شرع ہے نہ از روئے تقرب ذات حق۔

وہ مقامات جن کا ذکر ہم اس رسالہ میں کرنا چاہتے تھے ختم ہو گئے۔ اور جس نے ان اشاروں کو سمجھا ہوگا۔ وہ یقیناً نتیجہ نکالے گا۔ کہ جو کچھ عبد کامل پر ملکوت السموات والارض کے حالات منکشف ہوتے ہیں وہ بھی اُسی کی طرح مخلوق ہی ہوتے ہیں نہ خالق گویا مخلوق مخلوق ہی کو دیکھتا ہے۔ اور کسی چیز کی حقیقت منکشف ہو جانے سے ذات حق کا انکشاف نہیں ہو جاتا۔ ہاں اُن چیزوں کے وجود سے معرفت ذات حق پر استدلال ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ شرعی طور سے امتثال اوامر و اجتناب نواہی میں قائم ہو تو اُن چیزوں کے انکشاف سے اُسے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اسکی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے مقربوں کے ساتھ اُسکے گھر میں داخل ہو اور اُس کے تمام اسباب و خزائن وغیرہ کا مشاہدہ کریں مگر وہ بادشاہ کے حکم کا ماننے والا نہ ہو تو اُسکو بادشاہ کے خزائن و دفائن وغیرہ اسباب کے معلوم ہونے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ وہ غضب و عقوبت کے شکنجہ میں گرفتار ہوگا۔ چہ جائیکہ کرامات و خوارق کا خواستگار رہو۔

علاوہ اسکے کرامات و خوارق کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ جن چیزوں کا نام عوام نام کرامت و خرق عادت رکھتے ہیں۔ اُن کی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ وہ بھی ایک قسم کی ایجا

ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی خاص وقت پر کسی خاص امر کے لئے ظاہر کرتا ہے جیسا کہ آیت ذیل (بل ھم فی لبس من خلق جدید) سے ظاہر ہوتا ہے۔

پس اہل اللہ کے نزدیک بندہ کا حوادث زمانیہ میں کوئی اثر نہیں ہے۔ اور جو کچھ اُنپر اللہ کی طرف سے فیض ہوتا ہے وہ اُن کی نظروں میں ایسا لایق وقعت نہیں ہوتا کہ اُسکو حمد و ادب الٰہی پر ترجیح ہو سکے۔ اسی واسطے ابو یزید رحمۃ نے کہا ہے کہ اگر قیامت کے روز اللہ مجھے تمام خلق کی شفاعت کا درجہ عطا کرے تو میرے نزدیک یہہ بڑی عزت کی بات نہ ہوگی۔ اور میں اسکو بلحاظ شفاعت کے مہتم بالشان خیال نہ کروں گا۔ بلکہ اس اعتبار سے عظیم الشان ہوگی کہ اُس میں اپنے آقا کی حمد و ثنا کرنی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کے لئے شفاعت کا مقام محمود شفاعت کی وجہ سے عظیم الشان نہ ہوگا بلکہ اس اعتبار سے کہ اُس میں حمد الٰہی کرنی پڑے گی اور وہی مقصود بالذات ہوگی اور شفاعت مقصود بالعرض۔ فافہم۔

اب میں چاہتا ہوں کہ اس رسالے کو ایک ایسے فقرے سے ختم کر ڈالوں۔ جو خلقت کے تمام احوال کا خلاصہ ہے۔ اور جمیع کتب الہامیہ منزلہ من اللہ کا لب لباب ہے۔ اور عارفوں کے مسلک کا حاصل ہے وہ یہہ ہے کہ خواب میں میرے پاس ہاتف آیا۔ اور کہا کہ یہ کلام جامع سُن لے۔ میں نے کہا وہ کیا ہے۔ کہا کہ بندہ کا کچھہ اختیار نہیں ہے۔ کہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا ترک کرنے کا دعوی کرے اُسکا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کہے کہ میں فلاں کام کروں گا اور فلاں نہیں کروں گا۔ اسکا فرض صرف یہ ہے کہ جو کام اُسکے ہاتھ سے ہم کروائیں اُسکا حق بجا لائے۔ یعنی اگر نیک کام ہو تو اُسپر ہماری تعریف کرے اور اُس میں کوتاہی کرنے سے استغفار کرے۔ اور اگر برا و گناہ کا کام ہو تو بھی ہماری تعریف کرے اس اعتبار سے کہ ہمنے ہی اُسکے واسطے یہ اندازہ کیا تھا۔ اور استغفار کرے اس اعتبار سے کہ وہ کام ظاہر میں ہمارے حکم کے مخالف ہے۔ اگرچہ غفلت اور سہو سے ہی ہو۔ غرض کہ ہر ایک کام میں جو اُسکے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے۔ ادب کا طریق اختیار کرے کہ (التصوف کلہ ادب) ہے اور تصوف کی بنا ادب پر ہی ہے۔ از خدا خواہیم توفیق ادب۔ بے ادب محروم ماند از فضل رب۔ ادب تاجیست از لطف الٰہی۔ بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی۔ غرض کہ اس کتاب کا اصل مدعا ادب و تعظیم الٰہی ہے۔ + اور بس۔ +

قطعہ تاریخ انطباع از مولانا مولوی سعد اللہ صاحب مولوی فاضل بھیروی

بیا اے عاشق دیدار آں دلدار قدسیہ / کہ بنمایم ترا زاں آفتاب انوار قدسیہ
اگر بارت میسر نیست در دربار قدسیہ / ببیں در آئینہ عکس رخ آں یار قدسیہ
کتابے جامع ہر خوبی و گلزار قدسیہ / کہ بر ہر شاخ آں ہر سو شگفتہ ازہار قدسیہ
عجب ایں چشمہ آب حیات جاوداں دیدم / کزاں گردد دل اشرار ہم سرشار قدسیہ
برائے صوفیاں بہتر ازیں ہرگز کتابے نیست / کہ باشد جامع تفسیر و استفسار قدسیہ
ز تصنیف انیف عارف حق عبد وہاب است / کہ شیخ وقت بود و قدوۂ ابرار قدسیہ
مگر اکنوں چو اکثر طالبان حق ز کم علمی / نمے فہمند در اعلیٰ زباں آثار قدسیہ
لہذا شیخ فاضل عبد رحماں آں کہ اول ہم / ز تفسیر کبیر اظہار کرد اسرار قدسیہ
نمود ایں ہمتے تا شد مترجم در زبان ما / چنیں عمدہ کتابے جامع اخبار قدسیہ
باستخراج سالش اے سعید اندیشہ میکردم / ندائے آمدہ از ہاتف اذکار قدسیہ
بگو تاریخ طبع ترجمہ ایضاً فروغ الہ / کہ اسمش بامسمے ہست ہم انوار قدسیہ

١٣٢٣ھ

ایضاً ترجمہ از خاکسار مترجم کتاب ہذا

اٹھ اے عاشق کہ دکھلاؤں تجھے دلدار قدسیہ / یہ دیکھ اس آفتاب قدس کے انوار قدسیہ
اگر تو جانتا ہے دور ہے دربار قدسیہ / تو دیکھ اس آئنہ میں جلوہ گر ہے یار قدسیہ
عجب یہ چشمہ آب حیات جاودانی ہے / شریروں تک بھی ہیں جس فیض سے سرشار قدسیہ
نہیں ہے صوفیوں کے واسطے اس سے کتاب اچھی / کہ ہو یوں جامع تفسیر و استفسار قدسیہ
کیے شیخ عبد وہاب اسکو تصنیف عربی میں / جو تھے اک عارف حق قدوۂ ابرار قدسیہ
مگر اب چونکہ اکثر شائقیں ادنے لیاقت کے / سمجھ سکتے نہیں اس طرح کے آثار قدسیہ
تو شیخ عبد رحماں جس نے تفسیر کبیر اول / کرائی ترجمہ شایع کیے اسرار قدسیہ
انہیں کی کوششوں سے ہو گئی یہ بھی مترجم اب / کہ ہے عمدہ کتاب اور جامع اخبار قدسیہ
سعید زار اس کے سال کو جوں سوچتا ہی تھا / یکایک بول اٹھا ہاتف اذکار قدسیہ
کہو تاریخ طبع ترجمہ یہ ہے۔ فروغ الہ / کہ جیسے نام نامی اسکا ہے انوار قدسیہ

١٣٢٣ھ

محاورات العرب

اسمیں عربی خوان طلباء کو نہایت آسان اور سہل طریق پر اُردو سے عربی مین ترجمہ کرنے کا طریق سکھلایا گیا ہے ساتھ ساتھ صرف و نحو کے قواعد کی بھی تشریح کردی گئی ہے مشق کیواسطے سینکڑوں فقرون کا ترجمہ کرکے اس کا مفصل طریقہ سمجھایا گیا ہے پورا یقین ہے کہ جو عربی خوان طلباء چند روز اس کا مطالعہ کرینگے عربی میں اچھی واقفیت پیدا کرلینگے یہ رسالہ مولوی فاضل شیخ عبدالہادی صاحب کی نادر تصنیف ہے۔ قیمت فیجلد ۱ر

عین الجاریہ فی تردید الویدو الآریہ

یہ کتاب مولٰینا مولوی عبدالعزیز صاحب نومسلم کی نہایت دلچسپ اور قابل دید تصنیف ہے فاضل ممدوح نے دیباچہ مین اُن دردانگیز اور رقت خیز واقعات کا اظہار کیا ہے جو ان کو ترک سماج کے وقت پیش آئے تھے بعدہٗ آریون کا مروجہ مذہب اور اُن کے چارون ویدونکی پوری قلعی کھولی ہے یہ کتاب حقیقت میں آریون اور اُنکے ویدون پر ایک زبردست ریویو ہے جس کے ساتھ ساتھ فضایل اسلام اور برکات قرآن کریم کا بھی مقابلہ کرکے اسلام کو دلائل معقولی اور منقولی سے ترجیح دی گئی ہے نیز ثابت کیا گیا ہے کہ صرف مذہب اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دُنیا کی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے قیمت فی جلد عہ ر

بدور السافرہ فی امور الآخرہ کا اُردو ترجمہ

یہ کتاب امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے امام ممدوح نے قرآن کریم کی ان جملہ آیات کو جنمین حشر نشر حساب و کتاب۔ پلصراط۔ حوض کوثر۔ شفاعت۔ میزان۔ نشر اعمال۔ بہشت دوزخ کا بیان ہے اسمیں جمع کرکے حدیث نبوی کیساتھ اونکی تفسیر کردی ہے اسکتاب کے ۲۰۵ باب ہین ہر ایک باب کا افتتاح آیت قرآن کریم سے کیا گیا ہے احوال برزخ مین یہ جامع تصنیف ہے صفحات ۳۸۲ تقطیع اس کتاب کے برابر ہے قیمت فی جلد عہ ۹ ر

منیجر کتب خانہ اسلامیہ سے طلب کرو

کتاب الروح کا اردو ترجمہ

یہ کتاب ایک مصری فلاسفر کی نہایت دلچسپ اور قابل دید ہے اس میں روح انسانی کے متعلق اس قدر قیمتی اور بے بہا معلومات کا ذخیرہ ہے جو ہزار ہا روپیہ کے خرچ سے حاصل ہونا مشکل ہے۔ حکماء یونان کی تقریرین محققین اسلام کے بحث مباحثے اور ان پر فاضل مصنف کا زبردست محاکمہ دیکھنے کے قابل ہے اسکے ملاحظہ سے آپ کو علم الروح کی پوری واقفیت ہو جائیگی۔ ایسی کتاب آجتک اردو میں کوئی موجود نہین ہے علاوہ اسکے اس میں ایسے ایسے مضامین بھی آگئے ہیں جن سے آپ کے کان بالکل بے بہرہ ہین صفحات ۴۸۰ قیمت عہ

منہاج الصادقین

یہ کتاب مولانا مولوی محمد فضل الدین صاحب کی تصنیف ہے۔ جو یوگندر پال آریہ کی کتاب ابطال المتخاصمین کے جواب مین لکھی گئی ہے۔ یوگندر پال نے قرآن شریف اور تمدن اسلام پر جس قدر اعتراض کئے ہین نہایت تہذیب کے ساتھ اسکا جواب دیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ الزامی جواب ویدون سے بھی دئے گئے ہین کہین کہین اولٹے اعتراض ویدون کی تعلیم پر کئے گئے ہین یہ کتاب قابل دید ہے قیمت ۸ر

اخبار ضیاء الاسلام

بالفعل یہ اخبار پندرہ روزہ دفتر کتب خانہ اسلامیہ امرتسر سے شائع ہوتا ہے قرآن کریم کی تعلیم کے حقایق اور اسلام کے مقدس اصولوں کے معارف کی اشاعت اسکا اعلیٰ مقصد ہے۔ مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے جواب دینا اور انکی مسلمہ اصولون پر الہامی کتابون پر جواب طلب اعتراض کرنا اسکا مسلمہ فرض ہے آریون کی تردید اور وید کی تعلیم کی تباحتین بالالتزام شائع ہوتی ہین۔ مسلمانون مین یگانگت اور یکجہتی کا بیج بونا۔ حرفت صنعت کا رواج دینا اسلام کی اشاعت کرنا۔ دنیا کے مسلمانون کے جدید واقعات کا شائع کرنا وغیرہ اسکے اصولون مین داخل ہو قیمت سالانہ عہ ۱۲

منیجر کتب خانہ اسلامیہ امرتسر سے طلب کرو

دیانندی الہام - آریہ سماج کے دین اصولوں اور اسکے مجوزہ شرائط کی براہین عقلیہ و نقلیہ سے محققانہ طور پر ... تردید کی گئی ہے ہر شخص کو اسکا دیکھنا ضروری ہے - قیمت ...